قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ہفتہ وار طلوعِ اسلام کراچی

جلد نمبر ۸
شمارہ ۳۱

کراچی: ہفتہ - ۳ - ستمبر ۱۹۵۵ء

قیمت چھ آنہ
سالانہ پندرہ روپے

مقصد طلوعِ اسلام کا مسلک اور

ہمارا مسلک یہ ہے کہ

1. تنہا عقلِ انسانی (عقل) زندگی کے مسائل حل کرنے کے لئے کافی نہیں۔ اسے اپنی راہنمائی کیلئے اسی طرح وحی کی ضرورت ہے جس طرح آنکھ کو سورج کی روشنی کی
2. [illegible]
3. [illegible]
4. [illegible]
5. [illegible]
6. [illegible]
7. [illegible]
8. [illegible]

[illegible]

قرآن نے کیا کہا؟

ہم دیکھ چکے ہیں کہ

(i) صحیح نظام زندگی میں ہر فرد کے رزق کی ذمہ داری "اللہ" پر ہوتی ہے۔

(ii) "اللہ" کی یہ ذمہ داری اس نظام کے ہاتھوں پوری ہوتی ہے جو اس کے قوانین کو نافذ کرنے کے لئے قائم ہوتا ہے۔

لیکن یہ ظاہر ہے کہ اس نظام کے پاس از خود تو کچھ ہوتا نہیں جس سے یہ اتنی عظیم ذمہ داری کو پورا کرسکے۔ اس کے لئے معاشرہ کے افراد اس نظام سے ایک معاہدہ کرتے ہیں۔ اس معاہدہ کی رو سے افراد اپنی جان اور مال "اللہ" کے ہاتھوں بیچ دیتے ہیں اور اس کے بدلے میں "اللہ" اپنی "جنت" عطا کر دیتا ہے۔ سورہ توبہ میں اس معاہدہ کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنۃ (۹/۱۱۱) اللہ نے مومنین کا مال اور جان خرید لیا ہے تاکہ انہیں جنت عطا کردے۔ یہ جنت اس زندگی سے شروع ہوجاتی ہے اور اس کا سلسلہ مرنے کے بعد تک مسلسل جاری رہتا ہے۔ مرنے کے بعد، جنت کی کیفیت کیا ہوگی، اسے ہم اسوقت نہیں جان سکتے۔ البتہ اس دنیا میں جنت کی کیفیات ہم سمجھ بھی سکتے ہیں اور ان سے لذت اندوز بھی ہوسکتے ہیں۔ قرآن نے اس جنتی معاشرہ کی تفاصیل بڑی شرح و بسط سے بیان کی ہیں جن میں سے اہم شقیں آئندہ قسطوں میں سامنے آئیگی۔

اس شمارے میں

★ اے پیر حرم
★ ہمارے لیڈر
★ ہند و استعماریت
★ تاریخی شواہد
★ اسلام کی سرگزشت
★ مجلس اقبال
★ عورت کا قرآن
★ نصاب زکوۃ میں تبدیلیاں
★ امریکہ میں اسلامیات
★ نقد و نظر
★ حقائق و عبر

ہفتہ وار درس قرآن

ہر اتوار کی صبح نو بجے ۱/۲۳ فاولرز لائن نیپئر بیرکس میں ہوتا ہے جسمیں محترم پرویز صاحب تقریر فرماتے ہیں۔

سلیم کے نام خطوط

ان خطوط میں ملت کے اس نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کو مخاطب کیا گیا ھے جو مشرق و مغرب کے تصادم کے بعد ملوکیت کے وضع کردہ غلط مذھبی تصورات سے متنفر ھوتے ھوئے اسلام اور اس کے سرچشمۂ حیات قرآن ھی سے ھاتھ دھو چلا تھا۔ عقائد و نظریات جیسے خشک اور نازک مسائل پر اس عمدگی سے بحث کیگئی ھے کہ محسوس ھی نہیں ھوتا کہ ھم کسی خشک فلسفیانہ بحث کو پڑھ رھے ھیں۔ باتوں باتوں میں وہ دقیق اور معرکہ آرا مسائل حل کرکے رکھ دئے گئے ھیں جنھیں ضخیم مجلدات میں بھی حل نہیں کیا جاسکا تھا۔ یہ خطوط ملک کے گوشہ گوشہ سے خراج تحسین وصول کرچکے ھیں۔ قرآن کی روشنی اور محترم پرویز صاحب کا بصیرت افروز قلم۔ بڑا سائز۔ ضخامت سوا چار سو صفحات۔ کتابت و طباعت دیدہ زیب کاغذ سفید گرد پوش مصور مشرق جناب چغتائی کے قلم کا حسین سرقعہ۔ قیمت چھ روپے علاوہ محصولڈاک۔

فردوس گم گشتہ

جناب پرویز کے ان مضامین کا مجموعہ جنھوں نے قوم کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاھوں کا زاویہ بدل دیا ھے۔ مفہوم کے علاوہ اگر خالص ادبی نقطۂ نگاہ سے بھی دیکھئے تو اردو زبان کی بہت کم کتابیں اس پایہ کی دکھائی دینگی۔

بڑا سائز۔ ضخامت قریب چار سو صفحات۔ کتابت و طباعت دیدہ زیب کاغذ سفید۔ جلد مضبوط۔ گرد پوش حسین۔ قیمت چھ روپے علاوہ محصولڈاک۔

اسباب زوال امت

مسلمانوں کی ھزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ھے کہ ھمارا مرض کیا ھے اور علاج کیا۔ ضخامت ۱۵۰ صفحات قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے۔

اسلامی نظام

اسلامی مملکت کا بنیادی اصول کیا ھے اور اسلامی نظام کیسے قائم ھوسکتا ھے؟ اسکے جواب میں محترم پرویز صاحب اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات جنھوں نے فکر و نظر کی نئی راھیں کھولدی ھیں۔ قیمت دو روپے۔

اسلامی معاشرت

مسلمان کے عادات و اخلاق کا خاکہ، رھنے سہنے کا ڈھنگ۔ سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ھر اسلوب قرآنی آئینے میں۔

ضخامت ۱۹۲ صفحات قیمت دو روپے۔

قرآنی دستور

اس میں پاکستان کیلئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ھے اور حکومت، علماء اور اسلامی جماعت کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ھے۔

ضخامت دو سو چوبیس صفحات قیمت دو روپے آٹھ آنے۔

قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر

ہفتہ وار

طلوعِ اسلام

جلد ۸ | کراچی، ہفتہ ۳ر ستمبر ۱۹۵۵ء | نمبر ۳۱

اے پیرِ حرم ....

۲۰ر اگست کی شام محترم چودہری محمد علی صاحب، وزیر اعظم پاکستان نے سکرٹریٹ کے افسران کے ایک خصوصی اجتماع کو مخاطب کرتے ہوئے انھیں بہت سی سبق آموز نصیحتیں کیں۔ انھوں نے کہا کہ ملازمین سرکار کو چاہیئے کہ وہ عوام کے غلام بن کر رہیں اور حسن انتظام دیانت و امانت کا بلند ترین نمونہ پیش کریں۔ جہاں تک ان نصائح کا تعلق ہے ان کے مواعظ حسنہ ہونے میں کسی کو بھی کلام نہیں، لیکن ہمارا خیال ہے کہ محترم چودہری صاحب ہم سے کہیں زیادہ اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ

عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد

انھیں اچھی طرح سے علم ہے کہ ان سے پہلے بھی ہر وزیر اعظم ملازمین سرکار سے یہی کچھ کہتا رہا ہے، وزیر اعظم تو ایک طرف، ہر بڑا افسر اپنے سے نچلے افسروں کو یہی کچھ کہتا ہے اور ان مواعظ کو برابر دہراتا رہتا ہے لیکن اس کے باوجود خرابیاں ہیں کہ دن بدن بڑھتی جارہی ہیں۔ اور اب تو یہ خرابیاں اس حد تک بڑھ چکی ہیں کہ عوام ان کی اصلاح کی طرف سے بالکل مایوس ہو چکے ہیں۔ لہٰذا ان مواعظ کو ایک مرتبہ پھر دہرا دینے سے (خواہ وہ کیسی ہی حسن نیت سے کیوں نہ کیا جائے) کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا۔ محترم چودہری صاحب کی ساری عمر سکرٹریٹ میں گذری ہے۔ انھوں نے تقسیم سے پہلے ہندو اور انگریز کے زمانے کی سکرٹریٹ بھی دیکھی تھی اور اب (تقسیم کے بعد) وہ مسلسل پاکستان سکرٹریٹ میں کام کرتے چلے آرہے ہیں، اس لئے انھیں اچھی طرح سے علم ہونا چاہیئے کہ ان خرابیوں کے علل و اسباب کیا ہیں۔ اور ان کا موثر علاج کیا؟ اس سے پہلے ہو سکتا ہے کہ ان کے ہاتھ میں ایسے اختیارات نہ ہوں جن سے وہ ان خرابیوں کا استیصال کر سکتے۔ لیکن اب تو وہ حکومت کی اجرائیہ کے سب سے بڑے رکن ہیں۔ اب تو ان کے پاس وہ اختیارات موجود ہیں جن کے استعمال سے ان خرابیوں کا علاج ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ان سے ہماری گذارش ہے کہ وہ اب ان مواعظ تک ہی اپنے آپ کو محدود نہ رکھیں بلکہ اپنے اختیارات کی نوک نشتر سے اس زہر آلود ناسور کا علاج کریں۔ انھیں اچھی طرح سے علم ہوگا کہ دفاتر میں کس قدر سست رفتاری ہے چھوٹے چھوٹے کاموں میں کس قدر تاخیر ہوتی ہے۔ نالائقی (INEFFICIENCY) کس انتہا تک پہنچ چکی ہے۔ ڈسپلن کس قدر بگڑ چکا ہے۔ رشوت کتنی عام ہو رہی ہے۔ ضرورت اس کی ہے کہ کوئی ایسی مشینری متعین کی جائے جو ایک ایک افسر اور ایک ایک ماتحت پر کڑی نگاہ رکھے اور مجرمین کو سخت سے سخت سزا دے۔ ہم اہل دفاتر کو جانتے ہیں کہ ان کا دل گردہ کتنا ہوتا ہے۔ ہم پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ اگر ایک رشوت خوار افسر کو (کسی ماتحت ملازم کو نہیں بلکہ سب سے بڑے افسر کو) پھانسی کی سزا دیدی جائے اور اس کی جائداد ضبط کر لی جائے تو دوسرے ہی دن سارے سکرٹریٹ سے رشوت ختم ہو جائے گی۔ اگر ایک ایسے سکریٹری کو جس کے دفتر میں کوئی فائل ایک ہفتہ سے زیادہ عرصہ تک رکا رہے برخواست کر دیا جائے تو دیکھئے کہ دفاتری مشینری کس برق رفتاری سے چلنے لگ جاتی ہے۔ باقی رہی نالائقی تو یہ افراد کا نقص نہیں، یہ اس سسٹم کا نقص ہے جس کی رو سے سکرٹریٹ میں افسران اور عملہ کا تعین ہوتا ہے۔ ہم اس وقت اس حقیقت کا تجزیہ نہیں کرنا چاہتے کہ اس بدترین سسٹم کا ذمہ دار کون ہے؟ (ہم سے زیادہ خود محترم چودہری صاحب اس سے واقف ہیں) اس وقت ہم صرف اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ جب تک اس پورے کے پورے سسٹم کو نہیں بدلا جاتا۔ نالائقی کسی طرح بھی کم نہیں ہو سکتی۔ یہ ان تمام نصائح و مواعظ کے باوجود دن بدن بڑھتی جائے گی۔

اندریں حالات ہم محترم چودہری صاحب سے بزور اور باادب گذارش کریں گے کہ اب جبکہ زمام اقتدار ان کے ہاتھ میں ہے وہ سکرٹریٹ کی خرابیوں کو دور کرنے کے لئے کوئی عملی قدم اٹھائیں۔ یہ خرابیاں مواعظ و نصائح کی حد سے بہت آگے بڑھ چکی ہوئی ہیں۔

نوا را تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کمیابی
حدی را تیز تر می خواں چو محمل را گراں بینی

صوبجاتی تعصب

محترم چودہری صاحب نے سب سے زیادہ زور جس بات پر دیا وہ یہ تھا کہ ملازمین سرکار کو صوبجاتی تعصب سے بہت دور رہنا چاہیئے انھوں نے فرمایا کہ

ایک وقت ایسا آگیا تھا کہ صوبجاتی تعصب ملک کو تباہی کے جہنم کے کنارے تک لے آیا تھا۔ یہ تعصب الٹی ذہنیت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ اس کی بنیاد نہ فکر پر ہے نہ منطق پر۔ اسلام کے زوال کا باعث قبائلی لڑائیاں ہوئیں۔ وہی جذبہ اب صوبجاتی عصبیت کی شکل میں کارفرما ہے۔ میں آپ سب سے درخواست کروں گا کہ اگر آپ پاکستان کی خدمت کرنا چاہتے ہیں تو خدا کے لئے اس لعنت سے دور رہیئے۔

ہم اس بیان حقیقت کشا اور بصیرت افروز کے ایک ایک لفظ سے متفق ہیں اور جس زور سے چودہری صاحب نے یہ اپیل کی ہے اس میں بھی ان کے برابر کے شریک ہیں لیکن ٹھنڈے دل سے سوچنے کی بات یہ ہے کہ ملازمین کے طبقہ میں صوبجاتی عصبیت پیدا کرنے اور اسے مضبوط سے مضبوط تر کرتے چلے جانے کی بنیادی علت کیا ہے؟ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ کوئی شخص کسی خاص صوبے سے وابستہ رہنے کے خیال میں شدت نہیں برتتا، تاوقتیکہ اس وابستگی میں اسے کوئی فائدہ نظر نہ آئے۔ صوبجاتی عصبیت، مفاد کے حصول کے خیال سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کی بین مثال تقسیم سے پہلے خود مسلمانوں کی آپ بیتی ہے۔ مسلمانان ہند نے ایک عرصہ تک مسلسل جدوجہد جاری رکھی کہ ملازمتوں میں ان کا جداگانہ تناسب ہونا چاہیئے۔ بالآخر ۱۹۳۴ء میں حکومت نے ملازمتوں میں فرقہ وارانہ تناسب کے اصول کو تسلیم کر لیا۔ اور اس کے مطابق احکام نافذ کر دیئے۔ ان احکام کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں اور ہندوؤں میں علیحدگی کی خلیج دن بدن وسیع ہوتی چلی گئی۔ بعد میں جب ہم نے پاکستان کی تحریک کو اٹھایا تو اس کی بنیاد مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کے تصور پر تھی۔ اس لئے ملازمتوں میں فرقہ وارانہ تناسب کی خلیج نے اس باب میں بھی ہمیں بڑی مدد دی۔ چنانچہ رفتہ رفتہ مسلمان ایک جداگانہ قوم تسلیم کر لئے گئے جو ارباب بصیرت اس زمانہ میں تحریک پاکستان سے وابستہ تھے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ملازمتوں میں مسلمانوں کے الگ حصہ (QUTA) نے مسلمانوں کے اندر ایک الگ قومیت کے تصور اور جذبہ کو کس قدر تقویت دی تھی۔ ہندوستان میں تو یہ کچھ اس لئے کیا گیا تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے دو الگ الگ قوموں کے تصور کو شدید سے شدید کیا جائے لیکن بدبختی ملاحظہ ہو کہ ہم نے اس اصول (یعنی ملازمتوں میں صوبجاتی تناسب کے قانون) کو خود پاکستان میں رائج کر دیا۔ چنانچہ اس نے جو نتیجہ ہندوستان میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان پیدا کیا تھا۔ وہی نتیجہ یہاں بنگالی،

پنجابی، سندھی، سرحدی بلوچی کے اندر پیدا کر دیا یعنی یہ ایک ملت کے افراد ملازمتی مفاد کی خاطر صوبجاتی تفریق میں بٹ گئے طلوعِ اسلام چلاتا رہا کہ خدا کے لئے اس شجرۃ الزقوم کے بیج اس سرزمین میں نہ بوؤ۔ اس سے وہ زہریلا پھل پیدا ہوں گے۔ جس سے یہ مملکت تباہیوں کے جہنم میں جا گرے گی۔ لیکن اس نقارخانہ میں طوطی کی آواز کو سنتا کون تھا۔ یہ لوگ برابر ان خاردار جھاڑیوں کی کاشت میں مصروف رہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب ہر دفتر کے اندر صوبجاتی پارٹیاں بنی ہوئی ہیں۔ اور ان کا سارا وقت باہمی سازشوں اور سیسہ کاریوں میں گذرتا ہے۔ نالائقی اس سے بڑھی۔ سکام چوری اس سے بڑھی۔ ڈسپلن اس سے خراب ہوا۔ تفرقہ انگیزی اس سے پیدا ہوئی۔ طلوعِ اسلام ان حضرات سے برابر کہتا رہا کہ جو گرہیں تم آج اپنے ہاتھوں سے دے رہے ہو ایک وقت آئے گا کہ تم انہیں دانتوں سے بھی کھولنا چاہو گے تو یہ نہ کھلیں گی۔ چنانچہ وہ وقت اب آگیا ہے جو خاردار جھاڑیاں ہم نے اپنے ہاتھوں سے بوئی تھیں یہ انہیں کے کانٹے ہیں جن سے زخمی شدہ تلوؤں کا واسطہ دلا کر محترم چودھری صاحب سکریٹریٹ والوں سے اپیل کر رہے ہیں کہ اپنے راستوں کو ان کانٹوں سے صاف اور اپنے دامن کو ان جھاڑیوں سے محفوظ رکھو۔ ہم محترم چودھری صاحب کے اس جذبہ کی قدر کرتے ہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ جب تک ان جھاڑیوں کو جڑ سے نہ اکھیڑا جائے گا۔ ہمارے راستے کانٹوں سے صاف نہیں ہو سکیں گے۔ ہمیں اس کی توقع ہو چلی تھی کہ اگر مغربی پاکستان ایک وحدت میں تبدیل ہو گیا اور پاکستان کے دونوں بازوؤں کو داخلی خود مختاری مل گئی۔ تو ملازمتوں میں صوبجاتی تناسب کی لعنت دور ہو جائے گی۔ لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ مغربی پاکستان کی وحدت کے علمبردار ساتھ ہی ساتھ اس کا بھی اعلان کئے جا رہے ہیں کہ ملازمتوں میں مختلف علاقوں کے مفاد کے تحفظ کا خیال رکھا جائے گا۔ یعنی موجودہ جہنم کا یہ شجرۃ الزقوم "جنت" میں بھی ان لوگوں کے ساتھ ہی جائے گا۔ انسان بھی کس قدر ظلوم و جہول واقعہ ہوا ہے!

ان حالات میں ہم محترم چودھری صاحب جیسے بلند پایہ محاسب سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ کیا یہ چیز فطرت کے کسی قاعدے کی رو سے ممکن ہے کہ درد اور دوا تو اپنی جگہ رہیں لیکن ہماری پرخلوص اپیلوں اور نیک آرزوؤں سے ان کی حاصل جمع چارہ ہو؟ نیک آرزوؤں سے "ثواب" تو حاصل ہو سکتا ہے لیکن اصلاح اسی صورت میں ممکن ہے جب خرابیوں کا علاج عملاً کیا جائے۔ یہی ہے وہ مقام جہاں حکیم الامت نے کہا تھا کہ

اے پیرِ حرم رسم و رہِ خانقہی چھوڑ
مقصود سمجھ میری نوائے سحری کا
اللہ رکھے تیرے جوانوں کو سلامت
دے ان کو سبق خود شکنی، خود نگری کا

تو کوئی سوچ ان کی پریشاں نظری کا؟

اور یہی محترم چودھری صاحب سے ہماری گذارش ہے۔

ہمارے لیڈر!

آپ ایک گھر کا نقشہ سامنے لائیے۔ ایک باپ، ایک ماں، چند بچے، باپ سب کی ضرورت کا کفیل ہے اور ہر چند انکی اپنی ضروریات دوسروں سے کم غیر ضروری ہیں وہ لبساط کے مطابق سب کا خیال رکھتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ناکافی آمدنی اور بڑھتی ہوئی ضروریات کبھی اس کو محروم رکھتی ہیں کبھی اس کو باپ کبھی ایک سے اگلے ماہ کا وعدہ کرتا ہے کبھی دوسرے سے۔ لیکن گھر کا نظام ہے کہ ایک اعتماد اور ضبط سے چلتا رہتا ہے۔ نہ بچوں میں بد دلی پیدا ہوتی ہے نہ باپ میں بدمزگی۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس کی ایک اور صرف ایک وجہ ہے، تجربے نے ایک دوسرے کے دل کی گہرائیوں میں یہ بات بٹھا دی ہے کہ جب بھی باپ سے بن پڑتا ہے وہ پاس عہد کرتا ہے اور جب وہ کسی کی کسی ضرورت کو ملتوی کرتا ہے تو اس کے لئے ایسی معقول وجہ ہوتی ہے جس سے گھر کا عمومی مفاد وابستہ ہوتا ہے۔ جن گھروں میں اعتماد کی یہ دولت موجود ہوتی ہے وہاں بے زری کے باوجود ناہمواریاں پیدا نہیں ہوتیں اور بخیر و خوبی چلتا رہتا ہے۔ اس کے برعکس جہاں افراد اعتماد باہمی سے محروم ہوتے ہیں وہاں دھن آتا ہے اور دھن جاتا ہے لیکن گھر ڈانواں ڈول ہی رہتا ہے۔

گھر کے اس نقشے کو پھیلائیے تو آپ کے سامنے پوری مملکت آجائے گی۔ اور حقیقت تو یہ ہے مملکت گھر کی وہ وسعت یافتہ شکل ہے جس کی اساس رشتہ خون نہیں بلکہ جذبۂ ائتلاف ہے۔ بغرض سہولت کہئے یا تقسیم کار، مملکت میں ایک ہیئت حاکمہ ہوتی ہے جو کاروبار حکومت چلاتی ہے یہ ہیئت حاکمہ جمہوری قواعد کے مطابق بدلتی رہتی ہے اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ افراد آئیں اور جائیں لیکن کاروبار حکومت ایسی جوئے رواں کی طرح چلا جائے جو ہزارہا قطروں سے مل کر بنتی ہے ان قطروں میں بعد و اختلاف نہیں ہوتا۔ یہ ہے حکومت کا اصول۔ جب تک ہیئت حاکمہ اس اصول پر کاربند رہتی ہے کاروبار حکومت سلیقہ اور ضبط سے چلتا رہتا ہے لیکن جب برسر اقتدار طبقہ اپنے آپ کو حکمران سمجھ لیتا ہے اور اپنا مقصد خدمت کی بجائے حکومت متصور کر لیتا ہے تو سارا نظام فاسد ہو جاتا ہے۔ افراد آتے ہیں تو جانے کا نام نہیں لیتے۔ گدیوں سے چپکے رہنے کی غرض سے ششوں کی بدولت وہ ان کو بھی بدنام کرتے ہیں جن کے جانے پر وہ آئے تھے اور ان کو بھی جن کا ان کے بجائے آنے کا امکان ہوتا ہے اس کے ساتھ وہ اپنے آپ کو مظلوم اور جامع الصفات ثابت کرتے ہیں حالانکہ جب وہ حکومت کی گدی پر ہوتے ہیں تو وہ خود وہی کام کرتے ہیں جن کے لئے وہ اپنے حریفوں کو بدنام کر رہے ہوتے ہیں۔

ہم اس سلسلہ میں اشخاص کو زیر بحث نہیں لانا چاہتے تھے لیکن ہمارے یہاں سیاست کا یہ انداز ہو گیا کہ ان کا حوالہ دیئے بغیر بیان بامعنی نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ہم جن اشخاص کا ذکر کریں گے وہ بطور حوالہ اور مثال ہوں گے اور اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آئے گا کہ ان کے علاوہ باقی معصوم ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سیاست کے حمام میں سبھی ننگے ہیں۔

زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں ابھی کل کی بات ہے کہ خان عبدالقیوم خان کو مسلم لیگ نے مجلس دستور سازی کی رکنیت کے لئے ٹکٹ نہ دیا۔ خان صاحب موصوف تقسیم سے پہلے مسلم لیگ میں شامل ہوئے تھے۔ تقسیم کے بعد وہ سرحد کی مسلم لیگ کے صدر رہے اور صوبے کے وزیر اعلیٰ بعد ازاں مرکز میں وزیر صنعت ہوئے۔ اس عہدہ سے سبکدوش ہوئے تو بھی وہ مسلم لیگ میں تھے۔ اتنے سال انھوں نے ایک دفعہ بھی مسلم لیگ کی سیاست پر نکتہ چینی نہیں کی نہ مسلم لیگی حکومتوں کے رویوں پر کوئی اعتراض ہی کیا۔ ایسا وہ کر بھی نہیں سکتے تھے کیونکہ جو کچھ ہو رہا تھا اس میں وہ شریک تھے۔ لہٰذا اس کے لئے ذمہ دار۔ لیکن جونہی ٹکٹ دینے سے انکار کیا گیا تو کیا مسلم لیگ اور کیا مسلم لیگی حکومتیں سب قابل مذمت و نفرت آمریت کے مظاہر بن گئے۔ اور انھوں نے گلی گلی کوچے کوچے لوگوں کو یہ بتانا شروع کیا کہ مسلم لیگ اور اس کی حکومت یہ یہ ہتھکنڈے کرتی ہیں۔ پنجاب میں ملک فیروز خان نون کو دیکھئے وہ بھی تقسیم سے پہلے مسلم لیگی بن چکے تھے۔ اس کے بعد اب تک جماعتی اور حکومتی طور پر وہ ممتاز جگہوں پر متعین رہے۔ یہ بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ وہ ان کی خوبیوں اور خامیوں کے لئے پوری طرح ذمہ دار ہیں۔ لیکن ان کو بھی جب برطرف کیا گیا۔ برطرفی جائز تھی یا ناجائز، یہ علیحدہ بحث ہے۔ اب تو انھوں نے بھی اس گروہ کے عیوب گنوانا شروع کر دیئے جس میں وہ برسوں شریک رہے تھے۔ وہ اپنے آپ کو ایک یونٹ کا تاتی باپ کہلاتے ہیں اس کے باوجود وہ ایک یونٹ کے بل پر اس لئے معترض ہیں کہ یہ ان لوگوں کا مسودہ ہے جو ہر وقت یوں مطلب براری میں لگے رہتے ہیں کہ ان کے بظاہر صحیح الفاظ میں بھی غلط معنی پنہاں ہوتے ہیں۔ اس کے بعد مسٹر سہروردی کو دیکھئے آپ مسلم لیگ سے نکلے، اس کے مقابلے میں آپ نے عوامی لیگ قائم کی۔

وہ مسلم لیگ پر اکثر اعتراض کرتے رہتے تھے اور یہ بالکل قابل فہم تھا۔ گذشتہ سال حکومت میں تبدیلی آئی تو کچھ رد و کد کے بعد انھوں نے اس میں وزارت قبول کر لی۔ وزارت کے دوران میں انھوں نے اہل بنگال کو ان امور کا قائل کرایا جو ان سے مسلم لیگی شرکائے حکومت کا موقف تھا۔ اور تو اور ایک یونٹ کا مسودہ انھوں نے خود تیار کیا۔ وہ انہی مسلم لیگیوں کی حکومت کے وزیر اعظم بننے کے لئے تیار رہتے تھے اور اس کے لئے کوشاں بھی رہے۔ لیکن جب معاملہ نہ ہو سکا۔ اس کی ذمہ دار مسلم لیگ تھی۔ یا مسٹر سہروردی یہ غیر متعلق بحث ہے۔ تو انھوں نے مسلم لیگ پر ایسے الزام لگائے کہ اگر وہ صحیح تھے تو آپ کو ایک دن کے لئے وزیر بھی نہیں رہنا چاہئے تھا۔

مشتے نمونہ از خروارے یہ چند امور ہیں جنھیں ہم اس صحبت میں پیش کرتے ہیں۔ اب ان کا تجزیہ کیجئے۔ ان میں ایک قدر مشترک یہ ملتی ہے کہ جب ہمارے لیڈر صاحبان حکومت میں ہوتے ہیں تو انھیں کہیں کوئی خرابی نظر نہیں آتی اور وہ اور ان کے ساتھی جو کچھ کرتے ہیں وہ انہیں حق بجانب ثابت کرتے رہتے ہیں۔ لیکن جونہی مسند اقتدار ان سے چھنتی ہیں سابقہ حسنات ان کی نظروں میں سیئات بن جاتی ہیں۔ بدقسمتی سے یہ بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی اس نکتہ چینی کے بعد انہیں پھر سے شریک حکومت کر لیا جائے تو ان کا زاویۂ نگاہ پھر بدل جاتا ہے اور تمام سیئات حسنات میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ ہمیں فی الحال اس سے سروکار نہیں کہ جن مقاصد کو وہ پبلک میں پیش کرتے ہیں وہ موجود ہوتے ہیں یا نہیں۔ یہ بھی الگ بحث ہے۔ لیکن قوم پر اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ سمجھتی ہے کہ جو بھی برسر اقتدار آتا ہے وہ اپنی ہی تعریف کرتا ہے اور اپنے ساتھیوں

کی بھی۔ لیکن جب اقتدار سے محروم ہو جاتا ہے تو دوسروں کو جھوٹا بدعہد اور نہ جانے کیا کیا کچھ کہنا شروع کر دیتا ہے۔ گویا ان میں سچا کوئی بھی نہیں۔ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ قوم یہ اثر لیتی ہے تو اس پر سیاسی جمود طاری ہو جاتا ہے اور بددلی پھیل جاتی ہے، اور جب قوم کی قوم بددلی کا شکار ہو جاتی ہے تو ملک کا اللہ ہی مالک ہوتا ہے۔ آج پاکستان اسی بحران سے دوچار ہے ارباب سیاست پریشان ہیں اور اہل نظر سوچتے ہیں کہ اس مردنی کو کیسے زندگی میں بدلا جائے۔ لیکن وہ اساسی نکتہ کو نہیں سمجھتے کہ جب تک عوام کو اپنے لیڈروں پر اعتماد نہیں ہوگا وہ ان سے تعاون کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔ اعتماد تعاون کی شرط اولین ہے

قوم کو بددلی کے جہنم میں دھکیل کر ارباب سیاست ملک کے مفاد سے جو کھیل کھیل رہے ہیں اس کی بدترین مثال جدید مجلس دستور ساز کی کارگزاری ہے۔ اس مجلس کا پہلا اجلاس جولائی کے اوائل میں مری میں منعقد ہوا تھا۔ لیکن اس میں کیا ہوا؟ حزب خلاف عہد حاضر کی جمہوریت کا لازمہ سمجھا جاتا ہے اور اسے برسر اقتدار پارٹی کو خودسر ہونے سے بچانے کا ذریعہ قرار دیا جاتا ہے، لیکن ہمارے ہاں اس کا مفہوم بالکل اور ہے حزب اختلاف کی اساس پروگرام کے اختلاف پر نہیں بلکہ شخصی مفاد پر ہے۔ ہر وہ شخص جو ایوان حکومت سے نکالا گیا یا اس میں داخل نہیں ہو سکا حزب مخالف کا رکن ہے۔ اس زنگی کا فور حزب مخالف نے کیا پارٹ ادا کیا؟ مری کے اجلاس میں ان کی تمام تر کوشش یہ رہی کہ اجلاس ملتوی ہو جائے اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ حکومت نے مری کو مقام انعقاد منتخب کیا تھا، لہٰذا اس کی مخالفت فرض عین تھا۔ چنانچہ بغیر کسی قابل ذکر کارروائی کے اجلاس ملتوی ہو گیا۔ ایک ماہ کے بعد اجلاس کا دوسرا اجلاس شروع ہوا۔ اس سے دو ایک روز پہلے مسٹر سہروردی حزب اختلاف کے لیڈر بن چکے تھے کیونکہ وہ وزیر اعظم نہیں بن سکے تھے۔ انھوں نے برنبائے محرومی مخالفت کی خاطر مخالفت شروع کر دی اور سیلاب بنگال کو آڑ بنا کر دس دن کے لئے اجلاس ملتوی کرا لیا۔ جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے یہ مطالبہ صرف عوامی لیگ نے کیا حالانکہ ان سے دوگنے متحدہ محاذ کے ارکان مجلس میں موجود تھے اور ان کے گھروں کو بھی ویسا ہی خطرہ تھا جیسا ارکان عوامی لیگ کے گھروں کو تھا۔ دس دن کے التوا کے بعد پھر اجلاس شروع ہوا تو اس میں ایک یونٹ بل پیش ہونا تھا۔ پہلے دن یعنی ۲۲ اگست کو اپوزیشن کے سورماؤں کا سارا زور اس پر صرف ہوا کہ ایک یونٹ کا بل پیش ہی نہ ہو سکے

چنانچہ انھوں نے بیکار باتوں اور لمبی بحثوں میں ڈیڑھ بجا دیا اور یہ وقت ہوتا ہے دوپہر کے کھانے کے لئے اجلاس ختم ہونے کا۔ لیکن چونکہ اس کے لئے کوئی واضح ضابطہ نہیں تھا۔ اس لئے ایک یونٹ کے حامی اس وقت کے بعد بھی اجلاس جاری رکھنے میں کامیاب ہو گئے اور عین اس حال میں مسودہ پیش ہوا جبکہ مخالفین کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ انھوں نے اتنا وقت ضائع کر دیا ہے کہ اس دن مسودہ پیش نہیں ہو سکے گا۔

اپوزیشن کا یہ پارٹ بڑا گھناؤنا ہے۔ اول تو ایک یونٹ پر سب پارٹیوں کا اتفاق تھا، اس لئے اس کی مخالفت کا سوال ہی پیدا نہیں ہونا چاہئے تھا۔ لیکن اگر بالفرض ہم مان لیں کہ مسٹر سہروردی اور ان کے ساتھی علی وجہ البصیرت اس کے مخالف ہو گئے ہیں تو پھر ہونا یہ چاہئے تھا کہ وہ بل کو پیش ہونے دیتے اور دلائل سے اس کی مخالفت کرتے تاکہ ملک یہ جانتا کہ انھیں وحدت مغربی کے خلاف کیا اعتراض ہے۔ لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ دلائل و براہین کو انھوں نے دعوے کی بنا نہیں بنایا بلکہ محض دھاندلی ـــ بے اختیار غنڈہ گردی کہنے کو جی چاہتا ہے ـــ سے کام لے کر بل کو سرے سے پیش ہونے سے ہی روکنا چاہا۔ وحدت مغربی مفاد ملک کے منافی بھی ہو تو بھی ان اوچھے حربوں سے ملکی مفاد کو تو چھوڑیئے پارلیمانیت کا کوئی بھلا نہیں ہوتا جس کا بھی دم بھرتے ہیں۔

اور یہ کچھ کرنے والے کون ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں قوم نے اس لئے منتخب کیا ہے کہ وہ ملک کے لئے کم سے کم وقت میں آئین وضع کریں کیونکہ سات طویل سالوں میں آئین مرتب نہ ہو سکنے کی وجہ سے قومی معاملات میں گوناگوں پیچیدگیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ اور ملک ایک عظیم بحران سے دوچار ہو گیا ہے اگر گزشتہ دو ماہ کی کارگزاری کو دیکھا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ مجلس دستور ساز بھی اپنا فریضہ منصبی ادا نہیں کر سکے گی اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے اس کا ایک نتیجہ یہ ہوگا کہ ان نام نہاد آئین سازوں پر سے ملک کا اعتماد ختم ہو جائے گا اور عام بددلی پھیلے گی۔ اور دوسرا یہ کہ ملک کا کوئی مسئلہ طے نہیں ہوگا اور اس سے بددلی کو اور تقویت پہنچے گی پاکستان آج اسی عذاب میں مبتلا ہے اور اس کی ذمہ داری ارباب سیاست پر ہے۔ خواہ وہ حکومت کی کرسیوں پر متمکن ہوں یا محرومین کے گروہ میں شامل۔ ان حالات میں ملک کا سب سے بڑا محسن وہ ہوگا جو اسے اس دلدل سے نکال کر لے جائے گا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس چمن میں کوئی ایسا دیدہ ور ہے یا نہیں؟

ہندو استعماریت

گوآ کے بارے میں ہندوستان نے جو رویہ اختیار کیا ہے وہ کسی اعتبار سے معقول قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جیسا کہ طلوع اسلام میں گوآ سے متعلق مضمون میں وضاحت کی جا چکی ہے۔ یہ علاقہ پرتگال کے پاس ہے اور پرتگال اسے اپنا مقبوضہ نہیں بلکہ اپنے ملک کا لاینفک جزو سمجھتا ہے۔ خود گوآ میں اس پوزیشن کو تسلیم کیا جاتا ہے اور پرتگال سے علیحدگی اور ہندوستان سے الحاق کے حق میں وہاں کوئی تحریک موجود نہیں لیکن ہندوستان نے اسے ہڑپ کرنے کے لئے ایک طوفان کھڑا کر دیا ہے۔ ہمیں اس سے بحث نہیں کہ گوآ پر پرتگال کا زیادہ حق ہے یا ہندوستان کا، لیکن اس سے انکار مشکل ہے کہ گوآ کا جو فیصلہ ہو وہ اہل گوآ کی منشا کے مطابق ہونا چاہئے۔ ہندوستان اس کے لئے تیار نہیں اور وہ دھمکیوں سے کام لے کر اسے اپنے ساتھ ملانا چاہتا ہے۔ اس نے ایک حد تک یہ دلیل دینے کی کوشش کی کہ اہل گوآ ہندوستان سے ملنے کے متمنی ہیں لیکن جب دیکھا کہ گوآ میں ایسی تحریک نہیں پائی جاتی تو اس کا استدلال اور رویہ یکسر بدل گیا۔ جب دھمکیوں سے کام نہ نکلا اور پرتگال نے گوآ کا تحفہ رضامندی سے دینے سے انکار کر دیا تو ہندوؤں نے گوآ پر پرامن چڑھائی کرنے کے منصوبے بنانے شروع کر دیئے عجیب ستم ظریفی ہے کہ ان ارادوں کی تکمیل کے لئے ہندوستان کے یوم آزادی کو منتخب کیا جاتا ہے۔ گذشتہ سال بھی ستیہ گرہیوں نے گوآ پر چڑھائی کی تھی لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ اب کہ پھر ستیہ گرہیوں کی فوج تیار ہوئی پنڈت نہرو نے دنیا بھر کو تو یہ یقین دلانا چاہا کہ یہ فوج اہل گوآ پر مشتمل ہوگی لیکن عملاً اس میں گوآ کا شاید ایک فرد بھی نہیں تھا۔ یہ دیکھ کر پنڈت نہرو نے کانگریسیوں تک کو اجازت دے دی کہ وہ انفرادی حیثیت سے ستیہ گرہ میں شریک ہو سکتے ہیں۔

۱۵ اگست کو ان سورماؤں نے گوآ پر حملہ کر دیا۔ پرتگال نے مزاحمت کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رضاکاروں پر فائرنگ بھی ہوئی اس پر پنڈت نہرو آپے سے باہر ہو گئے اور ایک بیان میں پرتگال پر یہ الزام لگایا کہ اس کی حکومت نے نہتے اور پرامن ستیہ گرہیوں پر گولی چلا کے بربریت کا ثبوت دیا۔ "اسے نہ بین الاقوامی قانون جائز تسلیم کرتا ہے نہ کوئی ضابطہ اخلاق"۔ نہتوں پر گولیاں چلانا کتنا انسانیت سوز کیوں نہ ہو، پنڈت جی اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ اس کی وجہ انھوں نے مہیا کی۔ اگر وہ نہتوں کی حوصلہ افزائی نہ کرتے تو نہ وہ غیر ملک پر چڑھ دوڑتے نہ ان پر گولی چلتی۔ آخر یہ کونسے بین الاقوامی قانون یا ضابطہ اخلاق کی رو سے جائز ہے کہ ہزاروں کی تعداد میں لوگ دوسرے ملک پر حملہ کر دیں۔ اسے جارحیت ہی کہا جائیگا عام اس سے کہ حملہ آور غیر مسلح ہی کیوں نہ ہوں۔ گوآ کس کے پاس رہے یہ علیحدہ ہے لیکن اگر پنڈت نہرو اسے اپنے ملک کا حصہ سمجھتے ہیں تو اسے حل کرنے کے لئے ایسے طریقے اختیار کرنے چاہئیں جو بین الاقوامی قانون یا ضابطہ اخلاق کی رو سے جائز ہوں۔ آپ ناجائز بات کی پہل کر کے اپنے حریف پر ناجائز فعل کی ذمہ داری نہیں ڈال سکتے۔ پنڈت نہرو کی ذہنیت کا یہ عالم ہے کہ انھوں نے مراکش کے مظلومین کی حمایت میں ایک بیان دیا تو اس کے ضمن میں یہ کہنے تک سے دریغ نہ کیا کہ ہم تو مراکش کی حمایت کرتے ہیں لیکن کوئی ایشیائی قوم گوآ میں ہماری حمایت نہیں کرتی۔

پنڈت جی کا دنیا کی رائے عامہ کو اپنے حق میں بنانا قابل فہم ہے لیکن یہ تائید آخر انھیں کسی اصول اور قاعدہ کے مطابق حاصل ہو سکتی ہے۔ ان کا رویہ اس قدر متضاد اور غیر معقول ہو گیا ہے کہ ان کی کہیں سے بھی تائید نہیں ہو رہی۔ جو کچھ وہ گوآ میں کر رہے ہیں اس کا اطلاق کشمیر پر بھی ہو سکتا ہے۔ اگر وہ گوآ کو اپنا حصہ ملک سمجھتے ہیں تو پاکستان کشمیر کو اپنا جسم گوشت پوست سمجھتا ہے لہٰذا اگر گوآ پر رضاکاروں کی فوجیں بھیج سکتے ہیں اور ان کی مدد کے لئے سرحدوں پر فوجیں متعین کر سکتے تو پاکستان بھی حق بجانب ہے کہ اس طرح کرے۔ کیا پنڈت جی اس کے لئے تیار ہیں کہ پاکستانی رضاکار۔ پرامن اور نہتے۔ مقبوضہ کشمیر میں داخل ہوں؟ پاکستان کے لئے یہ موقع ہے کہ وہ پنڈت جی کے اصول پر کاربند ہو اور کشمیر

اسلام کی سرگزشت

گذشتہ اشاعتوں میں عربوں کی قومی خصوصیات اور زمانۂ جاہلیت میں ان کی حیات عقلیہ کی کیفیت بیان کی جاچکی ہے۔

عربوں کی حیات عقلیہ کے مظاہر میں سے لغت، زبان، شعر و شاعری کے بعد ان کی ضرب الامثال سے گفتگو کی جارہی تھی کہ چونکہ ان کی حیات عقلیہ پر روشنی ڈالتی ہیں ضرب الامثال سے متعلق گفتگو ہنوز جاری ہے

(۲) زمانہ جاہلیت کی زندگی کے اجتماعی طور طریقوں سے اس امر پر استدلال کیا جائے کہ ضرب المثل جاہلی ہے جیسا کہ ایک ضرب المثل ہے۔ اُنْصُرْ اَخَاکَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسی عادت ہے جو جاہلی ہی ہو سکتی اسلامی نہیں ہو سکتی۔

(۳) زیادہ تر امثال اسی قسم کی ہیں جن میں ان کے جمع کرنے والوں نے ضرب المثل کا موقعہ بیان کرتے ہوئے صراحۃً بتا دیا ہے کہ انھیں کسی نے کہا تھا چنانچہ بسا اوقات وہ خود اس قصہ کو بیان کر دیتے ہیں جس کے بارے میں وہ ضرب المثل کہی گئی تھی۔ اس چیز سے ہم استدلال کر سکتے ہیں ـــ اگرچہ یہ استدلال بھی محض تقریبی ہی ہوگا ـــ کہ یہ ضرب المثل کس عہد سے تعلق رکھتی ہے۔ لیکن ان میں سے زیادہ تر قصوں کے متعلق یقین نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ بسا اوقات خود اس قصہ کو دیکھکر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ محض بناوٹی ہے۔ ان لوگوں نے زبردستی ایک زمین تیار کرلی ہے جس پر ضرب المثل منطبق ہو جائے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ جامعین امثال زیادہ تر ایک ایک ضرب المثل سے متعلق ایسے مختلف اور متناقض قصے نقل کر دیتے ہیں جن میں تطبیق نہیں دی جا سکتی۔ مزید برآں اس پر اتنا اضافہ اور کر لیجئے کہ مختلف قوموں میں عموماً جو ضرب الامثال ملتی ہیں زیادہ تر وہ ایسی ہی ہوتی ہیں جن کے کہنے والوں اور بنانے والوں کا تعین نہیں کیا جا سکتا حتی کہ ان ضرب الامثال کے متعلق بھی جو قریبی زمانہ میں کہی گئی ہوں اس قسم کا تعین کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ ضرب الامثال چھوٹے چھوٹے جملوں کی صورت میں ہوا کرتی ہیں جو طویل تجربوں کا نتیجہ ہوا کرتی ہیں اور یہ ضرب الامثال جب بنائی جاتی ہیں تو وہ اسی وقت سے ضرب الامثال نہیں بن جایا کرتیں بلکہ آگے چلکر ان کا عام طور پر شائع ہو جانا اور زبان زدِ عوام ہو جانا ہی ان کو ضرب المثل بنا دیتا ہے کیونکہ وہ جمہور کے ذوق سے مطابقت رکھتی ہیں۔ عموماً ایسا ہی دیکھا جاتا ہے کہ آگے چلکر جب وہ ضرب المثل بن جاتی ہیں تو ان کے بنانے والوں کو لوگ بھول چکے ہوتے ہیں۔

(امر دوم) دشواری کی وجوہ میں سے ایک دوسری وجہ یہ ہے کہ اکثر ضرب الامثال کو جمع کرنے والوں نے حروف تہجی کی ترتیب سے ان کو جمع کیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے پہلے ان ضرب الامثال کو بیان کیا ہے جس کا پہلا حرف "الف" ہے پھر ان کو جن کا پہلا حرف "با" ہے۔ وقس علیٰ ہذا۔ جہانتک ہمیں معلوم ہے کسی مصنف نے ضرب الامثال کو ان کے اصول اجتماعی کے مطابق مرتب نہیں کیا۔ یعنی مثلاً پہلے ان ضرب الامثال کو جمع کیا جاتا جن کا تعلق فقر یا مالداری سے تھا اور پھر ان کو جن کا تعلق عمر اور عمر کے اطوار و حالات سے تھا۔ یا شادی اور خاندان سے تھا۔ پھر ان کو جن کا تعلق عمل اور تجارت، نصیبہ اور معتقدات، دوستوں اور پڑوسیوں، عورتوں اور اُن کے اخلاق و عادات، صحت اور مرض، وغیرہ سے ہو سکتا تھا۔ اگر انھوں نے ایسا کیا ہوتا ـــ جیسا کہ بعض انگریزی مصنفین نے اپنی ضرب الامثال کے ساتھ کیا ہے ـــ تو بحیثیت موضوع کی حیثیت سے وہ ہمارے لئے بڑے فائدہ کا باعث ہو سکتا تھا۔

عربوں کے اندر زمانہ جاہلیت میں لقمان کا ذکر بہت عام رہا ہے۔ اسے انھوں نے ایک ایسی شخصیت بنا دیا ہے جو حکمت و عقل کی ایک مثالی نمونہ تھی۔ اس کی طرف بہت سی ضرب الامثال منسوب کی گئی ہیں جن کے کہنے والوں کا نام معلوم نہیں۔ قرآن کریم میں ایک سورت بھی لقمان کے نام سے منسوب ہے۔ علماء کا خیال ہے کہ دراصل دو لقمان تھے ایک لقمان حکیم اور دوسرے لقمان عاد۔ اور عربی ضرب الامثال کا تعلق دونوں ہی سے ہے۔ چنانچہ دوسرے لقمان سے متعلق وہ اس قسم کی ضرب الامثال منسوب کرتے ہیں "اِحْدَیٰ حُظَیَّاتِ لُقْمَانَ" اور "اٰکَلُ مِنْ لُقْمَانَ" اور اوّل کی طرف منسوب کر کے وہ ان بہت سی حکمت کی باتوں کو بیان کرتے ہیں جو عربوں میں متداول تھیں اور جو کافی اونچے درجے سے تعلق رکھتی ہیں۔ ابن ہشام نے سیرت میں بیان کیا ہے کہ سوید بن الصامت مکہ معظمہ میں حج کرنے یا عمرہ کرنے کے لئے آئے سوید اپنے قبیلہ میں "کامل" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا کیونکہ وہ بڑا بہادر، شریف اور صاحب نسب تھا۔ رسول اللہ صلعم نے جب اس کے آنے کے متعلق سنا تو آپ نے اس سے ملاقات کرنے کا ارادہ کیا اور اس کو اللہ اور اسلام کی طرف دعوت دی۔ سوید نے آپ سے کہا کہ شاید آپ کے پاس بھی کوئی ایسی ہی چیز ہے جیسی میرے پاس ہے۔ رسول اللہ صلعم نے اس سے دریافت فرمایا کہ تمہارے پاس کونسی چیز ہے؟ تو اس نے بتایا کہ میرے پاس لقمان کا صحیفہ ہے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا اسے ذرا مجھے دکھاؤ چنانچہ سوید نے وہ صحیفہ آپ کو دکھایا۔ آپ نے اسے دیکھکر فرمایا کہ اس صحیفہ میں جو کچھ باتیں ہیں وہ اچھی ضرور ہیں مگر میرے پاس جو چیز ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے میرے پاس قرآن کریم ہے جو خدا نے مجھ پر نازل فرمایا ہے۔ وہ ہدایت ہے اور نور ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلعم نے اس کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت فرمائی اور اس کو اسلام کی دعوت دی جسے سنکر وہ اسلام لانے سے باز نہ رہ سکا اور اعتراف کیا کہ واقعی یہ بہترین قول ہے الخ

(سیرت ابن ہشام صفحہ $\frac{۲۶۵}{۱۴}$)

لیکن اب سوال یہ ہے کہ آخر یہ لقمان کون تھے؟ ان کی شخصیت کیا تھی؟ ان کی قوم کونسی تھی؟ اور ان کی حکمت اور فلسفہ کس مدنیت کی نمائندگی کرتا تھا؟ اور وہ کس عہد میں گذرے تھے؟ ذرائع علم اب تک اس کی تحقیق نہیں کر سکے۔ لوگوں کے اقوال اس کے بارے میں بڑی شدت کے ساتھ مضطرب و مختلف ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ قومیت کے لحاظ سے نوبی تھے اور ایلہ کے رہنے والے تھے۔ دوسرے لوگوں نے کہا کہ وہ حبشی تھے اور کچھ اور لوگوں کا بیان ہے کہ ان کا رنگ سیاہ تھا اور وہ مصری سوڈان کے باشندے تھے۔ وہب بن منبہ کا خیال ہے کہ وہ یہودی تھے اور داؤد علیہ السلام کے بھانجے ہوتے تھے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام کے خالہ زاد بھائی تھے اور انہی کے زمانہ میں تھے۔ تفسیر بیضاوی میں ہے کہ وہ لقمان بن باعورا تھے اور آزر کی اولاد سے تھے جو حضرت ایوبؑ کی بہن یا خالہ کے لڑکے ہوتے تھے۔ لقمان نے طویل زندگی پائی حتی کہ داؤد علیہ السلام کا زمانہ پایا اور ان سے علم حاصل کیا۔ یاقوت نے اپنی معجم میں طبریہ کے مادہ میں لکھا ہے کہ بحیرہ طبریہ کے مشرق میں لقمان حکیم اور ان کے بیٹے کی قبر موجود ہے۔ ان کی ایک قبر یمن میں بھی بیان کی جاتی ہے۔ واللہ اعلم ان میں سے کونسا قول صحیح ہے۔ آمد

بعض لوگ رسول اللہ صلعم کی یہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ سوڈانیوں کے سردار چار آدمی ہیں۔ لقمان، نجاشی، بلال اور مہجع بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سوڈان کے کلمہ سے وہ کچھ مراد نہیں ہے جو اصطلاحی طور پر آجکل ہم سمجھتے ہیں بلکہ اس سے مراد سیاہ جنس کے لوگ ہیں۔

بہرحال ان تمام اقوال سے ہم جس نتیجہ تک پہنچتے ہیں وہ یہ ہے کہ ان لوگوں کا اس پر تو اتفاق ہے کہ لقمان عربی النسل نہیں تھے انھوں نے کسی دوسری قوم کا فلسفہ اور حکمت ہی عربوں میں داخل کیا تھا۔ بعض اقوال اسکو ترجیح دیتے ہیں کہ وہ عبرانی حکمت تھی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ لقمان کا لفظ عربوں کا معرب بنایا ہوا ہے انھوں نے بلعم کو معرب کیا ہے اور بلعم بن باعورا ایک مشہور یہودی گذرے ہیں۔ امام مالکؒ نے اپنے موطا میں بھی ان کی بہت سی حکمت کی باتیں نقل کی ہیں۔ ان کی تمام قصصی ضرب الامثال ایک کتاب میں جمع کر دی گئی ہیں جس کا نام "امثال لقمان" ہے۔ اس کی اسلوب کی کمزوری، عبارت کی پستی، نحوی اور صرفی اغلاط کی کثرت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کی ضرب الامثال گھڑت یا جمع قریبی زمانہ ہی میں گھڑی گئی ہیں۔ جہانتک ہمیں معلوم ہے اس کتاب کا نام عربوں کی پرانی کتابوں میں کہیں نہیں آیا۔ بعض محققین نے ان ضرب الامثال میں جو لقمان کی طرف منسوب ہیں اور ان کا قصوں کہانیوں میں جو ایسوپ یونانی کی طرف منسوب ہیں مشابہت دیکھتے ہوئے ان کے بارے میں فرضی نظریات قائم کرنے شروع کر دیئے ہیں جن کے تذکرہ کا یہ محل نہیں ہے۔

تاریخی شواہد

(۲۹)

قوم ثمود کا قصہ یہیں تک ہے لیکن دو ایک مقامات ایسے ہیں جن پر آگے بڑھنے سے پیشتر مزید غور و فکر کی ضرورت ہے۔ آپ نے حضرت نوحؑ اور حضرت ہودؑ کے تذکرہ میں دیکھا ہوگا کہ قرآن کریم نے ان حضرات کا یہ قول خصوصیت سے درج کیا ہے کہ: "میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ میرا اجر اللہ کے ہاں ہے"۔ حضرت صالحؑ کے تذکرہ میں بھی اس چیز کو دہرایا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ (۲۶/۱۴۵)

اور میں تم سے (اپنی) اس (رہنمائی و ہدایت) پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو صرف تمام جہانوں کے پالنے والے ہی کے ذمہ ہے (اور بس!)

یہ ایک بہت بڑی حقیقت ہے جس کا قرآن کریم نے یوں بتکرار ذکر کیا ہے۔ ایک داعی الی الحق کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنی دعوتِ رشد و ہدایت کا معاوضہ کچھ نہیں چاہتا۔ اس کے نزدیک تبلیغ پیاماتِ الہٰیہ اور قیام نظام خداوندی کے لئے جد و جہد ایک اہم فریضہ ہے جس کی ادائیگی اس پر لازم آتی ہے۔ اس لئے وہ انسانوں سے اس کا کوئی اجر یا معاوضہ نہیں مانگتا۔ اور یہ اس داعی الی الحق کے عدیم النظیر کیر یکٹر کی درخشندگی کی دلیل ہے۔ واضح رہے کہ دنیا میں معاوضہ صرف روپیہ کی شکل میں ہی نہیں ہوا کرتا۔ ذرا علم و فضل کی مسندوں۔ زہد و تقویٰ کے آستانوں اور رہبرانِ ملت کی بارگاہوں پر ایک سرسری نگاہ ڈالو اور دیکھو کہ کس قدر متنوع شکلیں ہیں جن میں اپنی بے لوث خدمات کا معاوضہ طلب کیا جاتا ہے۔ نذرانہ نہیں تو مخدومیت اور اطاعت، اور اطاعت بھی اکثر اوقات پرستش کی حد تک۔ کبر نفس کے تقاضوں کی تسکین۔ انا الموجود لاغیری کے بلند آہنگ دعاوی۔ تنقید کی حد سے ماورائیت۔ اور کم از کم نام کی شہرت۔ جھوٹی عزت۔ اور ان تمام داعیات و اقتضاآت کے باوجود بلا مُزد و معاوضہ خدمت کا دعویٰ۔ کتنا بڑا فریب ہے جو اپنے آپ کو اور دوسروں کو دیا جاتا ہے۔ لیکن ایک حق و صداقت کے داعی کی روش ان سب سے الگ ہوتی ہے۔ اس کا ہر قدم "اللہ کے لئے" اٹھتا ہے۔ اس کا سب سے پہلا اعلان یہ ہوتا ہے کہ:-

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (۶/۱۶۳)

(اے پیغمبر اسلام!) تم کہدو۔ میری نماز، میری قربانیاں، میرا جینا، میرا مرنا، سب کچھ اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہان کا پروردگار ہے!

یاد رکھئے! دنیا میں کوئی اقدام خلوص و صداقت پر مبنی نہیں ہو سکتا۔ تا وقتیکہ اس کا جذبۂ محرکہ خالص للہیت نہ ہو۔ یعنی اس کے صلہ میں محسوس معاوضہ تو ایک طرف، اس قسم کے غیر محسوس رجحانات قلبی و ذہنی کو بھی دخل نہ ہو۔ کام کو اپنا فرض سمجھ کر انجام دیا جائے اور اس پر یقین رکھا جائے کہ جو کام قانونِ خداوندی کے مطابق کیا جائے۔ اس کا معاوضہ اس کے نتائج ہوتے ہیں جو خود اس کے اندر مضمر رہتے ہیں۔ اسی کا نام ہے۔ ان اجری الا علی اللہ۔

دوسری چیز یہ ہے کہ اس اونٹنی کو جس کا ذکر قصہ حضرت صالحؑ میں آیا ہے ناقۃ اللہ سے موسوم اور آیت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

هَٰذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةً ۖ فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللَّهِ ۖ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (۷/۷۳)

یہ خدا کے نام پر چھوڑی ہوئی اونٹنی تمہارے لئے ایک (فیصلہ کن) نشانی ہے پس اسے کھلا چھوڑ دو کہ خدا کی زمین میں جہاں چاہے چرے۔ اسے کسی طرح کا نقصان نہ پہنچاؤ کہ (اس کی پاداش میں) عذاب جانکاہ تمہیں آپکڑے۔

یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اس اونٹنی کو ناقۃ اللہ کیوں کہا گیا تھا۔ اور وہ کس بات کی نشانی تھی۔ اس حقیقت کو اچھی طرح سے سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ اونٹنی عام اونٹنیوں جیسی اونٹنی تھی۔ قرآن نے کہیں یہ نہیں کہا کہ اس کی تخلیق غیر معمولی انداز سے بطور خرقِ عادت ہوئی تھی۔ محض آیت کے لفظ سے یہ سمجھ لینا کہ اس کی پیدائش معجزانہ طور پر ہوئی تھی۔ قرآن کے اسلوب بیان اور حقیقی تعلیم سے بیگانگی کی دلیل ہے۔ قرآن نے کشتی حضرت نوحؑ کے متعلق بھی فرمایا کہ وہ آیت (نشانی) تھی۔

فَأَنجَيْنَاهُ وَأَصْحَابَ السَّفِينَةِ وَجَعَلْنَاهَا آيَةً لِّلْعَالَمِينَ (۲۹/۱۵)

الغرض ہم نے نوح کو اور (اس کے ساتھی) کشتی والوں کو (اس عذابِ غرق سے) محفوظ رکھا۔ اور ہم نے اس کشتی کو جہاں (والوں) کے لئے ایک نشانی بنا دیا تھا۔

حالانکہ وہ عام طریقے کے مطابق ہی تیار ہوئی تھی۔ خانہ کعبہ کے متعلق بھی فرمایا ہے کہ۔

فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ (۳/۹۷)

اس میں کھلی کھلی نشانیاں ہیں

اور یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ خدا کے اس گھر کی تعمیر میں بھی کسی خرقِ عادت واقعہ کا دخل نہ تھا۔ معمار حرم علیہ السلام نے اس کی تعمیر اسی طرح کی تھی جس طرح اور مکانوں کی کی جاتی ہے لیکن وہ ملت کے لئے مرکز محسوس اور ان کی موت و حیات کے پرکھنے کی ایک کھلی ہوئی علامت (آیت) ہے جس طرح قوم ثمود سے کہا گیا تھا کہ یہ ناقۃ اللہ تمہارے کفر و ایمان پرکھنے کی ایک نشانی ہے اگر تم نے اس کی حفاظت کی تو یہ تمہاری انابت الی اللہ کی نشانی ہوگی۔ اور اگر اسے ضرر پہنچایا تو اس سے تمہارا انکار و جحود واضح ہو جائے گا۔ اسی طرح ملت اسلامیہ کی ایمانی قوت و ضعف کے پرکھنے کا معیار بیت اللہ ہے۔ اگر ان میں بیت اللہ کی حفاظت کی ہمت رہی تو یہ ان کی ملی زندگی اور حرارتِ ایمانی کی دلیل ہوگی۔ اور اگر اس پر دوسروں کا اثر غالب آگیا۔ تو یہ ان کی اسلامی موت کی نشانی (آیت) ہوگی۔ قوم ثمود نے ناقۃ اللہ کی حفاظت نہ کی۔ اور اللہ کے سوا کن عذاب میں گرفتار ہو گئی۔

فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا صَالِحًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ۗ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ (۱۱/۶۶)

پھر جب ہماری (ٹھرائی ہوئی) بات کا وقت آپہنچا، تو ہم نے صالحؑ کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے، اپنی رحمت سے بچالیا۔ اور اس دن کی رسوائی سے محفوظ رکھا۔ (اے پیغمبر!) بلاشبہ تیرا پروردگار ہے جو قوت والا اور سب پر غالب ہے۔

اور ہم بیت اللہ کی حفاظت کے قابل نہ رہے تو ذلت و رسوائی کا عبرت انگیز عذاب ہم پر مسلط ہو گیا۔ اور قوم ثمود کی طرح اس چالیس کروڑ ہجوم مومنین کی یہ حالت ہو گئی کہ

فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جَاثِمِينَ ۝ كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا (۱۱/۶۷-۶۸)

جب صبح ہوئی تو سب اپنے گھروں میں اوندھے پڑے تھے۔ گویا ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے!

اپنے دیار و امصار میں یوں مُردوں کی طرح اوندھے پڑے ہیں گویا ان میں کبھی زندوں کی طرح بسے ہی نہ تھے!

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً (۲۶/۱۵۸)

یقیناً اس کے اندر ایک نشانی ہے۔

وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ۝ (۲۶/۱۵۸)

اور حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں۔

لیکن مشکل یہ ہے کہ ہم میں سے اکثر ان حقائق و عبر پر "ایمان نہیں رکھتے۔ یونہی سرسری طور پر پڑھ کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ خود ہماری ہی عبرتناک داستان ہے۔ کسی اور کا قصہ نہیں۔

اسلامی معاشرت — اسلام کے اخلاق و عادات کا خاکہ — قیمت:- دو روپے

عورت اور قرآن

(۲۴)

۳ رمضان ۱۳۶۸ھ ۲۹ جون ۱۹۴۹ء روز چہار شنبہ

"شارع عام پر بے جھجک شراب کا دور چلتا ہے اور بے محابا سگریٹ نوشی ہوتی رہتی ہے۔ چھ بجے قہوہ خانے کھلتے ہیں۔ اور سر شام سے شطرنج اور قمار بازی شروع ہو جاتی ہے۔ ریڈیو سے وقفوں کے ساتھ ہر وقت قرآن کی تلاوت ہوتی رہتی ہے لیکن مخلوق خدا بدستور لہو و لعب میں مشغول رہتی ہے۔ اگر فلسطین میں اس قوم کو ذلت نصیب ہوئی ہے۔ تو اس میں کسی کا کیا قصور؟ افسوس علماء۔۔۔۔ کا قبلہ و کعبہ دستار فضیلت کی دیکھ بھال اور اپنے حلوے مانڈے کی حفاظت ہے اور بس۔

یکم شوال ۱۳۶۸ھ، ۲۷ جولائی ۱۹۴۹ء روز چہار شنبہ

آج عید ہے۔ میدان میں یہاں نماز نہیں ہوتی۔ یہ سنت بالکل متروک ہو۔ موذن نے "الصلوٰۃ جامعۃ" بلند آواز سے پکارا اور نماز شروع ہو گئی۔ واپس آیا سامنے یہی محسوس ہوا کہ کسی کو عید کی نماز نہیں آتی۔ اللہ اکبر! جالندھر اور راولپنڈی سے بدحال پایا۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔"

جب اسلامی ممالک کے علماء کا یہ انداز اور عوام کی دینداری کا یہ عالم ہو تو پھر ان کے یہاں خلاف قرآن، غلامی کے رائج رہنے میں کیا تعجب کی بات ہے؟ بہرحال! مولانا اسلم جیراجپوری نے آگے جو کچھ فرمایا ہے۔ وہ تاریخ سے تعلق رکھتا ہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے خاندان کے آخری بادشاہ، ملک صالح نجم الدین کے عہد کا ایک واقعہ لکھنے کے بعد جس میں مصر کے قاضی شہیر علامہ عزالدین عبد السلام نے ملک صالح کے ان تمام زرخرید غلاموں کو جو اس عہد میں ترقی کر کے جلیل ملکی و فوجی عہدوں پر قابض و فائز ہو گئے تھے محض اس لئے کہ وہ زرخرید غلام ہیں فروخت کرنے کا اعلان کر کے ملک میں تہلکہ برپا کر دیا تھا۔ فرماتے ہیں۔

"اس واقعہ سے ظاہر ہوا کہ "غلام" بادشاہ بھی ہو جائے تو چوراہے پر کھڑا کر کے نیلام کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ان باتوں کا جواب وہ قرآن نہیں ہے کیونکہ اس نے تو "غلامی" کو بالکل ختم کر دیا ہے۔ رسول اللہ کی زندگی بھی سرتاسر قرآن کے تابع تھی۔ اس کی بھی ایک مختصر کیفیت لکھ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے ہجرت مدینہ کے بعد اسلام کی سیاسی زندگی شروع ہوئی۔ یہاں آنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس سال زندہ رہے۔ اس عرصہ میں چھوٹی بڑی کل لڑائیاں جو پیش آئیں۔ ان کی تعداد ۸۲ ہے۔ ان تمام جنگوں میں مقتولین کی کل تعداد ۱۰۱۸ تھی (۲۵۹ مسلمان اور ۷۵۹ مخالفین) اور کل قیدی جو ان لڑائیوں میں مسلمانوں نے قید کئے ۶۵۶۵ تھے۔ ان میں سے چھ ہزار بنی ثقیف اور ہوازان کے لوگ ایک جنگ حنین میں گرفتار ہوئے تھے جو اس کے دو ہی ایک دن بعد احساناً چھوڑ دیئے گئے اور ۵۶۴ قیدی جو مختلف لڑائیوں میں ہاتھ آئے تھے فدیہ لے کر چھوڑ دیئے گئے۔ دو قیدی بوجہ اپنے سابقہ جرائم کے قتل کئے گئے۔ بقیہ ۱۵ جو رہ جاتے ہیں۔ ان کی بابت ٹھیک پتہ نہیں لگ سکا کہ ان میں سے کتنے آزاد کئے گئے اور کتنے اسلام لا کر امت میں شامل ہو گئے۔"

یہ تو عہد رسالت کی بات تھی۔ اسلام کے ابتدائی عہد خلافت اور حضرت عمرؓ کے دور میں بڑی بڑی لڑائیاں ہوئی ہیں۔ مولانا شبلی نعمانی نے "الفاروق" (جلد دوم صفحہ ۱۳۸۔۱۴۱) میں اس کا صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ وہ اس سلسلے میں لکھتے ہیں۔

"جس قدر ممالک ان کے زمانے میں فتح ہوئے۔ اس کی وسعت کئی ہزار میل تھی جس میں کروڑوں آدمی بستے تھے۔ لیکن غلامی کا جہاں جہاں پتہ چلتا ہے وہ نہایت محدود اور گنتی کے مقامات تھے۔۔۔۔ عراق اور مصر میں جو بجائے خود مستقل مملکتیں ہیں، باوجود فوج کے اصرار کے ایک شخص بھی غلام نہیں بنایا گیا۔ یہاں تک کہ جب مصر کے بعض دیہات کے آدمی جو مسلمانوں سے لڑے تھے غلام بنا کر عرب میں بھیجے گئے تو حضرت عمرؓ نے سب کو جا بجا سے جمع کر کے مصر کو واپس بھیج دیا کہ ان کو غلام بنانا جائز نہ تھا۔ چنانچہ مو۔رخ مقریزی (جلد اول صفحہ ۱۶۶) نے ان دیہات کے نام اور اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے۔۔۔

مناذر میں باوجود اس کے کہ فوج نے اسیران جنگ کو غلام بنا کر ان پر قبضہ کر لیا تھا لیکن حضرت عمرؓ کا حکم پہنچا کہ ان کو چھوڑ دو اور خراج و جزیہ مقرر کر دو۔ حضرت عمرؓ نے ایک اور طریقے سے اس رواج کو گھٹا دیا۔ یعنی یہ قاعدہ قرار دیا کہ جس لونڈی سے اولاد ہو جائے وہ خریدی اور بیچی نہیں جا سکتی۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ لونڈی نہیں رہتی۔۔۔۔"

"اس موقعہ پر حضرت شہربانو کا قصہ جو غلط طور پر مشہور ہو گیا ہے اس کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ عام طور پر یہ مشہور ہے کہ جب فارس فتح ہوا تو یزدگرد شہنشاہ فارس کی چار بیٹیاں بھی گرفتار ہو کر مدینہ میں آئیں۔ حضرت عمرؓ نے عام لونڈیوں کی طرح بازار میں ان کو بیچنے کا حکم دیا۔ لیکن حضرت علیؓ نے منع کیا۔ اور ایک امام حسینؓ کو۔۔۔ عنایت کی۔ اس غلط قصہ کی حقیقت یہ ہے کہ زمخشری نے جس کو فن تاریخ سے کچھ واسطہ نہیں۔ ربیع الابرار میں اس کو لکھا۔ اور ابن خلکان نے امام زین العابدین کے حال میں یہ روایت اس کے حوالہ سے نقل کر دی۔ لیکن یہ محض غلط ہے۔ اول تو زمخشری کے سوا طبری ابن الاثیر، یعقوبی۔ بلاذری۔ ابن قتیبہ وغیرہ کسی نے اس واقعہ کو نہیں لکھا۔۔۔ تاریخی قرائن بھی اس کے بالکل خلاف ہیں۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں یزدگرد اور خاندان شاہی پر مسلمانوں کو بالکل قابو نہیں حاصل ہوا تھا۔ مدائن کے معرکہ میں یزدگرد مع تمام اہل و عیال کے دار السلطنت سے نکلا اور حلوان پہنچا پھر۔۔۔۔ مرو میں پہنچ کر ۳۰ھ میں، جو حضرت عثمانؓ کی خلافت کا زمانہ ہے، مارا گیا۔

جس وقت کا یہ قصہ بیان کیا جاتا ہے۔ اس وقت حضرت امام حسینؓ کی عمر ۱۲ سال کی تھی۔ کیونکہ جناب ممدوح، ہجرت کے پانچویں سال پیدا ہوئے اور فارس ۱۷ھ میں فتح ہوا۔ اس لئے یہ امر بھی کسی قدر مستبعد ہے کہ حضرت علیؓ نے ان کی نابالغی میں ان پر اس قسم کی عنایت کی ہوگی۔۔۔۔"

اس طور پر مولانا شبلی اس واقعہ کو ہر اعتبار سے غلط بتلاتے ہیں جو حضرت شہربانو کے بارے میں محض اس لئے مشہور کر دیا گیا ہے کہ "لونڈی" کا جواز ثابت ہو سکے۔ انھوں نے یہ دکھلانے کے لئے کہ اسلام میں "غلامی" قطعاً ختم ہو چکی ہے اور جنگ کے مواقع پر بھی اجازت نہیں ہے کہ گرفتار کر کے لوگوں کو غلام اور لونڈی بنا لو۔ اور اُن کو "احسان کر کے چھوڑ دینے" کے عوض ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے تصرف میں لے آؤ۔ ایک اور مشہور تاریخی واقعہ نقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

"عمرو بن العاص نے جب مصر پر چڑھائی کی تو۔۔۔ اتفاق سے مقوقس بادشاہ مصر کی بیٹی جس کا نام ارمانوسہ تھا، یہیں مقیم تھی۔ وہ بھی گرفتار ہوئی تو عمرو بن العاص نے اس کو نہایت عزت و حرمت سے مقوقس کے پاس بھیج دیا۔"

اگر اسلام میں انسانوں کو جنگ کے نتیجہ میں پکڑ کر لونڈی اور غلام بنا کر رکھ چھوڑنے کی اجازت تھی تو آنحضرت صلعم نے اپنے عہد کی جنگوں میں ایسا کیوں نہ کیا؟ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اتنی جنگیں ہوئیں انھوں نے کیوں سبھوں کو آزاد کر دیا؟ یہ مقوقس کی بیٹی کیوں چھوڑ دی گئی۔ اصل یہ ہے کہ ہمارے علماء[1] خدا کے حکم کی تو پروا نہیں کرتے وہ تو صرف یہ دیکھتے ہیں کہ "غلامی" کے بارے میں فقہائے متقدمین کیا فرما گئے ہیں؟

[1] ہمارے علماء شاید ان بزرگوں کو متقدمین میں شمار کر کے قابل تقلید نہیں سمجھتے۔

مجلس اقبال

اسرارِ خودی

(باب اول ـ مسلسل)

سابقہ اشاعت میں جو اشعار سامنے آچکے ہیں۔ انہی کے تسلسل میں حضرت علامہ فرماتے ہیں۔

شعلۂ خود در شرر تقسیم کرد ۔۔۔ جزپرستی عقل را تعلیم کرد

خودی ایک کل کا نام ہے یا غیر منقسم وحدت (INDIVISIBLE UNIT) اس کے نہ حصے کئے جاسکتے ہیں۔ اور نہ اسے ٹکڑوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اقبال کے نزدیک خودی نے خود ہی اپنے شعلے (FLAME) کو چھوٹی چھوٹی چنگاریوں (SPARKS) میں تقسیم کردیا ہے اور اس طرح یہ کل مختلف اجزا میں بٹ گیا ہے۔ اب عقل ان اجزا پر غور و فکر کرتی ہے۔ اور ان ہی کے متعلق معلومات حاصل کرتی ہے۔ علامہ اقبال نے دوسری جگہ کہا ہے کہ سائنس حقیقت کے مختلف گوشوں (ASPECTS) کو الگ الگ دیکھتی ہے۔ لیکن وحی کی نگاہ اس پر تمام ہوتی ہے۔ یہ چیز سائنس کے بس کی نہیں کہ ان اجزا کے مطالعہ سے کل کے متعلق کسی نتیجہ تک پہنچ سکے لیکن جب وحی کی رُو سے کل کا مطالعہ کیا جائے تو اجزا کا علم خود بخود اس کے اندر آجاتا ہے۔ اس لئے وحی کی تعلیم کے اندر سائنس کے انکشافات بھی آجاتے ہیں۔ لیکن سائنس کی تحقیقات، وحی کی پوری تعلیم کو محیط نہیں ہوسکتی۔ عقل کا کام جزپرستی ہے۔ یہ کل کو اپنے احاطہ میں نہیں لاسکتی۔ مثلاً وقت (TIME) کو لیجئے۔ اس کی ابتداء اور انتہاء کے متعلق انسانی عقل کوئی تصور نہیں کرسکتی۔ یہ اس کے بس کی بات ہی نہیں ہے۔ لیکن جب وقت کو ہم وقفوں (MOMENTS) میں تقسیم کردیتے ہیں جطرح گز پر گرہیں لگادی جاتی ہیں۔ تو یہ وقفے عقل کے دائرے کے اندر آجاتے ہیں۔ عقل کی دنیا کا سارا کاروبار ان ہی وقفوں کی بنا پر چلتا ہے۔ جنہیں ہم سکنڈ۔ منٹ۔ گھنٹہ۔ دن۔ ہفتے۔ مہینے۔ سال۔ صدیاں کہتے ہیں۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ ان وقفوں کے متعلق ہمارا علم، خود وقت (TIME) کے متعلق حقیقت کو نہیں پاسکتا۔ اس لئے عقل کا کام جزپرستی ہے۔ کل نگہی نہیں ہے

اس کے بعد وہ خودی کے متعلق کہتے ہیں۔

خود شکن گردید و اجزا آفرید ۔۔۔ اندکے آشفت و صحرا آفرید

یہ بھی پہلے شعر کی تشریح ہی ہے۔ خودی نے اپنی خود شکنی سے اجزا پیدا کئے۔ اور جب اس نے اپنے آپ پر پریشانی طاری کی تو اس کے ذرات بکھر کر صحرا بن گئے۔ لیکن

باز از آشفتگی بیزار شد ۔۔۔ وز بہم پیوستگی کہسار شد

خودی پھر اس آشفت و انتشار سے بیزار ہوئی۔ اس نے اپنے آپ کو سمیٹا۔ بکھرے ہوئے ذرات کو یکجا کیا اور ان کے اکٹھا ہونے سے وہ صحرا کوہسار بن گیا۔ یعنی بکھری ہوئی خودی صحرا بنے اور سمٹی ہوئی پہاڑ۔

وانمودن خویش را خوئے خودی است ۔۔۔ خفتہ در ہر ذرہ نیروئے خودی است

کائنات میں یہ سب کچھ اس لئے ہو رہا ہے کہ خودی اپنی نمود چاہتی ہے۔ یہ اس کی عادت بن چکی ہے اور کائنات کے ایک ایک ذرہ میں خودی کی قوت پنہاں ہے۔

قوتِ خاموش و بیتابِ عمل ۔۔۔ از عمل پابندِ اسبابِ عمل

خودی ایک قوتِ خاموش ہے۔ لیکن عمل کے لئے یکسر بے تاب۔ وہ ہر پابندی سے آزاد ہے لیکن جب وہ عمل میں آتی ہے تو پھر اسے مختلف اسباب و آئین کا پابند ہونا پڑتا ہے۔ کیونکہ ان پابندیوں کے بغیر کسی مجرد تصور کا عملی شکل اختیار کرنا ناممکن ہوتا ہے۔ لہٰذا خودی جب اپنے آپ پر پابندیاں عاید کرتی ہے تو وہ مختلف عوامل کی شکل میں سامنے آجاتی ہے۔ یعنی خودی کو اس قوتِ خاموش سے عملِ محسوس بننے کے لئے اپنے آپ پر پابندیاں عاید کرنا پڑتی ہیں۔

اس کے بعد کہتے ہیں کہ

چو حیاتِ عالم از زورِ خودی است ۔۔۔ پس بقدرِ استواری زندگی است

جب یہ حقیقت ہے کہ اس کائنات کی زندگی خودی کے زور پر ہے تو اس سے یہ واضح نتیجہ نکلتا ہے کہ جس قدر کسی کی خودی محکم و استوار ہوگی۔ اسی قدر اس میں زندگی اور استحکام ہوگا۔ یعنی زندگی کو ناپنے کا پیمانہ خودی کا ضعف اور استحکام ہے۔

قطرہ چوں حرفِ خودی از بر کند ۔۔۔ ہستیٔ بے مایہ را گوہر کند

جب ایک قطرہ ناچیز کہ جس میں اتنی قوت بھی نہیں کہ وہ اپنی شکل کو بھی برقرار رکھ سکے، خودی کے سبق کو از بر کرلے تو وہ ایک گوہرِ تابدار بن جاتا ہے اور اس کی سختی کا عالم یہ ہوتا ہے کہ سخت سے سخت پتھر تک کو کاٹ کر رکھ دیتا ہے۔

بادہ از ضعفِ خودی بے پیکر است ۔۔۔ پیکرش منت پذیرِ ساغر است

چونکہ شراب کی خودی کمزور ہوتی ہے۔ اس لئے وہ اپنی کوئی خاص شکل تک بھی قائم نہیں رکھ سکتی۔ اسے جس برتن میں ڈالئے اس کی شکل میں ڈھل جاتی ہے۔ یعنی وہ اپنی صورت بندی کے لئے بھی ساغر کی محتاج ہوتی ہے۔

گرچہ پیکر می پذیرد جامِ مے ۔۔۔ گردش از ما وام گیرد جامِ مے

ساغر کی خودی شراب کے مقابلہ میں مستحکم ہوتی ہے۔ اس لئے وہ شراب کو تو ایک شکل عطا کردیتا ہے۔ لیکن اس کی خودی ہمارے مقابلہ میں ضعیف ہوتی ہے۔ اس لئے ہم اسے جس طرح بھی چاہتے ہیں گردش دیتے رہتے ہیں۔ وہ اپنی گردش میں بھی خود مختار نہیں ہوتا اسے وہ ہم سے مستعار لیتا ہے مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جس کی خودی ضعیف ہے۔ وہ اپنے سے محکم خودی والے کے تابع و مغلوب رہتا ہے۔

کوہ چوں از خود رود صحرا شود ۔۔۔ شکوہ سنجِ جوششِ دریا شود

صحرا کی ریت کیا ہے؟ یہ پہاڑیاں اور چٹانیں ہیں جو پانی کے زور سے پس پس کر ریت کے ذرے بن جاتی ہیں۔ دریاؤں کی طغیانی انہیں اپنے ساتھ بہا کر لے جاتی ہے اور جہاں دریا کی رفتار میں کچھ سکون آجاتا ہے۔ وہیں یہ ریت زمین پر بیٹھ جاتی ہے۔ پانی رخ بدل لیتا ہے تو پیچھے کی یہ ریت صحرا بن جاتی ہے۔ اگر چٹان اپنے وجود میں مستحکم ہے اور پانی کے زور سے ذروں میں تبدیل نہ ہوجائے تو کوئی قوت اسے اپنی جگہ سے ہلا نہیں سکتی۔ یہ اس کی، پانی کے مقابلہ میں کمزور خودی ہے جو اسے ریت کے ذروں میں تبدیل کردیتی ہے۔

موج تا موج است در آغوشِ بحر ۔۔۔ می کند خود را سوار دوشِ بحر

جب تک موج دریا کے اندر رہتی ہے۔ وہ اپنی ہستی کو برقرار رکھتی ہے۔ اور دریا کے کندھے پر سوار رہتی ہے۔ لیکن اگر وہ اپنے مقام کو چھوڑ کر دریا سے باہر آجائے تو اسے وہی ریت جذب کرکے نیست و نابود کردیتی ہے جسے وہ پہاڑوں سے بہا کر اپنے ساتھ لائی تھی۔ (اس نکتہ کو حضرت علامہ نے رموزِ بیخودی میں وضاحت سے بیان کیا ہے۔ جہاں یہ لکھا ہے کہ فرد اپنی خودی کا استحکام جماعت کے اندر رہ کر ہی کرسکتا ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں ۔۔۔ موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

اس نکتہ کا صحیح مقام بھی رموزِ بیخودی ہی ہے)

اس سے آگے کہتے ہیں

حلقۂ زد نور تا گردید چشم ۔۔۔ از تلاشِ جلوہ ہا جنبید چشم

حضرت علامہ پہلے کہہ چکے ہیں کہ خودی عمل کی وجہ سے پابندِ اسبابِ عمل ہوجاتی ہے یعنی جب تک وہ قوتِ خاموش رہتی ہے اس کی کوئی شکل و صورت نہیں ہوتی۔ وہ توانائی محض (ABSOLUTE ENERGY) ہوتی ہے۔ لیکن جب وہ جوشِ عمل سے بیتاب ہوکر اپنی نمود چاہتی ہے تو پھر اسے کوئی نہ کوئی پیکر اختیار کرنا پڑتا ہے۔ یہی پیکر اس کے استحکام کا موجب بنتا ہے۔ اگر وہ اس پیکر کو چھوڑ دے تو پھر توانائی محض رہ جاتی ہے۔ اسی خیال کی تائید میں انہوں نے پہلے موج کی تشبیہ بیان کی تھی۔ اور اب اس سے بھی لطیف تشبیہ سامنے لائے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ روشنی جب اپنے آپ کو ایک دائرے کے اندر محدود و محصور کرلیتی ہے تو اسے آنکھ کہا جاتا ہے اور پھر یہ آنکھ صحنِ کائنات میں مختلف جلووں کی تلاش میں مصروفِ جنبش رہتی ہے۔ یعنی آنکھ کی ہستی اور اس کی حرکت اس بنا پر ہے کہ روشنی نے اپنی بیتابیٔ عمل کی بنا پر اپنے اوپر پابندیاں عاید کیں اور ایک پیکر میں محصور ہوگئی۔

امریکہ میں عربی زبان اور اسلامیات کی تعلیم

پروفیسر فلپ ہٹی دور حاضر کے ایک ممتاز مستشرق ہیں۔ ان کی تصنیفات' بالخصوص تاریخ عرب اور تاریخ شام دنیائے علم میں کافی شہرت حاصل کرچکی ہیں۔ یہ آجکل پرنسٹن یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں۔ انھوں نے اپنے زیر نظر مضمون میں' جو پاکستان کوارٹرلی میں' انگریزی زبان میں چھپا ہے' یہ بتایا ہے کہ امریکہ میں اسلامیات کے مطالعہ کا ذوق بڑھتا جارہا ہے اور اس کے لئے ریاستہائے متحدہ امریکہ میں اسوقت کیا کچھ ہورہا ہے۔ ہم اس مضمون کا آزاد ترجمہ اسلئے شائع کررہے ہیں کہ ایک تو قارئین طلوع اسلام کو معلوم ہوجائے کہ اس باب میں امریکہ کا رخ کس سمت کو ہے اور اس کے بعد چند الفاظ میں یہ بھی بتادیا جائے کہ وہ کس قسم کا اسلام ہے جس کے مطالعہ کا ذوق ان ممالک میں اس انداز سے بڑھ رہا ہے۔ (طلوع اسلام)

امریکہ میں مشرق وسطیٰ کے متعلق معلومات حاصل کرنے کا ذوق اسوجہ سے پیدا ہوا کہ امریکہ کی آبادی کا بیشتر حصہ عیسائیوں پر مشتمل ہے اور ان لوگوں کو بہرحال بائبل' عیسائیت اور یہودیت سے دلچسپی ہے۔ لہٰذا کچھ عرصہ پہلے تک اس باب میں ان کی توجہ صرف عبرانی زبان اور اس سے ملحقہ مضامین پر ہی مرکوز رہی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یورپ میں بھی ان علوم سے دلچسپی کا آغاز ان ہی وجوہات کی بنا پر ہوا لیکن کچھ وقت کے بعد ان میں ایک سیاسی مقصد کا بھی اضافہ ہوگیا۔ انگلستان' فرانس' حتیٰ کہ جرمنی' اٹلی اور اسپین جیسے استعماریت پسند ممالک کے سیاسی مقاصد کا تقاضہ تھا کہ وہ اپنی یونیورسٹیوں میں مسلمانوں سے متعلق علوم کو نصاب میں داخل کریں تاکہ ایسے وہ طلبا جنھوں نے بعد میں ان اسلامی ممالک میں جاکر حکومت کرنا تھا' پہلے ہی سے ان علوم سے آشنا ہوجائیں۔ یاد رہے کہ ان ممالک کی یونیورسٹیوں پر حکومت کا پورا پورا کنٹرول تھا۔

ان وجوہات کی بنا پر امریکہ میں اسلامیات اور عربی زبان کے مطالعہ کا ذوق بہت دیر میں جاکر شروع ہوا۔ انیسویں صدی کے آخری ربع میں تو امریکہ بھر میں صرف ایک استاد تھا جس نے عربی کا کورس لیا۔ یہ اسوقت اس یونیورسٹی میں سنسکرت کا پروفیسر تھا۔ اس سے پہلے جو لوگ عربی زبان کا کورس لیتے تھے وہ اس غرض سے ہوتا تھا کہ اس سے انھیں عبرانی یا دیگر سامی زبانیں سیکھنے میں مدد ملتی تھی۔ بالفاظ دیگر وہاں سامی زبانوں کے اسکالر تو ہوتے تھے جسے عربی کا اسکالر کہا جائے وہ کوئی نہیں ملتا تھا۔ جہاں تک ترکی اور فارسی کا تعلق ہے' اسکا تو وہاں وجود تک نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اسلامی کلچر جسکا شمار دنیا کے ممتاز ترین چھ کلچرز میں ہوتا ہے' اہل امریکہ کے لئے بالکل ایک مدفون خزانہ کی شکل میں رہا۔ گذشتہ جنگ عظیم تک بھی یہ حالت تھی کہ امریکہ کی صرف دس یونیورسٹیوں نے عربی زبان کو اپنے نصاب میں داخل کیا اور وہ بھی صرف گریجویٹ کی سطح پر۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ عربی کے علاوہ باقی سامی زبانیں اب قریباً قریباً مردہ زبانیں ہوچکی ہیں ان کے الفاظ اور لٹریچر بہت محدود ہیں۔ اور یہی چیز ان زبانوں کو سہل الحصول بنادیتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں عربی زبان کی لغت کی وسعت' اس کی صرف و نحو کی نزاکت' اسکے ادب میں تنوع اور اس کی وہ نشو و نما جو اس نے تاریخ کے مختلف ادوار میں حاصل کی ہے' اس زبان کو مشکل بنادیتی ہے جس کی وجہ سے طالب علم اسکی طرف آسانی سے رخ نہیں کرتے۔ جہاں تک ایک ممتاز ثقافت کے حامل ہونے کا تعلق ہے' عربی کا شمار چینی' لاطینی اور یونانی زبانوں میں ہوسکتا ہے۔ ادب میں تو یہ زبان انیسویں صدی کے شروع تک انگریزی سے بھی آگے تھی آجکل البتہ انگریزی زبان اس باب میں دنیا کی تمام زبانوں میں سب سے آگے ہے۔

مغربی ممالک میں اسلامیات اور عربی زبان کے زیادہ ترویج نہ پانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ یہاں کے باشندوں کو اسلام کے خلاف تعصب تھا۔ یہ تعصب صلیبی لڑائیوں کے وقت سے متوارث چلا آرہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہاں کے لوگوں کو اپنے نسلی تفوق اور ذہنی برتری پر اس قدر فخر رہا ہے کہ وہ اپنے انیگلو سکسن کلچر کے سوا دوسرے لوگوں کے علم اور کلچر کے مطالعہ کو بنگاہِ حقارت دیکھتے تھے۔ اس کے علاوہ اس راستہ میں اس قسم کی بھی رکاوٹیں رہی ہیں۔ مثلاً عربی کی ترجمہ شدہ اچھی کتابوں کا نہ ملنا یا اس کے علما کا مغرب سے ذاتی ربط پیدا نہ کرنا وغیرہ۔ یہ وجوہات تھے جن کی بنا پر امریکہ کی تاریخ میں ایسے دور بھی گزرے ہیں جب عربی زبان یا اسلامیات کا مطالعہ کرنیوالے طالب علم کے متعلق یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس کے دماغ میں کوئی نقص ہے۔

دوسری جنگ عظیم نے امریکہ کو خواہ مخواہ ایک ایسے مقام پر کھڑا کردیا جس سے اس کے حصہ میں بہت بڑی ذمہ داری اور قیادت اقوام کا منصب آگیا۔ حالانکہ امریکہ اس کے لئے تیار نہ تھا۔ یوں سمجھئے جیسے راتوں رات ایک ایسا انقلاب برپا ہوا جس کی رو سے امریکہ کو ضرورت پڑی کہ وہ دیگر اقوام کے خیالات اور نفسیات سے واقف ہو۔ بالخصوص مسلمانوں کے تہذیب و تمدن اور روایات سے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ جنگ کے دوران ہی میں اس ملک کی یونیورسٹیوں میں نہ صرف عربی بلکہ ترکی اور فارسی زبانوں کو نصاب میں داخل کیا گیا۔ اسوقت سے امریکہ میں شعوری طور پر اس ضرورت کا احساس پیدا ہوگیا ہے کہ یہاں کے لوگ اسلامیات کے مختلف گوشوں سے تعارف پیدا کریں اور اسلامی ثقافت و تمدن کا مطالعہ کریں۔ نیز ان مسائل کا بھی جو عالم اسلام میں آجکل پیدا ہورہے ہیں۔

اس باب میں پہلا قدم پرنسٹن یونیورسٹی نے اٹھایا۔ اس نے ۱۹۴۷ء میں اپنے شعبہ مشرقیات میں عربی' ترکی اور فارسی کو بطور نصاب داخل کیا اور اسے "انڈر گریجویٹ طالبعلموں" کے لئے بھی کھلا رکھا حالانکہ اس سے پہلے صرف گریجویٹ طالبعلم ہی ان تک رسائی حاصل کرسکتے تھے چنانچہ اس طرح مسلمانوں کی تین بڑی زبانیں اور ان کے ذریعے حاصل کردہ اسلامی کلچر' اس یونیورسٹی کے جدید پروگرام کا محور بن گیا۔ اس کے علاوہ عمرانیات' اقتصادیات' سیاسیات نیز اسلامی آرٹ اور فلسفہ کو بھی اس پروگرام میں شامل کرلیا گیا۔ پرنسٹن یونیورسٹی کو یہ بھی فخر حاصل ہے کہ اس کی لائبریری میں ہزار سے زیادہ عربی مخطوطات ہیں۔ اس کے مطبع میں عربی کی مونوٹائپ مشین موجود ہے جس پر بہت سی کتابیں چھاپی جاچکی ہیں ان میں "اسلام کے تاریخی اٹلس" کو خاص مقام حاصل ہے۔ یونیورسٹی کے ارباب حل و عقد کا اندازہ ہے کہ تیس یا چالیس لاکھ ڈالر کے تازہ سرمایہ سے ان کا پیش نظر پروگرام توازن سے ترقی کرسکیگا۔ پرنسٹن کے بعد مچگن کی یونیورسٹی نے اس کی اتباع کی پھر ہارورڈ اور کولمبیا یونیورسٹیوں نے بھی اسے اپنایا۔ ازاں بعد اس حلقہ میں کیلیفورنیا اور لاس انجلس کی یونیورسٹیاں بھی شامل ہوگئیں۔ کنیڈا میں مک گل یونیورسٹی نے تین سال ہوئے ایک ادارہ قائم کیا ہے جس میں مذہب اسلام کے متعلق خاص طور پر تحقیقات کی جاتی ہیں۔

اس تمام پروگرام کی بنیادی ترتیب یہ ہوتی ہے کہ عربی زبان کو محور قرار دیکر ترکی اور فارسی کو اس کے ملحقات میں شامل کرلیا جائے۔ افسوس ہے کہ اس زمرہ میں اردو کو شامل نہیں کیا گیا۔ حالانکہ وہ اہل اسلام کی ممتاز زبانوں میں سے ایک ہے۔

امریکہ میں اسلامیات سے اسقدر دلچسپی کا نتیجہ یہ ہے کہ مشرق قریب اور مشرق وسطیٰ کے بہت سے طالب علم ان علوم میں ریسرچ کے لئے اب امریکہ کا رخ کرنے لگ گئے ہیں۔ امریکہ میں ان علوم کے متعلق ریسرچ' یورپ کے مقابلہ میں زیادہ غیر جانبدارانہ طریقہ سے ہوسکیگی' اسلئے کہ اہل یورپ کے اہل مشرق کے ساتھ جو روابط رہے ہیں ان کی وجہ سے ان کے باہمی تعلقات ایسے خوشگوار نہیں رہے۔ ریاستہائے متحدہ کے متعلق یہ عام طور پر معلوم ہے کہ اس کے سامنے استعماریت کا کوئی تصور نہیں۔ اس کے علاوہ استنبول' بیروت' قاہرہ' اور مغربی اور جنوبی ایشیا میں مختلف مراکز میں امریکہ کے ایسے ادارے موجود ہیں جن کے ذریعے باہمی روابط قائم کئے جاسکتے ہیں نیز راک فیلر اور کارنیگی فاونڈیشنز کے بعد عرب ممالک میں امریکی تیل کی کمپنیاں بھی اس مقصد کے لئے بہت کچھ کررہی ہیں۔ وہ وقت قریب آرہا ہے جب کہ امریکہ کی کوئی یونیورسٹی ایسی نہیں ہوگی جس میں اسلامیات سے متعلق تعلیم اور ریسرچ کے مواقع و اسباب موجود نہوں۔ جن میں یہ کچھ نہیں ہوگا وہ اپنے آپ کو قابل فخر قرار نہیں دے سکیں گی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ریاستہائے متحدہ میں اس قسم کے مراکز جن میں اسلامیات سے متعلق تعلیم اور تحقیقات کے اسباب و ذرائع پورے پورے

(باقی صفحہ ۱۳ پر)

نصابِ زکوٰۃ میں تبدیلیاں

مختلف ادوارِ خلافت میں :-

محمد ابو العلا البنّا مدرس فلکیات کلیہ شریعت مصر

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے طلوعِ اسلام کا مسلک یہ ہے کہ

(۱) قرآنی اصولوں کی جو جزئیات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرمائی تھیں اگر ان میں سے کسی میں زمانہ کے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق کسی تبدیلی کی ضرورت ہو تو وہ تبدیلی کی جا سکتی ہے۔ لیکن

(۲) یہ تبدیلی صرف وہ اسلامی نظام کر سکتا ہے جو علیٰ منہاجِ نبوت، قرآنی حکومت کے قیام کے لئے وجود میں آئے۔ ہمیں یا آپ میں سے کسی فرد کو اس تبدیلی کا حق نہیں ہے۔ اور

(۳) جب تک ایسا نظام قائم نہ ہو اور وہ ایسی تبدیلی نہ کرے اس وقت تک ان احکام میں کوئی رد و بدل نہیں کرنا چاہیئے۔

ظاہر ہے کہ طلوعِ اسلام جس تبدیلی کے جواز کا قائل ہے اس سے زیادہ تر ہمارے معاشی اور معاشرتی حالات ہی متاثر ہوں گے۔ کیونکہ زمانہ کے بدلتے ہوئے حالات کا زیادہ تر اثر انہی پر پڑیگا۔ مثلاً زکوٰۃ کی شرح اور نصاب رسول اللہ صلعم کے عہدِ مبارک میں اڑھائی فی صدی مقرر کی گئی تھی۔ اگر وہ نظام جو علیٰ منہاجِ نبوت قائم ہو، یہ دیکھے کہ اس شرح یا نصاب سے ہمارے زمانے میں کام نہیں چل سکتا تو وہ اس میں تبدیلی کر سکتا ہے۔ مگر طلوعِ اسلام کا یہ جرم اتنا بڑا جرم سمجھا گیا کہ اسے آئے دن مطعون کیا جاتا رہتا ہے۔ کوئی اسے منکرِ حدیث کہتا ہے اور کوئی اسے منکرِ رسالت۔ حالانکہ طلوعِ اسلام نہ منکرِ حدیث ہے نہ منکرِ رسالت۔ وہ صرف اس چیز کا مطالبہ کرتا ہے جو خود رسول اللہ صلعم کی حیاتِ طیبہ اور خلفائے راشدین کے دورِ حکومت میں ہوتا چلا آیا ہے۔ بدلے ہوئے حالات میں خود اس عہدِ برکت عہد میں بھی اس قسم کی تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔

زکوٰۃ کا نصاب یعنی ساڑھے سات تولہ سونا اور ساڑھے باون تولہ چاندی ایک ایسا مقررہ نصاب مانا جاتا ہے جس میں کسی تبدیلی کا تصور تک بھی گوارا نہیں کیا جاتا۔

آج کی فرصت میں ہم محترم محمد ابو العلا البنّا مدرس فلکیات کلیہ شریعت مصر کے ایک مضمون کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں جو مجلہ الازہر بابت ماہ شوال ۱۳۷۴ھ میں شائع ہوا ہے۔ موصوف نے اس مضمون میں خاص علمی اور تحقیقی نقطۂ نظر سے بحث کر کے بتایا ہے کہ ہمارے ہاں زکوٰۃ کے نصاب میں مختلف ادوار میں کیا کیا تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں اور آج جو نصاب ہمارے ہاں رائج ہے وہ دراصل جناب رسول اللہ صلعم کا متعین فرمودہ نہیں بلکہ حجاج بن یوسف ثقفی گورنر عراق کے مشورہ سے خلیفۂ اموی عبد الملک کا متعین کردہ نصاب ہے۔

طلوعِ اسلام

مجلہ "الازہر" کے رجب کے پرچہ میں ہم تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ اسلام سے پہلے عرب میں کون کون سے اوزان، سکے اور پیمانے رائج اور مستعمل تھے۔ وہاں ہم یہ بھی بتا چکے ہیں کہ یہ تمام اوزان، سکے اور پیمانے مختلف حکومتوں مصر، شام اور ایران کے بنائے ہوئے تھے۔ عرب کی حکومتوں نے انھیں نہیں بنایا تھا۔ اسلام آیا تو اس نے عربوں کے لئے ان کے استعمال کو برقرار رکھا جیسا کہ اس نے ہر قوم کے لئے اس کے عرف کو برقرار رکھا تھا۔ لیکن یہ برقراری قطعاً نہیں تھی بلکہ صرف لوگوں کے باہمی معاملات تک ہی محدود تھی۔

جہاں تک حقوق اللہ کا تعلق ہے۔ مثلاً نصاب ہائے زکوٰۃ، دیات، کفارات تو شارع نے ان کی وصولی کے لئے پیمانوں میں اہلِ مدینہ کے عرف کو اور نقود و اوزان میں اہلِ مکہ کے عرف کو معیار تسلیم کیا ہے۔

ہم نے اس سلسلہ میں کلام کرتے ہوئے گرام کے وزن کو بنیاد قرار دیا ہے جو آج تمام دنیا میں معروف ہے۔ گرام جو صاف پانی کے مکعب سنٹیمیٹر کے وزن کے مساوی ہو۔ تاکہ ان شرعی اندازوں کو جس وزن یا جس سکہ یا جس پیمانہ میں سہولت کے ساتھ منتقل کیا جا سکے خواہ وہ کسی حکومت کا بھی کیوں نہ ہو کیونکہ پانی کا وزن اور حجم کسی زمانہ اور کسی مقام پر مختلف نہیں ہوتا برخلاف گیہوں، جو، مسور یا رائی کے دانوں کے کہ وہ نہ صحیح طور پر وزن کو محفوظ کر سکتے ہیں نہ وزن کو۔

اب ہم ان اوزان، سکوں اور پیمانوں کو بیان کریں گے جو رسول اللہ صلعم کی حیاتِ طیبہ اور خلفائے راشدین کے عہدِ خلافت میں معاملاتِ شرعیہ کے اندازوں کے لئے اختیار کئے جاتے تھے اور امیر المؤمنین عمر بن خطاب اور امیر معاویہ اور عبد الملک کے عہدِ خلافت میں جو کمی بیشی کی گئی اور جس پر آئمہ اربعہ کی رائے قائم ہو گئی اور جس پر آج تک یعنی ۱۳۷۴ھ تک برابر عمل ہوتا آ رہا ہے۔

محدثین، مورخین اور فقہاء کی تمام روایتیں اس امر پر متفق ہیں کہ چاندی کا نصاب جس میں زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے ان مشہور ترین درہموں سے شمار کر کے پورا کیا جائیگا جو نبوت کے عہد میں اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں زیادہ تر مستعمل تھے۔ ساتھ ہی تمام روایات اس امر پر بھی متفق ہیں کہ اس عہد میں مشہور ترین درہمی سکے دو قسم کے تھے، ایک چھوٹا درہم ہوتا تھا (جس کا وزن چار دانق ہوا کرتا تھا) اور دوسرا بڑا درہم تھا (جس کا وزن آٹھ دانق ہوا کرتا تھا) اگرچہ بعض روایتوں میں ایک تیسری قسم کا درہم بھی بیان ہوا ہے جس کا وزن چھ دانق ہوتا تھا۔ مگر یہ کوئی بڑا اختلاف نہیں کیونکہ چھ دانق والا درہم دونوں گذشتہ درہموں کے درمیانی وزن کا درہم ہے اور گذشتہ دونوں درہم سے زیادہ شہرت رکھتا ہے۔

اس کے بعد جن امور میں روایات واقعی طور پر مختلف ہوگئی ہیں وہ امور یہ ہیں۔

(۱) نصابِ زکوٰۃ (یعنی دو سو درہم) کیا صرف چھوٹے درہم سے کیا جاتا تھا۔ یا محض بڑے درہم سے شمار کیا جاتا تھا اور کیا اس کا انحصار زکوٰۃ وصول کنندگان کی صوابدید پر ہوا کرتا تھا؟

(۲) یا دونوں قسم کے درہموں سے شمار کی جاتی تھی کہ آدھے چھوٹے درہم شمار کئے جاتے ہوں اور آدھے بڑے درہم۔ یا تینوں قسم کے درہموں سے شمار کی جاتی تھی کہ ایک تہائی چھوٹے درہم اور ایک تہائی درمیانی درہم اور ایک تہائی بڑے درہم شمار کر لئے جاتے ہوں۔

ان سوالات کا جواب (جس کے علاوہ کوئی دوسرا جواب صحیح بھی نہیں ہو سکتا) یہ ہے کہ روایات میں دونوں طریقے موجود ہیں کہ وہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے آخری عہد تک معمول بہا تھے اور اس کا انحصار وصول کنندگان کی صوابدید پر ہوا کرتا تھا۔ کسی صحیح روایت سے یہ ثابت نہیں ہے کہ ان دراہم میں سے کوئی سا ایک درہم حملِ زکوٰۃ میں مخصوص تھا تا آنکہ حضرت عمرؓ نے اپنے آخری عہد میں صرف دوسرے طریقہ پر عمل کرنے کو متعین کر دیا جس کا حاصل یہ ہے حضرت عمرؓ نے درمیانی درہم کو نصابِ زکوٰۃ یعنی دو سو درہم کو شمار کرنے کا معیار قرار دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زکوٰۃ کے درہم کا وزن حضرت عمرؓ کی آخری خلافت اور حضرت عثمانؓ کی تمام مدتِ خلافت میں چھ دانق یعنی (۲٫۸۳۲ گرام) تھا۔ جیسا کہ روایات اور مختلف عجائب خانوں کے پرانے قدیم سکوں کے دیکھنے سے ہوتا ہے۔ یہ وزن ہم نے اسلئے متعین کیا ہے کہ روایات میں دانق سے مراد پرانا رومانی دانق ہے جس کا وزن (۰٫۴۷۲ گرام) ہوتا تھا اس بنا پر ان تینوں درہم کا وزن حسبِ ذیل ہوتا تھا۔

۸ × ۴۷۲	۳٫۷۷۶ گرام
۴ × ۰٫۴۷۲	۱٫۸۸۸ گرام
۶ × ۰٫۴۷۲	۲٫۸۳۲ گرام

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہ انھوں نے زکوٰۃ کی وصولی کے لئے ان تینوں مروجہ درہموں میں سے درمیانی وزن کے درہم کو عملی یکسانیت پیدا کرنے کے لئے معیار قرار دیدیا تھا۔ یعنی آخری درہم کو جو چھ دانق کا ہوا کرتا تھا رسول اللہ صلعم نے اپنی زندگی میں اسکی تعیین وصول کنندگانِ زکوٰۃ کی صوابدید پر چھوڑ رکھی تھی لہٰذا یہ تصرف رسول اللہ صلعم کے طرزِ عمل کے خلاف نہیں کہا جا سکتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے صدقات کے مطلق امر کو ایک متعین صورت میں منحصر کر دیا۔

آئندہ نقشہ سے اسکی وضاحت ہوجاتی ہے کہ زمانۂ تشریع میں مشہور ترین درہمی سکے کونسے تھے جو شرعی معاملات کا اندازہ کرنے کے لئے اختیار کئے جاتے ہوں۔ ایسے ہی وہ وحدتیں کون کونسی تھیں جن سے یہ سکے مرکب ہوتے تھے۔ اس نقشہ میں ہم نے خلفائے راشدین کے آخری عہد تک کے سکوں کے اوزان دئیے ہیں۔ اور سب سکوں کے اوزان گرام کے مطابق دئیے گئے ہیں۔

سکے جاتی مشہور درہم اوزان کی وحدتیں جو آخری عہد خلفائے راشدین تک عربوں میں رائج تھیں

سکوں کے نام اور اوزان	گرام میں وزن	نسبتی: جبہ عبری قدیم	جبہ رومانی قدیم	جبہ عبری جدید	قیراط رومانی قدیم	قیراط رومانی جدید	دانق رومانی قدیم	درہم طبری عتیق	درہم طبری نیرونی	بغلی درہم صغیر
درہم بغلی صغیر	۳٫۷۷۶	۸۵ ۱/۳	۸۰	۶۴	۲۰	۱۹٫۲	۸	۲	۱ ۱/۳	۱
درہم طبری نیرونی	۲٫۸۳۲	۶۴	۶۰	۴۸	۱۵	۱۴٫۴	۶	۱ ۱/۲	۱	
درہم طبری عتیق	۱٫۸۸۸	۴۲ ۲/۳	۴۰	۳۲	۱۰	۹٫۶	۴	۱		
دانق رومانی قدیم	۰٫۴۷۲	۱۰ ۲/۳	۱۰	۸	۲ ۱/۲	۲٫۴	۱			
قیراط رومانی جدید	۰٫۱۹۷	۴ ۴/۹	۴ ۱/۶	۳ ۱/۳	۱ ۱/۲۴	۱				
قیراط رومانی قدیم	۰٫۱۸۸۸	۴ ۴/۱۰	۴	۳ ۱/۵	۱					
جبہ عبری جدید	۰٫۰۵۹	۱ ۱/۳	۱ ۱/۴	۱						
جبہ رومانی قدیم	۰٫۰۴۷۲	۱ ۱/۱۵	۱							
جبہ عبری قدیم	۰٫۰۴۴۲۵	۱								

پھر امیر معاویہؓ کے عہد خلافت میں زیاد نے ان کو مشورہ دیا کہ درہم کے وزن میں زیادتی کر دی جائے چنانچہ اس نے درہم میں (۰٫۰۸۵ گرام) تک زیادتی کر دی۔ زیاد کا مشورہ امیر معاویہؓ کو یہ بھی تھا کہ ایک درہم کو چھ دانق کا کر دیں اور ہر دانق (۰٫۴۹۲ گرام) کا کر دیا جائے۔ یہ نئے رومانی دانق کا وزن تھا۔ چنانچہ زیاد نے کوفہ میں ایک درہم بنوایا جو حضرت عمرؓ کے درہم کے ۲۵/۲۴ کی نسبت سے برابر تھا۔ چنانچہ اس کا وزن $\frac{۲٫۸۳۲ \times ۲۵}{۲۴}$ = ۲٫۹۵۰ گرام تھا۔

پھر عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں حجاج نے اسکو مشورہ دیا کہ زیاد کے عمل کو برقرار رکھو چنانچہ اس نے درہم کا وزن (۶ × ۰٫۴۹۲) = ۲٫۹۵۲ گرام قرار دیا جبکہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ۲٫۸۳۲ × ۲۰ = ۵۶٫۶۴ گرام ہوتا تھا۔ اور امیر معاویہؓ کے زمانہ میں ۲٫۸۵ × ۲۰ = ۵۷٫۰ گرام تھا۔

پھر عبدالملک نے سختی کے ساتھ یہ حکم نافذ کر دیا کہ لوگ باہمی معاملات میں اسی وزن کی پیروی کریں جو اس نے مقرر کر دیا ہے اور پورے اموی اور عباسی دور خلافت میں برابر اس کے مطابق عمل ہوتا رہا۔ چنانچہ فقہ کے چاروں اماموں نے بھی اسی سے اتفاق کیا اور اسی کے مطابق آج تک عمل ہوتا چلا آرہا ہے۔

سب سے اہم ترین چیز جو ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہئیے یہ ہے کہ اوزان کی وہ وحدتیں جو عربوں میں خلفائے راشدین کے آخری زمانہ تک رائج اور مستعمل تھیں وہ قدیم رومی نظام کی وحدتیں تھیں لیکن بنو امیہ نے اپنے دور میں جن وحدتوں کو استعمال کیا ہے۔ وہ رومی جدید اور رومی قدیم دونوں وحدتوں کے اختلاط سے پیدا ہوئی تھیں نیز ان وحدتوں سے پیدا ہوئی تھیں جنہیں انہوں نے نظام جدید سے حاصل کیا تھا۔ مندرجہ ذیل دونوں نقشوں سے یہ بات ذہن نشین ہو سکے گی۔

(رومی نظام قدیم)

اوزان اور سکوں کے نام	گرام میں وزن	جبہ میں وزن
مثقال دینار	۴٫۷۲ — ۴٫۲۴۸	۱۰۰ — ۹۰
درہم بغلی، درہم طبری	۳٫۷۷۶ — ۲٫۸۳۲	۸۰ — ۶۰
درہم عتیق، دانق	۱٫۸۸۸ — ۰٫۴۷۲	۴۰ — ۱۰
قیراط، جبہ	۰٫۱۸۸۸ — ۰٫۰۴۷۲	۴

(نظام بنو امیہ)

اوزان اور سکوں کے نام	گرام میں وزن	جبہ میں وزن
مثقال و دینار، درہم عبدالملک	۴٫۲۴۸، ۲٫۹۵۲	۸۵ ۵/۷، ۶۰
دانق زیاد، قیراط عبدالملک	۰٫۴۹۲، ۰٫۲۱۱	۱۰، ۵ ۵/۷
قیراط رومانی جدید	۰٫۱۹۶۷	۴
جبہ رومانی جدید	۰٫۰۴۹۲	۱

چنانچہ امیر معاویہؓ کے عہد میں زیاد نے زکوٰۃ کیلئے ایک درہم بنالیا تھا جو رومی جدید نظام کے تحت بنایا گیا تھا کیونکہ اس کا ایک حبّہ (۰٫۰۴۹۲ گرام) کے مساوی تھا۔ زیاد نے اس سے (۶۰ حبہ) کا درہم بنایا، جیسا کہ حضرت عمرؓ کا مشہور درہم رومی قدیم حبہ کے وزن سے (۶۰ حبہ) کا ہوتا تھا۔ لیکن امیر معاویہؓ نے زیاد کی بات نہیں مانی۔ لیکن حجاج نے اس مشورہ سے عبدالملک کو مطمئن کر دیا۔ چنانچہ ان دونوں نے اسکو نافذ کر دیا۔ جیسا کہ زکوٰۃ کا دینار نبوت اور خلفائے راشدین کے عہد میں (۴٫۲۵ گرام) تھا مگر ان دونوں نے اسکو کم کر کے (۴٫۲۲ گرام) کر دیا تھا پھر اسکو دس قیراط میں انھوں نے تقسیم کر دیا اور ہر قیراط (۰٫۴۲۱ گرام) کا کر دیا۔ پھر اس دینار کے وزن کو سکوں کے وزن کا معیار قرار دیدیا۔ چنانچہ اسے دونوں ناموں سے پکارتے تھے۔ اسے مثقال بھی کہتے تھے اور دینار بھی کہتے تھے۔ اسی طرح بنو امیہ کا نظام سکہ رومانی قسطنطینی قاعدہ کے بالکل مطابق ہو گیا (یعنی دس درہم، سات مثقال کے برابر ہو گئے) یہ دونوں یعنی مثقال و درہم جو حجاج نے بنائے اس رطل کیلئے وحدت بھی تھے جو بعد میں رطل بغدادی کے نام سے مشہور ہوا۔ چونکہ اس مثقال کا وزن (۴٫۲۵ گرام) تھا تو درہم کا وزن اسی کے مطابق (۲٫۹۷۱ گرام) تھا مگر یہ دونوں درہم اور مثقال وزن اور ناپ کے لئے۔ سکہ کی حیثیت سے مستعمل نہیں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سکہ کی حیثیت سے یہ دونوں کبھی نہیں بنائے گئے۔

پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سونے کے نصاب پر دو اندازے جاری رہے ہیں (پہلا اندازہ) تو یہ تھا کہ اس کا وزن زمانۂ نبوت اور عہد خلفائے راشدین میں (۲۰ × ۴٫۲۵ = ۸۵ گرام) تھا۔ (دوسرا اندازہ) یہ تھا کہ اس کا وزن زکوٰۃ کے درہم کو کم کر دینے کے بعد (۲۰ × ۴٫۲۲ = ۸۴٫۴ گرام) ہو گیا۔ یہ اندازہ عبدالملک کے عہد سے لیکر تمام بعد کے خلفاء کے عہد میں رہا اور اسی کو ائمۂ اربعہ نے تسلیم کر لیا۔

لیکن چاندی کے نصاب میں مختلف ادوار میں چار اندازے جاری رہے۔

پہلا اندازہ زمانۂ نبوت اور عہد خلافت ابوبکرؓ اور ابتداء عہد خلافت عمرؓ وصول کنندگان زکوٰۃ کو اختیار رہتا تھا کہ وہ دونوں طریقوں پر زکوٰۃ کا نصاب شمار کر سکتے ہیں۔ (پہلا طریقہ) ان کو یہ بھی اختیار تھا کہ وہ تمام دو سو کے دو سو درہم تینوں مشہور

اُردو ادب میں عظیم نفسیاتی کتابوں کا اضافہ

آپ بھی خوش رہیئے مصنفہ برٹرینڈ رسل مترجمہ شفیع الدین

آج کی دنیا اضطراب و بےچینی کی دنیا ہے۔ ہم طرح طرح کی ذہنی، روحانی اور تخیلاتی اذیتوں کا شکار ہیں۔

برٹرینڈ رسل نے ان نفسیاتی بیماریوں اور کمزوریوں کا تجزیہ کرتے ہوئے ان کا علاج تجویز کیا ہے جس پر عمل کرنے سے ہم ان ذہنی بیماریوں سے نجات حاصل کر کے صحت مند تخیل اور خوشی کے جذبات و احساسات سے اپنے دل و دماغ کو لبریز کر سکتے ہیں۔

جب ہمارا دل و دماغ خوشی و مسرت کے جذبات سے معمور ہوگا۔ تو یاس و قنوطیت، افسردگی و پژمردگی اور رنج و الم جس کے پہاڑوں تلے ہم برسوں سے سسک رہے ہیں۔ روئی کے گالوں کی طرح اڑتے ہوئے نظر آئیں گے۔ اور ہمارے چاروں طرف مسرت و شادمانی اور کامیابی و کامرانی رقص کرتی ہوئی نظر آئیگی

صفحات ۳۰۶ مجلد۔ رنگین گردپوش۔ قیمت پانچ روپیہ

سوچئے اور دولت کمائیے مصنفہ نپولین ہل۔ مترجمہ غوث صدیقی ایم۔ اے

یہ کتاب مشہور ماہر نفسیات نپولین ہل کا وہ شاہکار ہے جس نے لاکھوں انسانوں کی ناکام زندگی اور عزت و افلاس کو کامیاب زندگی اور دولت و امارت سے بدل دیا۔

یہ کتاب نہایت قیمتی معلومات کا خزانہ ہے۔ اور اس کے مطالعہ سے انسانی ذہن میں ایک ایسی قوت پیدا ہوتی ہے جو مایوسی اور تاریکی کے جذبات کو ہمیشہ کے لئے ختم کر کے ترقی کی راہیں کھولتی ہے۔ ہر وہ انسان جو اپنی افلاس کی زندگی سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہو اس کے لئے یہ کتاب شمع راہ کا کام دیگی

صفحات ۴۰۰ مجلد۔ رنگین گردپوش قیمت پانچ روپیہ آٹھ آنے

نفیس اکیڈمی، بلاسس اسٹریٹ کراچی

درہموں میں سے کسی ایک درہم سے شمار کریں (ملاحظہ ہو نقشہ — دوسرا طریقہ) ان کو یہ بھی اختیار تھا کہ تیسرے درہم کو (یعنی نقشہ میں درہم ۳ کو) نصاب کے شمار کرنے میں معیار قرار دیں۔ یعنی اس طریقہ پر نصاب شمار کریں کہ وہ ہمیشہ (۵۶۶٫۴ گرام) کے وزن کے برابر ہو۔ یعنی پہلی قسم کے درہم سے نصاب شمار کریں تو (۱۵۰ درہم) شمار کریں اور دوسری قسم کے درہم سے (۳۰۰ درہم) شمار کریں اور تیسری قسم کے درہم سے (۲۰۰ درہم) شمار کریں۔

تینوں درہموں سے نصابوں کا نقشہ

نمبر	عدد دراہم نصاب	درہم کا وزن گرام میں	نصاب کا وزن گرام میں
۱	۲۰۰	۳٫۷۷۶	۷۵۵٫۲
۲	۲۰۰	۱٫۸۸۸	۳۷۷٫۶
۳	۲۰۰	۲٫۸۳۲	۵۶۶٫۴

دوسرا اندازہ چاندی کے نصاب کے لئے دوسرا اندازہ حضرت عمرؓ کی آخری خلافت کے زمانہ میں ہوا جبکہ انھوں نے یہ حکم دیدیا کہ زکوٰۃ کی وصولیابی میں صرف دوسری ہی صورت پر عمل کیا جائے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ تیسرا درہم جس کا وزن (۲٫۸۳۲ گرام) تھا وہ زیادہ تر مستعمل تھا اور اس کا وزن بھی اول اور دوم نمبر کے درہموں کے درمیان تھا یعنی مختلف روایات کے مطابق (۳٫۷۷۶ × ۱٫۸۸۸) / ۲ = ۲٫۸۳۲ گرام تھا۔

یا ۳٫۷۷۶ × ۱٫۸۸۸ = ۱٫۸۳۲ = ۲٫۸۳۲ گرام تھا حضرت عمرؓ نے حل میں یکسانیت پیدا کرنے کی خاطر نصاب زکوٰۃ اور باقی تمام شرعی معاملات کے لئے اسی تیسرے نمبر کے درہم کو معیار قرار دیدیا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تیسرے نمبر کا درہم کا نام ہی درہم عمر پڑ گیا۔

تیسرا اندازہ امیر معاویہ کی خلافت میں جب یہ درہم زیاد کے مشورہ سے (۲٫۸۵ گرام) تک بڑھ گیا جس کی تفصیل پہلے آچکی ہے تو نصاب یوں ہو گیا۔

(۲۰۰ × ۲٫۸۵ = ۵۷۰ گرام)

چوتھا اندازہ عبدالملک کے دور خلافت میں بھی جبکہ درہم (۲٫۹۵۴ گرام) تک بڑھ گیا تو نصاب یوں ہو گیا ——

(۲۰۰ × ۲٫۹۵۴ = ۵۹۰٫۸ گرام)

پھر اسی درہم کے مطابق دونوں دور حکومتوں یعنی اموی دور حکومت اور عباسی دور حکومت میں عمل جاری رہا اور ائمہ اربعہ نے بھی اسی سے اتفاق کر لیا اور اس کا وزن شرعی درہم کا وزن آج تک یعنی سنہ ۱۳۷۴ھ تک برقرار چلا جا رہا ہے۔

اس کے بعد موصوف نے مصر کے مروجہ سکوں اور اوزان سے ان اوزان کی تطبیق دیکر بتایا ہے کہ آج کے مصری سکوں میں ان تبدیلیوں کے مطابق زکوٰۃ کی شرح نصاب کیا ہوگی۔ یہ حصہ چونکہ باشندگان پاکستان کے لئے کچھ زیادہ مفید نہیں تھا اسلئے ہم اسے حذف کر دیتے ہیں۔

امریکہ میں اسلامیات

(صلا سے آگے)

موجود ہوں۔ چار پانچ سے زیادہ نہ پڑھ سکیں گے۔ لیکن یہاں کے سینکڑوں کالج اپنے ہاں یقیناً ایسے شعبے کھول دیں گے جن میں مسلمانوں کی تاریخ، عمرانیات یا سیاسیات میں مطالعہ اور ریسرچ کے مواقع موجود ہوں۔

طلوع اسلام پروفیسر ہٹی کے مندرجہ بالا مضمون سے یہ حقیقت آپ کے سامنے آچکی ہے کہ امریکہ نے پہلی بار گذشتہ جنگ عظیم میں اس ضرورت کو محسوس کیا کہ مسلمانوں سے روابط بڑھانے کے لئے ضروری ہے کہ امریکہ میں ایسے ادارے اور درسگاہیں قائم کی جائیں جن میں اسلامیات اور عربی زبان کے مطالعہ اور تحقیقات کے اسباب و ذرائع اس فراوانی سے موجود ہوں کہ اسلامی ممالک کے طالب علم اور اسکالر کشاں کشاں اس کی طرف کھینچ کر آجائیں۔ وہ وہاں رہ کر تعلیم بھی حاصل کریں اور ریسرچ بھی کریں۔ اور اس کے بعد پھر اپنے ممالک میں جائیں اور اس طرح یہ چیز امریکہ اور مسلمانوں کے ممالک میں ایک محکم رابطہ کا ذریعہ بن جائے۔ جہاں تک علوم و فنون کے مطالعہ اور تحقیقات کے لئے سہولتیں بہم پہونچانے کا تعلق ہے اور جو قوم اور جو ملک بھی اس باب میں کوئی قدم اٹھائے وہ درخور ہزار تحسین ہے۔ لیکن پروفیسر ہٹی نے جو کہا ہے کہ امریکہ میں اسلامیات کا مطالعہ غیر جانبدارانہ انداز سے کرایا جاتا ہے۔ یہ دعوے محل نظر ہے۔ وہ وہاں اس قسم کے اسلام کی ریسرچ کراتے ہیں جو اسلام ان کے مفید مطلب ہوتا ہے۔ پروفیسر ہٹی نے کینیڈا کی میک گل یونیورسٹی کا ذکر خاص طور پر کیا ہے اس یونیورسٹی میں اسلامیات سے متعلق ایک بہت بڑا ادارہ ہے اور یہ ادارہ امریکہ بھر میں سب سے زیادہ مشہور اور ممتاز ہے۔ کچھ سال اُدھر کا ذکر ہے کہ اس ادارہ کے نگران پروفیسر اسمتھ، اس مقصد کے لئے مختلف اسلامی ممالک کی سیاحت کے لئے نکلے کہ یہاں سے اچھے اچھے ریسرچ اسکالرز کو اپنی یونیورسٹی میں آنے کی دعوت دیں۔ ضمناً، پروفیسر اسمتھ وہی ہیں جو ایک عرصہ پہلے لاہور کے مشن کالج میں پڑھاتے تھے اور انھوں نے اس زمانہ میں اسلام پر ایک کتاب بھی لکھی تھی پروفیسر اسمتھ نے مختلف ممالک کے جن اسکالرز کی فہرست مرتب کر رکھی تھی ان میں محترم پرویز صاحب کا نام بھی تھا۔ چنانچہ وہ انھیں خاص طور پر ملنے کے لئے کراچی آئے اور ایک تفصیلی ملاقات میں اپنا مقصد بتایا پرویز صاحب نے اسلام کے اس تصور کو ان کے سامنے پیش کیا جو انھوں نے قرآن سے اخذ کیا ہے۔ پروفیسر اسمتھ اسے خاموشی اور حیرت کے ساتھ سنتے رہے۔ اس سے گہری دلچسپی کا اظہار بھی کیا۔ کئی ایک مقامات پر کچھ نوٹ بھی کیا لیکن اس کے بعد انھوں نے دبی زبان سے کہا کہ اس قسم کے انقلابی اسلام کی ریسرچ ہمارے ادارہ کے لئے موزوں نہیں رہے گی۔ چنانچہ اس کے برعکس یہ معلوم ہوا ہے کہ اس ادارہ میں جماعت اسلامی کا لٹریچر موجود ہے اور اگر ہماری اطلاع درست ہے، تو کسی صاحب کو لٹریچر ریسرچ کرنے کے لئے متعین بھی کیا گیا ہے۔

ہم نے یہ واقعہ اس حقیقت کی وضاحت کے لئے درج کیا ہے کہ مغربی ممالک۔ خواہ وہ یورپ ہو یا امریکہ اسلامیات کی طرف خالص علمی نقطہ نگاہ سے توجہ نہیں کر رہے ہیں۔ یورپ کے سامنے بھی اپنے سیاسی مقاصد تھے اسی طرح امریکہ کے پیش نظر بھی اپنے سیاسی مصالح ہیں اور ان کے حصول کے لئے وہ مختلف ذرائع اختیار کرتے ہیں۔ ہمیں کیا حق ہے کہ ہم ان سے کہیں کہ وہ اپنے روپیہ سے صحیح اسلام کی ریسرچ کے اسباب و ذرائع بہم پہونچائیں۔ یہ کام تو مسلمانوں کا ہے کہ وہ اپنوں اور بیگانوں، سب تک صحیح اسلام پہنچائیں۔ لیکن۔ ہمارا خیال ہے کہ جب "مسلمانوں" کا نام آگیا ہے تو اس گفتگو کو ختم کر دینا ہی بہتر ہے۔ مسلمانوں کو صحیح اسلام سے کیا دلچسپی!!

ماہنامہ طلوع اسلام کے

پرانے پرچے

ماہنامہ طلوع اسلام کے جو پرانے پرچے دفتر میں موجود ہیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۹۴۹ء	اگست، ستمبر، نومبر، دسمبر
۱۹۵۱ء	مئی تا نومبر
۱۹۵۲ء	اگست، تا نومبر
۱۹۵۳ء	جنوری کے علاوہ سب
۱۹۵۴ء	پورے سال کے

یہ پرچے بزم ہائے طلوع اسلام کو چوتھائی قیمت پر اور دیگر اصحاب کو آدھی قیمت پر دیدیے جائیں گے۔
خواہشمند حضرات اپنی فرمائشیں جلد بھیجیں۔ ورنہ پرچے ختم ہو جانے کا احتمال ہے۔

ناظم ادارۂ طلوع اسلام — کراچی

نقد و نظر

ازدواجی زندگی کیلئے اہم قانونی تجاویز

از مولانا محمد جعفر شاہ صاحب ندوی پھلواروی۔ شائع کردہ ادارۂ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور۔ ضخامت ۱۱۶ صفحات۔ قیمت پندرہ آنے۔

زیر نظر پمفلٹ مولانا جعفر شاہ صاحب پھلواری ندوی رکن ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور کا ایک مقالہ ہے۔ یہ مقالہ ماہنامہ ثقافت (از جنوری تا اپریل ۱۹۵۵ء) میں شائع ہو چکا ہے جسے بعد میں مؤلف کی نظر ثانی کے بعد ایک پمفلٹ کی صورت میں شائع کیا گیا ہے۔

زیر نظر مقالہ عائلی اور ازدواجی زندگی سے متعلق بعض اہم اصلاحی تجاویز پر مشتمل ہے اور بحیثیت مجموعی قانون داں اور قانون ساز نیز معیشتی اصلاح کا کام کرنے والے اداروں کی گہری توجہ کا مستحق ہے۔ موصوف نے اپنے مقالہ میں قرآن حدیث اور فقہ کو اپنا ماخذ قرار دیا ہے۔ جہاں تک قرآن کا تعلق ہے۔ اس میں بعض باتیں محل نظر ہیں۔ مثلاً کمسنی کی شادیوں پر بحث کرتے ہوئے موصوف نے لکھا ہے کہ

> اس میں شک نہیں کہ مہر میں سے غریب باپ اپنی ضروریات کے لئے کچھ لے سکتا ہے اور کیوں نہ لے جبکہ وہ اسی کی بیٹی ہے جس کی پرورش پر وہ بہت کچھ خرچ کر چکا ہے (ص ۲۵)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ موصوف نے بیٹی کے مہر میں سے باپ کو اپنی ضروریات کے لئے کچھ لینے کا جو جواز بتایا ہے وہ لڑکی کے اپنی مرضی سے دینے کی صورت میں ہے یا اس کی اجازت اور مرضی کے بغیر لے لینے کی صورت میں ہے۔ پہلی صورت تو قطعاً کوئی اہمیت نہیں رکھتی کیونکہ لڑکی اگر اپنی مرضی سے پورا مہر بھی اپنے باپ یا کسی دوسرے آدمی کو دیدے تو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر دوسری صورت مراد ہے تو یہ ہمارے نزدیک جائز نہیں۔ کیونکہ قرآن (بلکہ ہمارا خیال ہے کہ حدیث اور فقہ) کی رو سے مہر محض بیوی کا حق ہوتا ہے۔ اس کے باپ کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہوتا اور کوئی باپ اپنی بیٹی کی مرضی کے خلاف اس میں سے ایک حبہ لینے کا بھی حقدار نہیں ہے۔ یہ دلیل کہ باپ نے بیٹی کو پالا ہے۔ اس لئے اسے اس کے مہر میں سے اس کی پرورش کا خرچ لے لینا چاہیئے، بڑی ہی کمزور دلیل ہے۔ یا مثلاً کمسنی کی شادی کے نقصانات و مضرات پر بحث کرتے ہوئے قرآن کریم سے اس نتیجہ پر پہنچ جانے کے بعد کہ شادی کی عمر قرآن کریم نے سن رشد ہی قرار دی ہے۔ موصوف کا یہ فرمانا

> ہاں خاص خاص حالات ایسے بھی ہو سکتے ہیں جہاں سن رشد سے پہلے بھی ازدواج کی اجازت دیدی جائے۔ اگر عدالت (یعنی مجسٹریٹ یا تحصیلدار یا جو بھی اس کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے) کے سامنے معقول وجوہ بیان کر دی جائیں۔ اور اسے یقین آ جائے کہ اس رشتہ میں کوئی (EXPLOITATION) نہیں اور زوجین سن شعور تک پہونچنے کے بعد بھی اس فیصلہ پر قائم رہیں گے۔ اور حسن معاشرت سے کام لیں گے۔ تو ہماری رائے یہ ہے کہ اس کی اجازت دیدی جانی چاہیئے۔ (ص ۲۷)

ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ خاص خاص حالات کیا ہو سکتے ہیں جن کی بنا پر کسی لڑکے یا لڑکی کی صغرسنی میں شادی کر دینا ضروری ہو جائے۔ نیز وہ کون سے ذرائع ہو سکتے ہیں جن سے کوئی مجسٹریٹ وغیرہ یہ تعین کر لینے میں حق بجانب ہو کہ زوجین سن شعور تک پہونچنے کے بعد بھی اس فیصلہ پر قائم رہیں گے اور حسن معاشرت سے کام لیں گے۔ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ اب تک کوئی ایسی مشین بھی ایجاد نہیں ہو سکی جو یقین کے ساتھ یہ بتا سکے کہ سن شعور میں پہنچنے کے بعد شادی کرنے والا جوڑا آئندہ بھی اس فیصلہ پر قائم رہے گا۔ اور حسن معاشرت سے کام لے گا۔ اگر ایسا ہو سکتا تو آئے دن باہمی زوجین کے نزاعات اور طلاقوں کی بھرمار کبھی کی بند ہو گئی ہوتی۔ اسی سلسلہ میں ذرا آگے چل کر موصوف نے لکھا ہے کہ

> پہلے شبہ کا جواب یہ ہے کہ اسلام میں صغرسنی کی شادی کی نہ کوئی ممانعت ہے نہ حکم۔ قرآن اس بارے میں خاموش ہے۔ لہذا یہ فعل مرتبۂ جواز و اباحت میں آتا ہے۔ الخ (ص ۲۷-۲۸)

ہمیں اس ٹکڑے سے قطعاً اختلاف ہے۔ جہاں تک ہم نے قرآن پر غور کیا ہے۔ قرآن کریم صغرسنی کی شادی کی اجازت نہیں دیتا۔ وہ ایک طرف شادی کی عمر کا تعین کرتے ہوئے بتا دیتا ہے کہ وہ سن رشد ہے۔ دوسری طرف وہ شادی کو طرفین کی پسندیدگی پر چھوڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ پسندیدگی اور ناپسندیدگی سن بلوغ بلکہ سن رشد کے بعد ہی کی معتبر ہو سکتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی جہاں وہ ہنگامی حالات میں ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت دیتا ہے۔ وہاں صراحت سے بتا دیتا ہے

> فانکحوا ما طاب لکم من النساء
>
> جو عورتیں تمہیں پسند ہوں، ان سے نکاح کر لو

اس میں النساء کے لفظ سے صراحت کے ساتھ یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ نکاح انہی سے ہو سکتا ہے جنہیں النساء کہا جا سکتا ہو۔ عربی میں کمسن بچیوں کو النساء نہیں کہتے بلکہ بالغ عورتوں ہی کو کہتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ اس آیت میں النساء کی تصریح سے مقصد ہی یہ ہے کہ صغرسنی کی شادیوں کی جڑ کٹ جائے۔ ورنہ من النساء کہنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی منھن کی ضمیر سے بھی کام چل سکتا تھا۔ نیز قرآن نے نکاح کو ایک معاہدہ قرار دیا ہے۔ اور معاہدہ بلوغت کے بعد ہی قابل قبول پا سکتا ہے۔ ان قرآنی تصریحات کے باوجود موصوف کا یہ فرمانا کہ "قرآن اس بارے میں خاموش ہے لہذا یہ فعل مرتبۂ جواز و اباحت میں آتا ہے"، کم از کم ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔

اس کے بعد طلاق کے سلسلہ میں متعدد تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ ان تمام تجاویز کے بجائے اگر صرف ایک تجویز رکھدی جاتی کہ طلاق دینے کا حق افراد کو نہیں ہونا چاہیئے بلکہ عدالت کو ہونا چاہیئے تو وہ قرآن سے زیادہ قریب ہوتی۔ قرآن کریم نے طلاق کے سلسلہ میں عموماً جمع کے صیغے استعمال کرکے معاشرہ کو مخاطب کیا ہے۔ نہ کہ فرد کو۔ اس کے علاوہ اس میں اور تصریحات بھی ایسی ہیں جن سے ظاہر ہے کہ یہ معاملہ معاشرے کے طے کرنے کا ہے نہ کہ فرد کا محض از خود۔ لہذا ہم یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن کی رُو سے یہ حق معاشرہ کی کسی ہیئت انتظامیہ کو ہونا چاہیئے کہ جب وہ دیکھے کہ زوجین میں نباہ کی کوئی صورت ممکن نہیں رہی تو طلاق واقع کر دے۔ اس ایک تجویز سے ان تمام مفاسد کی جڑ کٹ جاتی ہے جو ہمارے معاشرے کو گندہ کئے ہوئے ہیں۔ علاوہ ازیں ایسا نظر آتا ہے کہ محترم مؤلف کے ذہن میں ایک سے زیادہ طلاقوں کی قرآنی صورت بھی صاف طور پر نہیں ہے۔ چنانچہ وہ طلاق سہ گانہ بیک مجلس کی بحث میں الجھ گئے ہیں جہاں تک ہمیں بصیرت کا تعلق ہے قرآنی طلاقوں کی صورت، ایک مجلس یا دو مجلسوں سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ وہ پوری عائلی زندگی میں تین مرتبہ طلاق تک نوبت پہنچ جانے سے تعلق رکھتی ہے۔ یعنی ایک مرتبہ طلاق دیدی اور رجوع یا نکاح ثانی کر لیا گیا۔ پھر عرصے کے بعد دوسری بار طلاق دیدی گئی اور رجوع یا نکاح ثانی کر لیا گیا۔ ایسے ہی ایک عرصہ کے بعد پھر تیسری مرتبہ طلاق دیدی گئی تو اب رجوع یا نکاح نہیں ہو سکے گا۔

اس کے بعد تعدد ازدواج کے مسئلہ پر قرآنی نقطۂ نگاہ سے سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور موصوف نے اسی رائے کو اپنایا ہے کہ قرآن کریم نے تعدد ازدواج کی اجازت صرف ہنگامی حالات میں ہی دی ہے۔ عام حالات میں اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ لیکن آخر میں موصوف نے قانونی تجاویز پیش کرتے ہوئے یہ بھی لکھدیا ہے کہ

> ہمارے خیال میں تعدد ازدواج کی اجازت کو مندرجہ ذیل قانونی شرائط سے وابستہ کر دینا چاہیئے۔
>
> (۱) شادی کے سات سال (یا جو مناسب مدت سمجھی جائے) بعد تک باوجود علاج معالجے کے اولاد نہ ہو۔ یا وہ ایسی مریضہ ہو جو علاج معالجہ کے باوجود حقوق زوجیت ادا کرنے سے قاصر ہو۔
>
> (۲) شوہر کے پاس اتنی کافی مالیت ہو کہ وہ دوسری بیوی اور اس کی اولاد کی تمام ضروریات زندگی کی بحسن وخوبی کفالت کر سکتا ہو اور پہلی بیوی اور اولاد کی ضروریات کی کفالت میں کوئی کوتاہی نہ ہو۔

(۴) پہلی بیوی بخوشی اس کی اجازت دے یا دوسری شادی کے اسباب عدالت کے نزدیک قابل قبول ہوں۔

یعنی ان شرائط کے ساتھ موصوف کا خیال ہے کہ مردوں کو ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کی اجازت دی جا سکتی ہے۔ لیکن ان شرائط کے ساتھ ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کی اجازت کے متعلق قرآن میں ہمیں کوئی اشارہ ملتا نہیں قرآن صرف ہنگامی حالات میں ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت دیتا ہے اور بس۔ قرآن تو ایک طرف، ہمیں تو احادیث رسول میں بھی ایسی کوئی چیز نظر نہیں آتی جس سے سمجھا جائے کہ ان شرائط کے ساتھ ایک سے زیادہ شادیاں کر لینے کی اجازت ہو سکتی ہے۔ رسول اللہ صلعم نے نو شادیاں کی تھیں مگر آپ نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ میں فلاں شادی اس لئے کر رہا ہوں کہ پچھلی بیویوں سے کوئی اولاد نہیں ہو رہی ہے۔ یا میرے پاس اتنا مال ہے کہ میں ہونے والی بیوی یا اس کی اولاد کی بسہولت کفالت کر سکتا ہوں۔ اور پچھلی بیویوں کی کفالت پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ یا پچھلی بیویوں نے مجھے بخوشی ایسا کرنے کی اجازت دیدی ہے۔ نہ ہی آپ نے اپنے صحابہ میں سے کسی کو ان شرائط کی ہدایت فرمائی ہے اس لئے ہم نہیں سمجھ سکے کہ موصوف نے ان شرائط کے ساتھ نکاح ثانی کا جواز کیسے درست قرار دیا ہے۔ ہمارے نزدیک تعدد ازدواج کی اجازت انہی ہنگامی حالات میں ہو سکتی ہے جن کا ذکر قرآن کریم نے خود کر دیا ہے کہ جنگ یا کسی اور وجہ سے معاشرہ میں یتیم اور بیوہ عورتوں کی اس قدر کثرت ہو جائے کہ معاشرہ ان کی پرورش اور تربیت کا انتظام مناسب اور معقول (بالقسط) طریقہ پر نہ کر سکے۔ اس کے علاوہ کوئی دوسری صورت ایسی نہیں جس میں قرآن تعدد ازدواج کی اجازت دیتا ہے رسول اللہ صلعم اور صحابہ کے عہد میں اس قسم کے ہنگامی حالات موجود تھے۔ اور اس بنیاد پر ان حضرات نے ایک سے زیادہ شادیاں کیں۔ اب اگر کسی وقت اس قسم کے ہنگامی حالات پیدا ہو جائیں تو ملت کی ہیئت انتظامیہ کو یہ حق ہوگا کہ وہ ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کی اجازت دے دے۔ لیکن عام حالات میں کسی شرط کے ساتھ بھی تعدد ازدواج کی اجازت دینا ہمارے نزدیک قرآن کے خلاف ہے۔

بہر حال اس قسم کے چند مقامات ہیں جہاں ہمیں محترم مصنف سے اختلاف ہے۔ اگر ان مقامات کی اصلاح کر دی جائے تو ہمارے نزدیک موصوف کی پیش کردہ قانونی تجاویز عمدہ نتائج کی حامل ہو سکتی ہیں اور ان سے امید کی جا سکتی ہے کہ ہماری عائلی زندگی جہنم بننے سے بچ جائے۔

ہمیں محترم جعفر شاہ صاحب کی تحریروں میں یہ بات نظر آتی ہے کہ ان کی فکر کا رخ تو صحیح سمت کی طرف ہوتا ہے لیکن قرآن کی دو ٹوک بات کہنے میں کوئی بات ان کی عنان گیر ہو جاتی ہے۔ خدا کرے کہ وہ اس کشمکش سے جلدی نکل جائیں اور قرآن کی بات دو ٹوک کہنے کے قابل ہو جائیں کہ یہی دین قیم ہے۔

مطبوعات طلوع اسلام

معراج انسانیت — از پرویز۔ سیرت صاحب قرآن علیہ التحیۃ والسلام کو قرآن کے آئینے میں دیکھنے کی پہلی اور کامیاب کوشش۔ مذاہب عالم کی تاریخ اور تہذیبی پس منظر کے ساتھ ساتھ حضور سرور کائنات کی سیرت اور دین کے متنوع گوشے نکھر کر سامنے آگئے ہیں۔ بڑے سائز کے قریباً نو سو صفحات۔ اعلیٰ ولایتی گلیزڈ کاغذ مضبوط و حسین جلد بعہ گرد پوش ——— قیمت۔ بیس روپے

ابلیس و آدم — از پرویز۔ سلسلہ معارف القرآن کی دوسری جلد جسے نظر ثانی کے بعد شائع کیا گیا ہے۔ انسانی تخلیق قصۂ آدم۔ ابلیس۔ جنات۔ ملائکہ۔ وحی وغیرہ جیسے اہم مباحث کی حامل۔ بڑی تقطیع کے ۴۰۰ صفحات ——— قیمت ——— آٹھ روپے

قرآنی دستور پاکستان — اس میں پاکستان کے لئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ہے۔ اور حکومت علماء اور اسلامی جماعت کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ہے۔ دو سو بیس صفحات ——— قیمت دو روپے آٹھ آنے

اسلامی نظام — اسلامی مملکت کے بنیادی اصول کیا ہیں۔ اور اسلامی نظام کیسے قائم ہو سکتا ہے؟ اس کے جواب میں پرویز اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات۔ جنہوں نے فکر و نظر کی نئی راہیں کھول دی ہیں۔ ۱۰۰ صفحات ——— قیمت ——— دو روپے

سلیم کے نام — از پرویز۔ نوجوانوں کے دل میں اسلام سے متعلق جو شکوک پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا شگفتہ، مدلل اور اچھوتا جواب۔ بڑے سائز کے ۴۰۸ صفحات ——— قیمت چھ روپے

قرآنی فیصلے — روزمرہ کی زندگی کے ساٹھ اہم مسائل و معاملات پر قرآن کی روشنی میں بحث۔ ۴۰۰ صفحات قیمت ——— چار روپے

اسباب زوال امت — از پرویز۔ مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہمارا مرض کیا ہے اور علاج کیا؟ ایک سو اڑتالیس صفحات ——— قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

جشن نامے — ایسے عنوانات جنہیں پڑھ کر ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی ہو اور آنکھوں میں آنسو۔ طنز اور تنقید کے گہرے نشتر سات سالہ دور آزادی کی سسکتی ہوئی تاریخ۔ ۱۵۶ صفحات ——— قیمت دو روپے آٹھ آنے

مزاج شناس رسول — کون بتائے کہ صحیح احادیث کونسی ہیں اور غلط کونسی؟ مزاج شناس رسول! مزاج شناس کون ہے؟ اس کی تفصیل اس کتاب میں ملے گی۔ ۴۴۸ صفحات۔ قیمت ——— چار روپے

مقام حدیث — حدیث کے متعلق تمام اہم سوالات کے تفصیلی جواب۔ احادیث کے متعلق اتنی معلومات کسی جگہ یکجا نہیں ملیں گی۔ دو جلدیں ہر جلد کے تقریباً چار سو صفحات اور قیمت فی جلد ——— چار روپے

فردوس گم گشتہ — از پرویز۔ ان مضامین کا مجموعہ جنہوں نے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہ کا زاویہ بدل دیا۔ خالص ادبی نقطہ نگاہ سے اردو لٹریچر کی بلند پایہ تصنیف۔ ۴۰۰ صفحات ——— قیمت چھ روپے

نوادرات — از علامہ اسلم جیراجپوری۔ علامہ موصوف کے مضامین کا نادر مجموعہ۔ چار سو صفحات ——— قیمت چار روپے

اسلامی معاشرت — از پرویز۔ مسلمان کے عادات و اخلاق کا خاکہ۔ رہنے سہنے کے ڈھنگ۔ سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر اسلوب قرآنی آئینہ میں۔ صفحات ۱۹۲ ——— قیمت دو روپے

نظام ربوبیت — از پرویز۔ انسان کے معاشی مسائل کا قرآنی حل اور ذاتی ملکیت کا قرآنی تصور دور حاضر کی عظیم کتاب۔ ضخامت تین سو صفحے۔ قیمت قسم اول ——— چھ روپے قسم دوم ——— (غیر مجلد) ——— چار روپے

اقبال اور قرآن — از پرویز۔ علامہ اقبال کے قرآنی پیغام سے متعلق، محترم پرویز صاحب کے انقلاب آفریں مقالات کا مجموعہ۔ ڈسٹ کور کے ساتھ۔ صفحات ۲۵۶ قیمت دو روپے

تمام کتابیں مجلد ہیں اور گرد پوش سے آراستہ۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ:- ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳ - کراچی

حقائق و عبر

ابلہ فریبیاں

جیسا کہ ہم اس سے پہلے کئی بار لکھ چکے ہیں، بدقسمتی سے ہمارے ہاں "اقامت دین" کے علمبرداروں کا انداز یہ ہے کہ اپنے مقصد کے حصول کے لئے جھوٹ بولا جائے۔ مغالطہ دیا جائے۔ مبہم الفاظ استعمال کئے جائیں۔ مختلف حربوں سے فضا میں اس قسم کے اثرات پیدا کئے جائیں۔ جس سے لوگوں کو معلوم ہو کہ دین، علم، فکر، اسلام کا درد، ملت کی بہبود، سب سمٹ سمٹا کر انہی حضرات کے دل و دماغ میں آ چکے ہیں، اور ان سے باہر جتنے لوگ بستے ہیں، وہ جاہل ہیں اور بے ایمان بھی۔ فکر و شعور سے عاری بھی ہیں اور بددیانت بھی۔ اس کی تازہ مثال ہمیں جماعت اسلامی کے امیر سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کی اس تقریر میں ملتی ہے جو انہوں نے حال ہی میں کراچی میں وکلاء کے سامنے ارشاد فرمائی۔ اس اجتماع کے متعلق بھی باہر کی دنیا کو ایسا انداز دیا گیا گویا یہ کراچی کی بار ایسوسی ایشن کی طرف سے اجتماع ہوا تھا۔ حالانکہ ہماری معلومات کے مطابق یہ صرف ایک نجی سا اجتماع تھا جس میں زیادہ تر انہی کے مداحین لکھے ہوئے تھے۔ اپنی تقریر میں انہوں نے سب سے پہلے گورنر جنرل کی طرف دا فرمایا (ضمناً چونکہ مودودی صاحب کی گرفتاری وغیرہ غلام محمد صاحب کے زمانہ میں ہوئی تھی۔ اس لئے یہ اور ان کی جماعت اُس وقت سے اس وقت تک ان کے پیچھے لٹھ لئے پھرتی ہے) چنانچہ مودودی صاحب نے فرمایا کہ

> اگر ساری قوم مل کر بھی کوئی دستور بنائے تو وہ نافذ نہیں ہو سکتا جب تک ایک بیرونی ملک کی ملکہ کا نمائندہ اس کی منظوری نہ دے ......
>
> گویا ہماری قسمت منحصر ہو گئی ہے ایک شخص واحد کے اشارہ چشم و ابرو پر اور وہ شخص بہرحال ایک غیر ملک کا نمائندہ ہے۔ اس ملک کا جس نے آٹھ سال پہلے خود ہمیں آزادی دی تھی۔ اب آٹھ سال کے بعد ہم نے خود اس سے درخواست کی ہے کہ ہم آزادی کے قابل نہیں ہیں۔ ہم آپ کی رہنمائی کے محتاج ہیں اور ہم ان ہدایات پر چلیں گے جو آپ کا نمائندہ ہو گا۔
>
> (جنگ - ۳۰ر اگست ۱۹۵۵ء)

یعنی مودودی صاحب نے اس حقیقت کبریٰ کا انکشاف فرمایا کہ پاکستان کا گورنر جنرل انگلستان کی ملکہ کا نمائندہ ہے۔ ہم پاکستان کے ارباب سیاست سے پوچھتے ہیں کہ کیا گورنر جنرل کی واقعی یہی پوزیشن ہے؟ اس میں شبہ نہیں کہ جب تک ہمارا اپنا کانسٹی ٹیوشن نہیں بن جاتا۔ گورنر جنرل کے تقرر کے لئے انگلستان کے بادشاہ یا ملکہ سے استصواب ضروری ہے۔ لیکن اس سے وہ انگلستان یا وہاں کی ملکہ کا نمائندہ کس طرح بن گیا؟ اس کا انتخاب اسی ملک میں ہوتا ہے۔ اس ملک کے نمائندے اس کی تعیناتی کی سفارش کرتے ہیں۔ انگلستان کے حاکم اعلیٰ کی منظوری محض ایک رسم (FORMALITY) کے طریق پر حاصل کی جاتی ہے۔ نہ اسے وہاں سے کوئی ہدایات ملتی ہیں جنہیں وہ یہاں نافذ کرتا ہے نہ ہی وہ یہاں اُس ملک کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہی پوزیشن آٹھ سال پہلے تھی۔ اور یہی پوزیشن آج ہے۔ اب لوگوں سے یہ کہنا کہ پاکستان کا گورنر جنرل انگلستان کی ملکہ کا نمائندہ بن گیا ہے اور یہ اس سے ہدایات لے کر یہاں نافذ کرتا ہے۔ یا تو انتہائی جہالت کا مظاہرہ ہے یا پھر دانستہ بددیانتی کا۔

(۲) آگے چل کر انہوں نے فرمایا کہ

> ملک میں دستور صرف وہی کامیاب ہو سکتا ہے جو زیادہ سے زیادہ لوگوں کی مرضی اور تمناؤں کے مطابق ہو۔

جیسا کہ ہم اس سے پہلے بھی کئی بار بتا چکے ہیں۔ تحریک پاکستان کے زمانہ میں جب مودودی صاحب سے کہا جاتا کہ پاکستان کا مطالبہ ملک کے زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کی مرضی اور تمناؤں کا مظہر ہے۔ اس لئے اس مطالبہ کی مخالفت نہیں کرنی چاہیئے۔ تو یہ ایک نہایت استغفار آمیز ہنسی سے فرمایا کرتے کہ مسلمانوں کی اکثریت تو بھیڑوں کی اکثریت ہے ان میں سے فی ہزار ۹۹۹ مسلمان ہیں نہ کوئی اپنی رائے رکھتے ہیں لہذا ان کی بات کا وزن کیا؟ لیکن اب یہ اٹھتے بیٹھتے دہرائے چلے جا رہے ہیں کہ صحیح اسلامی دستور وہی ہو گا جو انہی مسلمانوں کی اکثریت کی مرضی اور تمناؤں کا مظہر ہو۔

اسے بھی چھوڑیئے۔ دیکھنا یہ ہے کہ پاکستان کی اکثریت کی مرضی اور تمنا ماپنے کا پیمانہ کیا ہے۔ جمہوری انداز حکومت کے معنی ہوتے ہیں لوگوں کی منشاء کے مطابق حکومت۔ سوال یہ ہے کہ لوگوں کی منشاء (WILL OF THE PEOPLE) کو معلوم کیسے کیا جائے؟ جمہوریت پسندوں نے اس مقصد کے لئے ایک مشینری وضع کی ہے۔ جس سے یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ اکثریت کیا چاہتی ہے۔ وہ مشینری یہ ہے کہ ملک کے باشندے اپنے نمائندے چنتے ہیں۔ نمائندے ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اور ان کی اکثریت جو فیصلہ کرتی ہے اس کے متعلق یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ وہ ملک کی اکثریت کا فیصلہ ہے۔ اس مشینری کے مطابق پاکستان میں ملک کے نمائندوں کا انتخاب ہوا (یہ الگ بات ہے کہ اس انتخاب میں بدعنوانیاں ہوئیں یا نہیں) یہ منتخب شدہ نمائندے صوبوں کی اسمبلیوں میں اور مرکز کی مجلس دستور ساز میں جمع ہیں۔ آئین جمہوریت کی رو سے ان نمائندوں کی اکثریت جو فیصلہ کرے گی اسے ملک میں بسنے والوں کی اکثریت کا فیصلہ تسلیم کیا جائے گا۔ جمہوری انداز حکومت میں اکثریت کی مرضی معلوم کرنے کا یہی طریقہ ہے۔

لیکن مودودی صاحب کا کہنا ہے کہ ملک کے نمائندوں کی اکثریت جو فیصلہ کرے گی اسے ملک کے بسنے والوں کی مرضی تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ ان کی مرضی معلوم کرنا چاہتے ہو تو مجھ سے پوچھو۔ یعنی اگر آپ یہ معلوم کرنا چاہیں کہ اگر رسول اللہؐ زندہ ہوتے تو فلاں معاملہ میں آپ کیا فیصلہ فرماتے؟ تو آپ مودودی صاحب سے پوچھیں۔ اور اگر آپ یہ جاننا چاہیں کہ پاکستان کے آٹھ کروڑ باشندوں کی مرضی کیا ہے تو اس کے لئے بھی مودودی صاحب سے پوچھیں۔ اس سے اگلا قدم یہ ہے کہ اگر آپ یہ معلوم کرنا چاہیں کہ خود اللہ میاں کی مرضی کیا ہے تو آپ یہ بھی انہی سے پوچھیں۔

(۳) آپ فرماتے ہیں کہ ملک کی اکثریت کی مرضی یہ ہے کہ یہاں اسلامی آئین نافذ ہو۔ ہم ان سے پوچھتے یہ ہیں کہ کیا مجلس دستور ساز کے ممبروں میں سے کسی نے آج تک یہ بھی کہا ہے کہ ہمارا دستور اسلامی نہیں ہونا چاہیئے بلکہ غیر اسلامی ہونا چاہیئے؟ جب وہ بھی یہی کہتے ہیں تو پھر آپ کے اس شور و غوغا کا مفہوم کیا ہے کہ ملک میں اسلامی دستور ہونا چاہیئے۔ اب سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ اسلامی دستور کہتے کسے ہیں؟ سو اس کے متعلق نہ آج تک آپ نے کوئی وضاحت کی ہے اور نہ ان لوگوں نے۔ آپ زیادہ سے زیادہ یہ کہتے ہیں کہ

> قرآن و سنت کو سرچشمۂ ہدایت اور اولین ماخذ قانون تسلیم کیا جائے اور قرآن و سنت کے خلاف ہر قسم کی قانون سازی ممنوع ہو۔

ان مطالبات کے متعلق پوزیشن یہ ہے کہ ان میں سے پہلی چیز قرارداد مقاصد کے اندر موجود ہے۔ اور دوسری چیز بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی رپورٹ میں موجود تھی جو انہوں نے سابقہ اسمبلی کے سامنے پیش کی تھی۔ اس کے بعد آپ سوچیئے کہ وہ کونسی نئی چیز ہے جس کا مطالبہ مودودی صاحب فرما رہے ہیں۔ ان کی طرف سے زیادہ سے زیادہ یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے۔ کہ اس رپورٹ میں یہ کہا گیا تھا کہ مالی معاملات کو ۲۵ سال تک نئے آئین سے مستثنیٰ رکھا جائے۔ اس کے متعلق خود مودودی صاحب اپنی تقریر میں فرماتے ہیں کہ

> میں یہ نہیں کہتا کہ جونہی اسلامی دستور نافذ ہو تمام مالی معاملات پر اس کا اطلاق ہو جائے۔ ہم خوب سمجھتے ہیں کہ اس قسم کا کام یک لخت نہیں کیا جا سکتا۔

یہ بعینہٖ وہی چیز ہے جس کی سفارش اس رپورٹ میں کی گئی تھی اس فرق کے ساتھ کہ اس میں ۲۵ سال کی مدت کا تعین کر دیا گیا تھا اور مودودی صاحب نے اسے (حسب عادت) بلاتعین چھوڑ دیا ہے۔ اس کی بابت ان کی تجویز یہ ہے کہ ایک کمیشن مقرر کر دیا جائے۔ اور اس کی رپورٹ کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے۔ کمیشن مقرر کرنے کی تجویز بھی اس رپورٹ میں موجود تھی۔ اس فرق کے ساتھ کہ رپورٹ میں ۲۵ سال کے بعد کمیشن مقرر کرنے کی تجویز تھی۔ اور مودودی صاحب ساتھ کے ساتھ کمیشن مقرر کرنے کی تجویز پیش کرتے ہیں۔ آپ سوچیے کہ یہ کونسا اتنا بڑا فرق ہے جس کی بنا پر یہ شور مچایا جائے کہ اسلامی

دستور کے داعی ہیں ہیں۔ یہ لوگ اسلامی دستور نہیں چاہتے اور پھر یہ بھی سوچئے کہ فرض کیجئے مودودی صاحب کے تجویز کے مطابق متعین کردہ کمیشن یہ فیصلہ دے دے کہ مالی معاملات کو ۵۰ سال تک اسلامی آئین سے مستثنےٰ رکھا جائے تو کیا یہ چیز اسلام کے مطابق ہو جائے گی؟

(۲) آپ نے غور فرمایا کہ اس تقریر میں بھی اہل ملک کو کس طرح مغالطے دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ یعنی لوگوں سے کہا گیا ہے کہ یہ گورنر جنرل انگریزوں کا نمائندہ ہے۔ ان سے ہدایات حاصل کرتا ہے۔ ملک کی آبادی کا تقاضا اسلامی دستور کا نفاذ ہے۔ لیکن ارباب لبست وکشاد اور مجلس قانون ساز کے اراکین اس کے خلاف ہیں اور صرف ہماری جماعت ہے جو اسلامی آئین کے نفاذ کے لئے جدوجہد کر رہی ہے اس لئے

"یہ نہایت ضروری ہے کہ ہم پورے شعور کے ساتھ پورے اتحاد اور عزم کے ساتھ اس کی کوشش کریں اور دستور ساز اسمبلی پر پوری قوت سے اس مقصد کے لئے دباؤ ڈالیں":

سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب اسمبلی کے اراکین خود یہ کہتے ہیں کہ ملک کا دستور اسلامی دستور ہونا چاہیئے تو پھر ملک کے باشندوں کو اکسانا کہ تم ان پر دباؤ ڈالو، کیا معنی رکھتا ہے۔ اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ اسلامی دستور صرف وہی ہوگا جسے مودودی صاحب اسلامی قرار دیدیں۔ ملک کو اس بات کے لئے دباؤ ڈالنا چاہیئے کہ مودودی صاحب کے منشار کے مطابق آئین بنایا جائے گورنر جنرل ہو یا مجلس دستور ساز۔ لیڈر ہوں یا حکومت کے ارکان۔ ہمیں ان میں سے نہ کسی کی وکالت مقصود ہے نہ حمایت۔ ان میں سے جو بھی صحیح راستے سے ہٹے ہم سب سے پہلے اس کے مخالف ہیں۔ زیر نظر تجزیہ سے ہمیں یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ لوگ جو اپنے مفاد کی خاطر ملک میں انتشار پیدا کر رہے ہیں لوگوں کو کس طرح فریب دیتے ہیں۔ اس باب میں ہمیں مودودی صاحب پر چنداں افسوس نہیں۔ جہاں تک آئینی معاملات کے سمجھنے کا تعلق ہے وہ ان کے بس کی بات نہیں۔ اس کے لئے تعلیم کی ضرورت ہوتی ہے ان کے سامنے اپنے چند مفاد ہیں جن کے لئے وہ ہر قسم کے حربے استعمال کرتے ہیں۔ افسوس اس بات کا ہے کہ وہ اس قسم کی باتیں ملک کے لکھے پڑھے طبقہ کے سامنے کرتے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی اٹھ کر یہ نہیں کہتا کہ آپ ایسے اہم معاملات میں ذرا سوچ سمجھ کر بات کیجئے۔ ان کی مذکورہ بالا تقریر وکلا کے طبقے کے سامنے ہوئی۔ ہم ان کے ان مخاطبین سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ آپ کے نمائندے نے مودودی صاحب کا خیر مقدم کرتے ہوئے جو یہ فرمایا کہ

"مولانا موصوف اس عہد کے ایک بہت بڑے مفکر اور اس ملک کے ایک بہت بڑے رہنما ہیں":

تو کیا آپ نے اتنا بھی نہیں سوچا کہ ملک کا سنجیدہ طبقہ خود آپ کے متعلق کیا رائے قائم کرے گا؟ اللہ حافظ ہے اس قوم کا جس میں اس قسم کے مفکر ہوں اور ان مفکرین کے اس قسم کے ستائش گر۔

وزیبے چنیں شہریارے چناں

پاکستانی سکھ

جب حکومت ہند نے ۱۹۳۳ء میں ملازمتوں میں فرقہ وارانہ تناسب کے احکام جاری کئے تو ان کی رُو سے سکھوں کے لئے الگ آسامیاں مخصوص کر دی گئیں تھیں لیکن جب ان احکام کو عمل میں لایا گیا تو سکھوں کے متعلق ایک عجیب دشواری پیش آئی۔ اگر حکومت کسی آسامی پر گوردوارہ پربندھک کمیٹی کے کسی طرفدار سکھ کو متعین کرتی تو اکالی دل والوں کی طرف سے اعتراض ہوجاتا کہ وہ شخص اصلی سکھ نہیں مجاپانی ہے اور اگر کسی آسامی پر اکالی دل کے طرف دار سکھ کی تعیناتی ہو جاتی تو پربندھک کمیٹی والے اعتراض کر دیتے کہ وہ اصلی سکھ نہیں۔ نباسپتی ہے۔ حکومت کو اس میں بڑی دشواری پیش آتی۔ اسمبلی میں اکثر سوالات ہوتے کہ سکھوں کے لئے مخصوص اسامیوں پر کس کس امیدوار کی تعیناتی ہوئی ہے اور جب ان کی فہرست پیش ہوتی۔ تو ان میں سے بعض کے متعلق سکھوں کی ایک پارٹی کہہ دیتی کہ وہ سکھ نہیں اور بعض کے متعلق دوسری پارٹی اعتراض کر دیتی۔ پانچ چھ برس تک حکومت ان کا منہ تکتی رہی لیکن بالآخر تنگ آکر اس نے سکھوں کی ان تمام پارٹیوں سے کہا کہ وہ مہربانی کر کے سر جوڑ کر بیٹھیں اور متفقہ طور پر حکومت کو بتا دیں کہ سکھ کسے کہتے ہیں اور اس کے جانچنے کا معیار کیا ہے کہ فلاں امیدوار سکھ ہے یا نہیں۔ اس پر سکھ مطمئن ہو گئے۔ لیکن ۱۹۴۷ء تک وہ کوئی ایسا متفقہ فارمولا وضع نہیں کرسکے جو سکھ کو پہچاننے کے لئے کسوٹی کا کام دے۔ اس کے بعد غالباً وہاں کی حکومت نے فرقہ وارانہ تناسب ہی کو ختم کر دیا۔ جس کی وجہ سے سکھوں کو اس گتھی کو سلجھانے سے خود بخود نجات مل گئی۔

ہم سمجھتے تھے کہ اس قسم کی باتیں سکھوں ہی سے مخصوص تھیں اور پاکستان میں اب سکھ نہیں رہے۔ لیکن معلوم ہوا کہ یہاں بھی سکھ موجود ہیں۔ اور انہیں بھی اس قسم کے مسائل پریشان کر رہے ہیں۔ اس کی تازہ نظیر گورنر جنرل میجر جنرل اسکندر مرزا کی تعیناتی ہے۔ ان کے متعلق متحدہ محاذ کے لیڈر مولوی فضل الحق صاحب نے ببانگ دہل (یعنی ریڈیو پر) اعلان کیا کہ وہ بنگالی ہیں اور خالص بنگالی۔ اور بنگالی بھی معمولی درجہ کے نہیں بلکہ ان کی رگوں میں شاہی خون دوڑ رہا ہے (یعنی وہ کشمیری بازار لاہور کے تاجران کتب کی اصطلاح میں اصلی تے وڈھی ہیر وارث شاہ کے کینڈے کے بنگالی ہیں) لوگوں کو اطمینان ہو گیا کہ اتنی بڑی سند کے بعد اب گورنر جنرل کے بنگالی ہونے میں کیسے شبہ ہو سکتا ہے۔ لیکن اب کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی کی دوسری بنگالی پارٹی کے ایک ممتاز لیڈر (یعنی عوامی لیگ کے سکریٹری شیخ مجیب الرحمن صاحب کی طرف سے اعلان ہوا ہے کہ میجر جنرل اسکندر مرزا صاحب بنگالی نہیں ہیں اگر وہ بنگالی ہوتے تو ہم مطمئن ہو جاتے۔

ان دونوں پارٹیوں کی طرف سے اعلانات کی ضرورت اس لئے پڑی کہ کنونیشن یہ ہے کہ اگر گورنر جنرل بنگالی ہو تو وزیر اعظم مغربی پاکستان کا باشندہ ہونا چاہیئے۔ اور اگر گورنر جنرل مغربی پاکستان کا ہو تو وزیر اعظم کو بنگالی ہونا چاہیئے۔ مولوی فضل الحق صاحب اس کیبنٹ کے وزیر ہیں جس کے وزیر اعظم (چودھری محمد علی صاحب) مغربی پاکستان کے رہنے والے ہیں اس کے لئے ضروری تھا کہ میجر جنرل اسکندر مرزا کو بنگالی ثابت کیا جائے۔ دوسری طرف عوامی لیگ کا مطالبہ یہ تھا کہ سہروردی صاحب کو وزیر اعظم بنایا جائے۔ اور یہ مطالبہ اس صورت میں حق بجانب قرار پا سکتا ہے کہ گورنر جنرل صاحب کو غیر بنگالی ثابت کیا جائے۔ لیکن عوامی لیگ والوں نے شاید اس پر غور نہیں کیا کہ اگر مولوی فضل الحق صاحب نے یہ کہہ دیا کہ مسٹر سہروردی کہاں کے بنگالی ہیں۔ تو اس کا جواب کیا ہوگا؟۔

اور مولوی فضل الحق صاحب اور عوامی لیگ والے، دونوں وہ ہیں جو اپنے ہر جلسہ کا آغاز قرآن کی تلاوت سے کرتے ہیں۔ پاکستان کا آئین قرآن وسنت کے مطابق بنانا چاہتے ہیں۔ اور یہاں اسلام کے اقدار کو نافذ کرنے کا درد اپنے سینہ میں لئے لئے پھرتے ہیں۔ اس اسلام کا درد جس کی رو سے بنگالی اور غیر بنگالی مسلمان کی تمیز زمانۂ جاہلیت کی یادگار لہٰذا کفر ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ پستی اور تضاد کی اس حد تک تو سکھ بھی کبھی نہیں پہنچے ہوں گے! لیکن اس میں عوامی لیگ اور متحدہ محاذ ہی کی خصوصیت نہیں۔ این خانہ ہمہ آفتاب است لیاقت علی خاں مرحوم نے پاکستان کی ملازمتوں میں صوبہ وارانہ تناسب کے اصول کو جاری کیا۔ اور اس طرح پاکستان کے مسلمانوں کو بنگالی، سندھی، پنجابی، بلوچی، سرحدی کی غیر اسلامی زنجیروں میں جکڑ دیا۔ یہی قانون خواجہ ناظم الدین کی وزارت میں بھی جاری رہا۔ محمد علی صاحب نے بھی اسے علیٰ حالہٖ رکھا اور اب تک اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ ان ہی بنیادوں پر اس کنونشن کی بھی عمارت اٹھی کہ وزیر اعظم اگر بنگالی ہو تو گورنر جنرل کو غیر بنگالی ہونا چاہیئے۔ اور اس کے باوجود لیاقت علیخاں مرحوم۔ خواجہ ناظم الدین۔ اور محمد علی صاحب سب اسلام کے جانثار اور پاکستان میں اسلامی آئیڈیالوجی کے علمبردار بنتے رہے اور تسلیم کئے جاتے رہے نہ ان میں سے کسی کے دل میں خیال آیا کہ ہم اسلام کا نام لے کر یہ غیر اسلامی تفریق کس طرح رائج کر رہے ہیں۔ اور نہ ہی اس قوم نے انہیں روکا اور ٹوکا کہ آپ یا اسلام کا نام نہ لیں اور اگر اسلام کا نام لیتے ہیں تو اس قسم کے غیر اسلامی امتیازات کو مٹائیے۔ چنانچہ ان ہی امتیازات کا نتیجہ ہے کہ اب یہ تفریق امٹ ہو چکی ہے۔ اور اس کی وجہ سے ملک پر جو تباہیاں آئی ہیں۔ وہ سب پر روشن ہیں۔ اور یہ لکیریں دلوں میں اس درجہ گہری جا چکی ہیں کہ ان کے مٹانے کے لئے اگر مغربی پاکستان کی وحدت کی تجویز کی جاتی ہے تو اس کی مخالفت بھی مسلمانوں ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔

امام شافعیؒ کی ڈاک

قاہرہ کے ایک ہفتہ وار عربی رسالہ المصور کے بیان کے مطابق مشہور فقیہہ اور شافعی مسلک کے بانی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نام روزانہ تقریباً پانچسو خطوط بذریعہ ڈاک

اور تقریباً ایک ہزار دستی امام مرحوم کے مزار شریف پر جو قاہرہ کے محلہ "ئی الامام" میں واقع ہے پہونچتے ہیں۔

ان خطوط کے ذریعہ لوگ مختلف شرعی مسائل اور زندگی کے دوسرے معاملات میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے فتاوی طلب کرنے کے علاوہ مختلف مرادیں بھی مانگتے ہیں۔ بعض خطوط کے بھیجنے والے خطوط میں لکھے ہوئے معاملات کی صحت کی تصدیق کے لئے اپنے نام کے ساتھ ساتھ دوسرے گواہوں کے دستخط اور انگوٹھے کے نشان بھی ثبت کر دیتے ہیں واضح رہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کو قریب بارہ سو برس کا عرصہ گذر چکا ہے۔

مزار شریف کے نگران شیخ علی حسن نے ان خطوط کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ حکومت اور علماء کا فرض ہے کہ وہ اس مصیبت سے انھیں نجات دلائیں۔

مرادیں مانگنا اور وہ بھی اہل حدیث کے اتنے بڑے امام کے مزار سے، اسے تو چھوڑیئے امام صاحب سے فتاوی طلب کرنے کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ امام صاحب زندہ ہیں یا ان کی وفات کو قریب بارہ سو برس ہونے کو آئے ہیں۔

یہ ہے ہماری قوم کی حالت!

کون سچا ہے؟

کراچی میں حال ہی میں، جمعیت اسلامی طلباء کے زیر اہتمام وائی ایم سی اے ہال میں ایک جلسہ ہوا جس میں مودودی صاحب نے تقریر فرمائی۔ جلسہ کے صدر مسٹر بروہی تھے۔ نوائے پاکستان کی رپورٹ کے مطابق صاحب صدر نے

> مولانا مودودی کو مشورہ دیا کہ وہ سیاست بازی کو چھوڑ کر طلباء اور نئی پود کی اخلاقی اصلاح کی طرف توجہ دیں…… نیز فرمایا کہ اگر پاکستان میں صرف چھ بلکہ تین آدمی بھی ایسے مل جائیں جنھیں ہم صحیح رنگ میں اسلام کا نمونہ قرار دے سکیں تو ہم انھیں مثال کے طور پر دوسرے مذہب والوں کے سامنے پیش کر سکتے ہیں۔ مگر یہاں تو اسلام پر صحیح رنگ میں عمل کرنے والے ملتے ہی نہیں۔ صرف باتیں ہی باتیں ہیں، عمل کچھ نہیں۔
>
> (نوائے پاکستان ۲۳ ستمبر ۵۵ء)

لیکن اسی جلسے کے متعلق جماعت اسلامی کے ترجمان تسنیم (بابت ۲۳ ستمبر ۵۵ء) میں جو رپورٹ شائع ہوئی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ

> مسٹر بروہی نے مولانا مودودی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ مولانا ایک عظیم اسکالر اور بلند پایہ مفکر ہیں اور میں اس تجزیے سے جو ابھی انھوں نے کیا ہے مکمل اتفاق رکھتا ہوں۔

ھند و استعماریت

(صفحہ ۵ سے آگے)

کو آزاد کرانے کے لئے پر امن تحریک چلائے۔ یقیناً پنڈت جی اس کی مخالفت نہیں کر سکتے۔

ہم اس سلسلہ میں اپنے ارباب حکومت سے ایک گذارش ضروری سمجھتے ہیں۔ طلوع اسلام کے صفحات پر متعدد مرتبہ دلائل و شواہد سے بتایا جا چکا ہے کہ ہندوستان کس طرح ہندو استعماریت کا علمبردار بنتا جا رہا ہے اور یہ استعماریت کس طرح دیگر اقوام کے علاوہ مسلمانوں کے لئے ایک عظیم الشان خطرہ ہے۔ مسلمانان ہندوستان کے ساتھ جو بہیمانہ سلوک روا رکھا گیا۔ جونا گڑھ، مانا ودر اور مانگرول کو جس طرح غصب کیا گیا، حیدر آباد پر جیسے یلغار کر دی گئی اور کشمیر کو جس انداز سے فوجی تسلط میں لیا گیا یہ سب اسی ایک نکتہ کی تفسیر تھیں۔ ان سب میں نشانہ مسلمان اور پاکستانی تھے۔ وہی در اصل ہندوؤں کے حقیقی دشمن ہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ پاکستان میں اس خطرے کو کسی قدر نہیں سمجھا گیا اور قائدین ہندوستان کے متعلق ایک طرح کی خوش فہمی میں مبتلا ہیں جس کا مظاہرہ آئے روز ہوتا رہتا ہے۔ اس کا تازہ اور انتہائی ضرر رساں مظاہرہ سابق وزیر اعظم اور راجہ غضنفر علی خاں کے بیانات ہیں۔ دونوں میں پنڈت نہرو کو یہ سرٹیفکیٹ دیا گیا ہے کہ وہ بین الاقوامی معاملات میں اصول اصواب پر پابند ہیں۔ یہ سرٹیفکیٹ دیتے وقت یہ بھلا دیا گیا کہ سات سال تک کشمیر میں پنڈت جی کا رویہ کیسا رہا ہے۔ آپ حقائق کے علی الرغم پنڈت جی سے یہ حسن ظن رکھتے ہیں تو شوق سے رکھئے لیکن اب قوم سے یہ توقع نہ کیجئے کہ وہ کشمیر کے بارے میں آپ کی پالیسی صاد کرتی رہے گی۔ اسے پنڈت نہرو نے راہ عمل سمجھا دی ہے۔ آپ خدا کے لئے اس کی راہ میں مزاحم نہ ہوں۔ آپ ایک طرف ہو جائیے اور اپنی کرسیوں کی خیر منائیے اور قوم کو یہ زندگی اور موت کا مسئلہ از خود حل کرنے دیجئے۔

مطبوعات طلوع اسلام کی شرائط ایجنسی

شرح کمیشن

معراج انسانیت — ۲۵ فی صدی۔ دیگر مطبوعات ۳۳ فی صدی

(۲) قیمت بعد وضع کمیشن بذریعہ وی پی وصول کی جائیگی۔ (۳) غیر فروخت شدہ کتب واپس نہیں لی جائیں گی۔ (۴) پہلی فرمائش پچاس روپے بعد وضع کمیشن سے کم کی نہیں ہونی چاہیئے۔ (۵) ہر آرڈر کے ہمراہ کم سے کم چوتھائی رقم پیشگی آنی چاہیئے۔ ورنہ تعمیل نہیں ہو سکے گی

نوٹ:۔ کراچی کے ایجنٹ صاحبان دفتر طلوع اسلام سے معاملہ طے کریں۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳، کراچی

ابلیس و آدم

سب سے پہلا انسان کس طرح معرض وجود میں آیا؟ آدم اور خلافت آدم کا مفہوم کیا ہے۔ابلیس کیا ہے اور آویزش ابلیس و آدم کیا؟ وحی کیا ہے اور وحی نے انسان کو کیا عطا کیا؟ ان سوالات کے قرآنی جوابات اس کتاب میں دیکھئے۔

صفحات ۳۷۶ قیمت آٹھ روپے

اقبال اور قرآن

اقبال نے قرآنی انقلاب کی آواز سے فضا کو معمور کیا۔
قرآن کیا۔کہتا ہے اور اقبال کا پیغام کیا ہے؟

ان کے جوابات مفسر قرآن اور ترجمان اقبال پرویز سے سنئے۔

ضخامت ۲۵۶ صفحات قیت دو روپے

تاریخ الامت

علامہ اسلم جیراجپوری مدظلہ کی تاریخ کی وہ بے مثل کتاب جو تقسیم سے پہلے بیشتر درسگاھوں میں بطور نصاب شامل تھی۔اب مولف کی اجازت سے طلوع اسلام نے اسے دوبارہ چھاپا ہے۔

قیمت حصہ اول (سیرت رسول اللہ صلعم) دو روپے۔

قیمت حصہ دوم (خلافت راشدہ) دو روپے آٹھ آنے۔

کتاب آٹھ حصوں پر مشتمل ہے۔باقی حصے عنقریب شائع ہو جائینگے۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔پوسٹ بکس نمبر ۱۳۱۳۷۔کراچی۔۳

دور حاضرہ کی عظیم کتاب

✡ نظام ربوبیت ✡

(از - پرویز)

ھاتھوں ھاتھ فروخت ہورھی ھے۔ اس میں بتایا گیا ھے کہ قرآن کی رو سے اس زمین پر انسان کے سب سے اہم سوال - یعنی

معاشی مسئلہ

کا حل کیا ھے۔ انسانی عقل اس کے حل سے کس طرح قاصر رہی ھے اور وحی خداوندی نے اسے کس خوبصورتی سے حل کردیا ھے رزق کے سر چشموں پر

ذاتی ملکیت

کیا نتائج پیدا کرتی ھے اور قرآن اس باب میں کیا کہتا ھے۔ چونکہ اس کتاب کی عام اشاعت مقصود ھے اس لئے اسے دو قسموں میں شائع کیا گیا ھے۔

قسم اول۔ کاغذ سفید کرنا فلی۔ جلد مضبوط مع گرد پوش چھ روپے۔

قسم دوم۔ کاغذ میکانیکل۔ صرف ڈسٹ کور کے ساتھ چار روپے۔

دونوں صورتوں میں محصول ڈاک الگ ھے۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۳۰۱۳ - کراچی-۳

Title Printed at Musid Art Press, Thathai Compound, Bunder Road, Karachi. Text at Jawed Press, McLeod Road, Karachi. Published by Khurshid Alam from Tolu-e-Islam Office, 23/1 Fowler Lines, Napier Barracks, Karachi. Editor: KHURSHID ALAM

نظام ربوبیت کا پیامبر

طلوع اسلام

جلد نمبر ۸ شمارہ ... | کراچی، ہفتہ ۱۰ ستمبر ۱۹۵۵ء | قیمت چھ آنہ ... سالانہ چندہ ...

۱۰ ستمبر سنہ ۱۹۵۵ء

قرآن کیا کہتا ہے؟

سارا لٹریچر میں بتایا جاتا ہے کہ اسلامی نظام میں افراد اس نظام سے ایک معاہدہ کرتے ہیں جس کی رو سے وہ نظام افراد معاشرہ کے لئے "جنت" کی ذمہ داری لیتا ہے۔ جہاں تک اس دنیا کی جنت کا تعلق ہے قرآن سب سے پہلے اس کا تعارف قصہ آدم کے ضمن میں کراتا ہے۔ (قصہ آدم کے صحیح مفہوم کے لئے کتاب "ابلیس و آدم" دیکھئے)۔ وہ کہتا ہے کہ "آدم اور اس کی بیوی، (مرد اور عورت دونوں) سے کہا گیا کہ تم اس جنت میں رہو سہو۔ وکلا منہا رغدا حیث شئتما (۲/۳۵) اور جہاں سے جی چاہے باافراغت کھاؤ۔ یعنی اس دنیا میں جنتی معاشرہ کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ہر فرد معاشرہ کے لئے خوراک کا انتظام باافراط ہوتا ہے اور ہر جگہ ہوتا ہے۔ اس میں کوئی فرد کہیں بھی ہو بھوکا نہیں رہ سکتا۔

اس سے ظاہر ہے کہ جس معاشرہ میں افراد معاشرہ کے باافراط کھانے پینے کا انتظام نہ ہو وہ معاشرہ جنتی معاشرہ نہیں کہلا سکتا اور نہ ہی اس نظام کو اسلامی نظام کہا جا سکتا ہے۔

[illegible]

اس شمارے میں

☆ ... اسلامی نظام ☆ ... ☆ ... کا مکالمہ ☆ ... ☆ ...
☆ ... ☆ اسلامی نظام میں مال کی حیثیت ☆ نقد و نظر ☆ ... طلوع اسلام ...

قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر

ہفتہ وار

طلوع اسلام

جلد ۸ | کراچی ، ہفتہ ۱۰ ستمبر سنہ ۱۹۵۵ء | نمبر ۳۲

بیچارہ اسلامی نظام Page 3

پارٹیوں کا وجود Page 6

سوڈان کا ہنگامہ Page 6

مشرق وسطیٰ کا دفاع Page 7

مجلس اقبال Page 9

عورت قرآن کا Page 10

اسلامی نظام میں مال کی حیثیت Page 11

نقد و نظر Page 16

بزم طلوع اسلام Page 15

سلیم کے نام خطوط

ان خطوط میں ملت کے اس نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کو مخاطب کیا گیا ھے جو مشرق و مغرب کے تصادم کے بعد ملوکیت کے وضع کردہ غلط مذھبی تصورات سے متنفر ھوتے ھوتے اسلام اور اسکے سرچشمۂ حیات قرآن ھی سے ھاتھ دھو چلا تھا۔ عقائد و نظریات جیسے خشک اور نازک مسائل پر اس عمدگی سے بحث کیگئی ھے کہ محسوس ھی نہیں ھوتا کہ ھم کسی خشک فلسفیانہ بحث کو پڑھ رھے ھیں۔ باتوں باتوں میں وہ دقیق اور معرکہ آرا مسائل حل کرکے رکھ دئے گئے ھیں جنھیں ضخیم مجلدات میں بھی حل نہیں کیا جاسکا تھا۔ یہ خطوط ملک کے گوشہ گوشہ سے خراج تحسین وصول کر چکے ھیں۔ قرآن کی روشنی اور محترم پرویز صاحب کا بصیرت افروز قلم۔ بڑا سائز ضخامت سوا چار سو صفحات۔ کتابت و طباعت دیدہ زیب کاغذ سفید گرد پوش مصور مشرق جناب چغتائی کے قلم کا حسین مرقعہ۔ قیمت چھ روپے علاوہ محصولڈاک۔

فردوس گم گشتہ

جناب پرویز کے ان مضامین کا مجموعہ جنھوں نے قوم کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاھوں کا زاویہ بدل دیا ھے۔ مفہوم کے علاوہ اگر خالص ادبی نقطۂ نگاہ سے بھی دیکھئے تو اردو زبان کی بہت کم کتابیں اس پایہ کی دکھائی دینگی۔

بڑا سائز۔ ضخامت قریب چار سو صفحات کتابت و طباعت دیدہ زیب کاغذ سفید جلد مضبوط۔ گرد پوش حسین۔ قیمت چھ روپے علاوہ محصولڈاک۔

اسباب زوال امت

مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ھے کہ ھمارا مرض کیا ھے اور علاج کیا۔

ضخامت ۱۵۰ صفحات قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے۔

اسلامی نظام

اسلامی مملکت کا بنیادی اصول کیا ھے اور اسلامی نظام کیسے قائم ھوسکتا ھے؟ اسکے جواب میں محترم پرویز صاحب اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات جنھوں نے فکر و نظر کی نئی راھیں کھولدی ھیں۔ قیمت دو روپے۔

اسلامی معاشرت

مسلمان کے عادات و اخلاق کا خاکہ، رھنے سہنے کا ڈھنگ۔ سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ھر اسلوب قرآنی آئینے میں۔

ضخامت ۱۹۲ صفحات قیمت دو روپے۔

قرآنی دستور

اس میں پاکستان کیلئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ھے اور حکومت، علماء اور اسلامی جماعت کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ھے۔

ضخامت دو سو چوبیس صفحات
قیمت دو روپے آٹھ آنے۔

قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر

ہفتہ وار

طلوعِ اسلام

نمبر ۳۲	کراچی ۔ ہفتہ ۱۰ ستمبر سنہ ۱۹۵۵ء	جلد ۸

بیچارہ اِسلامی نظام

آہ اس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالب
جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

"محمد رسول اللہ (صلعم) والذین معہ" نے اپنے مبارک و مسعود ہاتھوں سے اس صفحۂ ارض پر اسلامی نظام قائم کیا۔ اس کے بہت جلد بعد گاڑی ایک دوسری پٹری پر چل نکلی اور یہ نظام ملوکیت میں بدل گیا۔ پاکستان کے حصول سے مسلمانوں کی تاریخ میں پہلا موقعہ تھا کہ اس سرزمین پر اسلامی نظام قائم کیا جاتا۔ ذرا اس اہمیت پر غور کیجئے کہ قرنِ اول کے بعد مسلمانوں کی ساری تاریخ میں یہ پہلا موقعہ تھا کہ انھیں ایک ایسی سرزمین ملی جس میں یہ اس نظام کو از سرِ نو نافذ کر سکتے تھے لہٰذا آپ اندازہ لگائیے کہ جن لوگوں کے دلوں میں اس آسمانی نظام کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تڑپ تھی۔ ان کے لئے پاکستان کا حصول کس قدر موجبِ مسرت و شادمانی تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ ایسے مسلمان بھی تھے جو اس وقت علانیہ کہتے تھے کہ:-

> مسلمان ہونے کی حیثیت سے میرے لئے اس مسئلہ میں بھی کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ ہندوستان میں جہاں جہاں مسلمان کثیر التعداد ہیں۔ وہاں ان کی حکومت قائم ہو جائے۔
>
> (سید ابو الاعلیٰ مودودی)

لیکن ان مستثنیات کو چھوڑ کر، مسلمانوں کا جمِ غفیر ان حسین تمناؤں اور درخشندہ ولولوں کو دل میں لے کر پاکستان کی طرف آیا۔ چنانچہ یہاں پہونچنے کے بعد پہلا سوال یہ پیدا ہوا کہ پاکستان میں اسلامی آئین کا نفاذ ہو۔ اسی آئین کی تدوین کے لئے مجلس آئین ساز کا تقرر ہوا۔ لیکن اس سات آٹھ سال کے عرصے میں یہاں اسلامی آئین کے تصور کی جو درگت بنی ہے ہر چشمِ بصیرت اس پر خونابہ فشاں ہے۔ ایک طرف ہمارے اربابِ بست و کشاد ہیں کہ جن میں سے ہر شخص موقعہ بے موقعہ اسلامی نظام اور اسلامی آئین کی رٹ لگائے چلا آرہا ہے۔ لیکن ان میں کسی نے بھی آج تک یہ نہیں بتایا کہ اس نظام کے متعلق اس کے ذہن میں تصور کیا ہے؟ ان سے بھی حیرت انگیز اور عبرتناک حالت ہمارے مذہبی رہناؤں کی ہے جو ہر محراب و مسجد سے یہ دہراتے چلے آ رہے ہیں کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو زندگی کے ہر گوشے میں ہمیں پوری پوری رہنمائی دیتا ہے۔ لیکن ان میں سے بھی آج تک کسی نے واضح طور پر نہیں بتایا کہ وہ ضابطۂ حیات یا تصورِ زندگی کیا ہے جو اسلام پیش کرتا ہے۔ اور اسلامی نظام جس کا وہ اس شد و مد سے مطالبہ کر رہے ہیں کیسے کہتے ہیں؟ ان مطالبہ کرنے والوں میں سب سے پیش پیش جماعتِ اسلامی ہے لیکن انھوں نے بھی آج تک اس نظام کے متعلق جو کچھ کہا ہے۔ آپ اسے دیکھ جائیے اور پھر سوچئے کہ کیا اس سے آپ کی سمجھ میں کچھ بھی آتا ہے کہ ان کا مقصود کیا ہے۔ انھوں نے اسلامی نظام کی جگہ "کتاب و سنت" کی اصطلاح استعمال کرنی شروع کی ہے۔ "کتاب" کے متعلق ہر شخص جانتا ہے کہ اس سے مراد قرآن کریم ہے جو ایک کتاب کی شکل میں ہر مسلمان کے گھر میں موجود ہے۔ لیکن اس اصطلاح کے دوسرے جزو (یعنی سنت) کے متعلق، عام مسلمان تو ایک طرف خود ان مذہبی پیشواؤں کے ذہن میں بھی کوئی متعین تصور نہیں، ہمارے پاس ایسا کہنے کی دلیل یہ ہے کہ ہم برسوں سے ان حضرات سے درخواست کرتے چلے آ رہے ہیں کہ وہ خدا کے لئے قوم کو یہ بتائیں کہ سنت رسول اللہ کونسی کتاب کے اندر ہے۔ تاکہ جب ہم "کتاب و سنت" کہیں تو ہمیں معلوم ہو جائے کہ اس سے مقصود ایک تو قرآن کریم ہے اور دوسرے فلاں کتاب۔ لیکن ان میں سے کوئی شخص آج تک اسے واضح نہیں کر سکا۔ ہم نے جماعتِ اسلامی اور اس کے سربر آوردہ حضرات سے طلوعِ اسلام کے ذریعہ اور ذاتی خطوط کے ذریعہ بار بار گذارش کی کہ وہ کسی ایک جگہ واضح طور پر یہ بتا دیں کہ سنتِ رسول اللہ کسے کہتے ہیں؟ اور وہ ہمیں کس کتاب میں ملیگی۔ اس کے جواب میں ان کی طرف سے ہمیں گالیاں تو ہزار سنائی دیں۔ لیکن اس سوال کا جواب کسی نے آج تک نہیں دیا۔ انھوں نے زیادہ سے زیادہ کہا تو یہ کہ سنت، رسول اللہ کے ثابت شدہ طریقے کو کہتے ہیں۔ ہم نے عرض کیا کہ یہ فرما دیجئے کہ اس طریقہ کو ثابت کس نے کیا۔ اور وہ ثابت شدہ طریقہ آج ہمیں کس کتاب میں ملیگا۔ اس کا پھر کوئی جواب نہیں ملا۔ لیکن ان کی طرف سے دشنام طرازی اور لعن طعن کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔ خدا کی شان ہے کہ مسلمانوں نے یہ دن بھی دیکھنا تھا کہ ان حضرات سے ایک خالص دینی اصطلاح کی وضاحت طلب کرنے والوں کا جواب گالیوں کے سوا کچھ بن نہیں پڑتا۔ اور دعویٰ یہ ہے کہ ہم مکمل اسلامی نظام مرتب کر کے دیدیں گے۔

اس وقت اس جگر خراش داستان کو پھر سے دہرانے کی وجہ یہ ہوئی کہ محترم ابو الاعلیٰ صاحب مودودی نے ترجمان القرآن کی تازہ اشاعت (بابت جولائی سنہ ۱۹۵۵ء) میں اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور حالات کا تجزیہ کرنے کے بعد یہ بتلانے کی کوشش کی ہے کہ اسلامی دستور کیا ہے اور وہ یہاں کس طرح قائم ہوگا۔ ہم نے ان کی ان تصریحات کا بڑے غور سے مطالعہ کیا۔ ان میں بعض باتیں ایسی ہیں جو ہمارے نزدیک غور طلب اور مزید وضاحت کی متقاضی ہیں۔ انھیں ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

(۱) مودودی صاحب نے یہ کہا ہے کہ ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ وہ بنیادیں کیا ہو سکتی ہیں جن پر ایک صحیح مصالحانہ فضا میں زیادہ سے زیادہ اتفاق کے ساتھ ملک کا نظامِ زندگی تعمیر کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ:-

> ان میں سب سے پہلی بنیاد یہ ہے کہ قرآن و سنت کو ملک کے آئندہ نظام کے لئے منبعِ ہدایت اور اولین ماخذِ قانون تسلیم کیا جائے۔ اس کو بنیادِ اتفاق ہم اس لئے قرار دیتے ہیں کہ ملک کی آبادی کا بڑا حصہ مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ اور وہ اس بنیاد کے سوا کسی اور چیز پر راضی اور مطمئن نہیں ہو سکتے

سرِدست ہم اس "بنیاد" سے بحث نہیں کرتے۔ ہم صرف اس دلیل کو سامنے لاتے ہیں جس کی بناء پر انھوں نے اپنی اس پیشکردہ بنیاد کو حق قرار دیا ہے۔ ہم محترم مودودی صاحب سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ اگر یہ دلیل صحیح ہے کہ جس بات کو مسلمانوں کی ایک بڑی اکثریت صحیح کہے وہ بہر حال صحیح ہوتی ہے تو تحریکِ پاکستان کے دوران میں جب انھوں نے حسبِ ذیل ارشاد فرمایا تھا تو اس سے ان کا کیا مفہوم تھا انھوں نے کہا تھا کہ۔

> یہ انبوہِ عظیم جس کو مسلمان قوم کہتے ہیں اس کا حال یہ ہے کہ اس کے ۹۹۹ فی ہزار افراد نہ اسلام کا علم رکھتے ہیں نہ حق و باطل کی تمیز سے آشنا ہیں۔ نہ ان کا اخلاقی نقطۂ نظر اور نہ ذہنی رویہ اسلام کے مطابق تبدیل ہوا ہے۔ باپ سے

بیٹے اور بیٹے سے پوتے کو بس اسلامی نام ملتا چلا آیا ہے۔ اس لئے یہ مسلمان ہیں۔ نہ انھوں نے حق کو حق جان کر اسے قبول کیا ہے نہ باطل کو باطل جان کر اسے ترک کیا ہے۔ ان کی کثرت رائے کے ہاتھ میں باگیں دے کر اگر کوئی شخص یہ امید رکھتا ہے کہ گاڑی اسلام کے راستے پر چلے گی تو یہ اس کی خوش فہمی ہے۔

(سیاسی کشمکش حصہ سوم عنوان اقلیت و اکثریت)

پھر انھوں نے یہ بھی فرمایا تھا کہ

> یہ تعداد کی بنا پر قیام حکومت کا مطالبہ۔ یہ اکثریت و اقلیت کا نوحہ۔ یہ تحفظات اور حقوق کی چیخ پکار۔ یہ انگریزی سلطنت اور والیان ریاست کے ظل عاطفت میں قومی مفاد کی تعبیریں اور دوسری طرف آزادی وطن کا نعرہ اور پنڈت نہرو کے سُر میں امپیریلزم کی مخالفت یہ سب ہمارے لئے بجری کی بولیاں ہیں۔ (ایضاً)

یہی نہیں بلکہ انھوں نے قرآن کی سند سے یہ فیصلہ دیا تھا کہ

> اسلام تعداد و اکثریت کو حق کا معیار تسلیم نہیں کرتا۔ قل لایستوی الخبیث والطیب ولو اعجبک کثرۃ الخبیث۔

(اسلام کا سیاسی نظریہ)

فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اُس وقت محترم مودودی صاحب کے نزدیک اکثریت کے متعلق اسلام کا مسلک اور قرآن کا فیصلہ یہ تھا تو آج وہ یہ کس طرح فرماتے ہیں کہ ان کی پیشکردہ بنیاد کے برحق ہونے کی دلیل یہ ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت اس کی تائید کرتی ہے۔ یعنی انہی مسلمانوں کی اکثریت جن کے متعلق انھوں نے فرمایا تھا کہ

> کہ ان میں سے ۹۹۹ فی ہزار حق و باطل کی تمیز سے آشنا تک نہیں۔

باقی رہا وہ مذہب اسلام جو صدیوں سے ہمارے ہاں رائج چلا آرہا ہے تو اس کے متعلق مودودی صاحب "تجدید دین" میں شرح و بسط سے لکھ چکے ہیں کہ یہ سب قبل از اسلام کے جاہلیت سے مرکب ہے اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد سے یہ اس ڈگری پر چلا جا رہا ہے۔ اور یہ بہت بڑا دھوکا ہے جو اسلام کے نام پر مسلمانوں کو دیا جا رہا ہے۔

> جاہلی امارت کی مسند اور جاہلی سیاست کی راہ نمائی پر مسلمانوں کا جلوہ افروز ہونا۔ جاہلی تعلیم کے مدرسہ میں مسلمان کا معلم ہونا۔ جاہلیت کے سجادہ پر مسلمان کا مرشد بن کر بیٹھنا۔ وہ زبردست دھوکا ہے جس کے فریب میں آنے سے کم ہی لوگ بچ سکتے ہیں۔

اب اسی "اسلام کو جو جمہور میں رائج ہے" کتاب و سنت" کہہ کر پیش کیا جا رہا ہے۔

(۲) محترم مودودی صاحب نے پھر یہ لکھا ہے کہ

> مسلمانوں کے اندر آزادی کا جذبہ جس چیز نے بھڑکایا اور جس چیز کی خاطر انھوں نے جان و مال اور آبرو کی ہولناک قربانیاں دیں۔ وہ صرف یہ تھا کہ انھیں غیر اسلامی نظام زندگی کے تحت جینا گوارا نہیں تھا اور وہ اسے اسلامی نظام زندگی سے بدلنا چاہتے تھے؛

اس سے دو سوال پیدا ہوتے ہیں۔ پہلا یہ کہ اگر جنگ آزادی کا جذبۂ محرکہ یہ تھا کہ انھیں غیر اسلامی نظام زندگی کے تحت جینا گوارا نہیں تھا۔ اور وہ اسے اسلامی نظام زندگی سے بدلنا چاہتے تھے۔ تو پھر آپ مسلمانوں کی اس تحریک کی اس قدر مخالفت کیوں کرتے تھے؟ مخالفت ہی نہیں کرتے تھے۔ آپ اس کا استہزا کرتے تھے، اسے بجریوں کی بولیاں قرار دیتے تھے۔ اور اپنے متعلق یہ فرماتے تھے کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے مجھے اس میں کوئی دلچسپی نہیں کہ ہندوستان ایک ملک رہے یا دس ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائے۔ یا جہاں جہاں مسلمان کثیر التعداد میں ہیں۔ وہاں انکی حکومت قائم ہو جائے۔

اور دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر حقیقت یہی تھی کہ اس وقت مسلمانوں کے اندر آزادی کا جذبہ اس خیال سے بھڑکا تھا کہ وہ غیر اسلامی نظام زندگی کو اسلامی نظام زندگی سے بدلنا چاہتے تھے۔ تو پھر تحریک پاکستان کے متعلق آپ کا یہ ارشاد کیا معنی رکھتا تھا کہ

> یہ اسکیم دراصل ان لوگوں کے دماغ کی پیداوار ہے جن کے ذہن کی ساری تربیت مغربی اثرات کے تحت ہوئی ہے۔ اور جنھوں نے تمدن و سیاست کے متعلق تمام تصورات یورپ کی تاریخ اور علوم عمران سے سیکھے ہیں۔ اور وہ اسلام کی الف بے تک سے ناواقف ہیں۔

علاوہ ازیں یہ چیز بھی بڑی تعجب انگیز ہے کہ جو مسلمان حق و باطل کی تمیز تک سے بھی آشنا نہیں تھے" ان کے اندر یہ جذبہ بھڑک رہا تھا کہ وہ غیر اسلامی نظام زندگی کو اسلامی نظام زندگی سے بدل دیں۔ اور اس کی خاطر انھوں نے جان و مال و آبرو کی ہولناک قربانی دی۔ اگر وہ حق و باطل کی تمیز نہیں کر سکتے تھے تو انھیں یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ ان کا وہ نظام غیر اسلامی تھا۔ اور اسے اسلامی نظام سے بدلنا ضروری ہے۔

(۳) اس کے بعد مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ

> جن لوگوں کو اس بنیاد سے اتفاق نہیں ہے وہ چار طبقوں پر مشتمل ہیں۔ ایک وہ مسلمان ہیں جو اخلاق، تہذیب اور معاشرت میں اس حد تک مغربی رنگ اختیار کر چکے ہیں کہ اب انھیں اسلامی طرز زندگی کی طرف پلٹنے کے تصور سے وحشت ہونے لگتی ہے۔ دوسرے وہ مسلمان جو مسلمان ہونے سے تو منکر نہیں مگر مغربی فکر و نظر سے اس حد تک متاثر ہو چکے ہیں کہ اب انھیں اسلام پر اعتقاد باقی نہیں رہا۔ یہ دونوں طبقے اپنے مخصوص رجحانات کے سبب سے ایک لادینی (سکولر) نظام اختیار کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ کیونکہ وہی ان کے مزاج اور مذاق سے مناسبت رکھتا ہے۔ تیسرا طبقہ ان مسلمانوں پر مشتمل ہے جو اسلامی نظام سے تو انکار نہیں کرتے۔ مگر سنت کو چھوڑ کر صرف قرآن کو لینا چاہتے ہیں۔ اور چوتھے طبقہ میں پاکستان کی غیر مسلم اقلیتیں شامل ہیں۔

اس کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ

> ان میں سے پہلے تین طبقے مسلمانوں کی آبادی میں مجموعی طور پر ایک فی ہزار کا تناسب بھی نہیں رکھتے۔

یعنی حصول پاکستان سے پہلے ارشاد تھا کہ مسلمانوں کا ۹۹۹ فی ہزار طبقہ حق و باطل کی کوئی تمیز نہیں رکھتا۔ صرف ایک فی ہزار اسلام کو جانتا ہے۔ اب انہی مسلمانوں کے متعلق ارشاد ہے کہ ان میں سے ایک فی ہزار طبقہ غلط قسم کا نظام چاہتا ہے اور باقی ۹۹۹ صحیح اسلام کے داعی ہیں سہ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

ہمیں ان لوگوں سے کوئی واسطہ نہیں جو یہاں سیکولر نظام چاہتے ہیں۔ لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ انھیں کس بات نے مجبور کر دیا ہے کہ وہ مذہبی نظام کے بجائے غیر مذہبی نظام کو ترجیح دیتے ہیں؟ مودودی صاحب تو لوگوں کی توجہ اس طرف آنے نہیں دیں گے۔ لیکن آپ سوچئے کہ جن لوگوں کو یہ بتایا جائے کہ پاکستان میں اسلامی نظام رائج ہو گیا تو ہم دشمن کے قیدیوں میں سے مردوں کو غلام بنائیں گے۔ اور ان کی عورتوں کو لونڈیاں۔ ان لونڈیوں سے بلا نکاح اور بلا حد تعداد جنسی لذت اندوزی حاصل کی جائے گی۔ اور پھر انھیں دوسروں کے ہاتھ فروخت کر دیا جائیگا" اور اگر کوئی مسلمان اس قسم کے اسلام سے متنفر ہو کر کوئی دوسرا مذہب اختیار کرے گا۔ تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ تو یہ لوگ اس قسم کے "اسلامی نظام" کے مقابلہ میں لادینی نظام کو ترجیح نہ دیں تو اور کیا کریں؟ ان حضرات کو کون بتائے کہ تعلیم یافتہ طبقہ کو مذہب سے جو اس قدر تنفر پیدا ہو چکا ہے تو

اے باد صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

آپ ان کے سامنے خدا کا دیا ہوا اسلام پیش کیجئے۔ اور پھر دیکھئے کہ ان کی نفرت کس طرح محبت سے بدل جاتی ہے!

اب رہا وہ طبقہ جس کے متعلق مودودی صاحب نے فرمایا ہے کہ وہ اسلامی نظام سے تو انکار نہیں کرتا۔ مگر سنت کو چھوڑ کر صرف قرآن کو لانا چاہتا ہے تو ہمیں معلوم نہیں کہ پاکستان میں وہ کونسا طبقہ ہے جو اس مسلک کا حامی ہے۔ "اہل قرآن" کے فرقہ نے کبھی اس قسم کی بات ضرور کہی تھی۔ لیکن اب تو پاکستان میں ان کا کوئی چرچا ہی نہیں۔ لیکن اگر مودودی صاحب کا اشارہ طلوع اسلام کی طرف ہے تو ہم اس حقیقت کو ایک بار پھر دہراتے ہیں جیسے ہم بار بار کہہ چکے ہیں کہ اگر وہ ہم پر یہ الزام نادانستہ لگاتے ہیں تو یہ بہت بڑی جہالت ہے اور اگر وہ دانستہ ایسا کرتے ہیں تو یہ بڑی افسوسناک حرکت ہے۔ ہم ایک مرتبہ پھر اس چیلنج کو دہراتے ہیں کہ وہ سنت رسول اللہؐ کے بارے میں طلوع اسلام کے خلاف کوئی الزام (سند کے ساتھ) عاید کریں اور پھر دیکھیں کہ اس باب میں خود مودودی صاحب کے متعلق کیا ثابت ہوتا ہے؟!

لیکن ان تمام تصریحات کے بعد یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ اگر اس ملک کی ۹۹۹ فی ہزار آبادی وہ نظام چاہتی ہے جو مودودی صاحب کے تصور کے مطابق اسلامی ہے۔ تو پھر وہ یہاں صحیح اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے اس قدر شور کیوں مچاتے ہیں؟ کیا ان کا خیال ہے کہ یہ ایک فی ہزار آبادی اتنی صاحب اثر ہے کہ وہ ۹۹۹ کے علی الرغم اپنی مرضی کا نظام نافذ کردے گی۔؟

(۴) اس کے بعد مودودی صاحب بنیادی سوال کی طرف آتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ

> قرآن و سنت کو بنیاد بنانے کے خلاف ایک دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ قرآن کی تعبیروں میں بکثرت اختلافات ہیں اور کوئی ایک تعبیر متفق علیہ نہیں ہے۔ رہی سنت تو اس میں صرف تعبیرات ہی کا اختلاف نہیں بلکہ اس امر میں بھی اختلاف ہے کہ کیا چیز سنت ہے اور کیا نہیں ہے۔ پھر یہ دعویٰ کیسے کیا جاتا ہے کہ یہی وہ بنیاد ہے جس پر ملک کی آبادی کا کثیر حصہ متفق ہے۔

ہم بہت خوش ہوئے تھے کہ مودودی صاحب نے بالآخر اس سوال کو لے لیا جسے ہم اتنے عرصے سے پیش کرتے چلے آ رہے ہیں۔ یعنی یہ سوال کہ کیا چیز سنت ہے اور کیا نہیں۔ لیکن اس کا جواب سنئے۔

> اس کا جواب یہ ہے کہ ہم قرآن کی کسی خاص تعبیر کو نہیں بلکہ بجائے خود قرآن کو اور سنت کے متعلق کسی خاص مسلک کو نہیں بلکہ بجائے خود سنت رسول اللہؐ کو نظام زندگی کی بنیاد قرار دے رہے ہیں۔ اور یہ بنیاد ایک ناقابل لحاظ اقلیت کو مستثنےٰ کر کے مسلمانوں میں متفق علیہ ہے۔

آپ حیران ہوں گے کہ اس میں اس اہم سوال کا تو جواب آیا ہی نہیں کہ "کیا چیز سنت ہے اور کیا نہیں؟" لیکن ہمارا کیا قصور ہے۔ مودودی صاحب کی طرف سے پیش کردہ سوال اور ان کا جواب دونوں آپ کے سامنے ہیں۔ اگر کوئی صاحب ان سے اس سوال کا جواب لے سکتے ہیں تو وہ کوشش کر دیکھیں۔ یہ بات ہمارے بس کی تو ہے نہیں۔ ہم تو صرف اتنا ہی جانتے ہیں کہ اس سوال کا جواب یہ کبھی نہیں دیں گے۔ اس لئے کہ یہ اس کا جواب کچھ بھی دیں دنیا دیکھ لے گی کہ وہ جواب ۹۹۹ فی ہزار مسلمانوں کے نزدیک کبھی متفق علیہ نہیں ہوگا۔ اور اس طرح اس دعوے کا بھرم کھل جائے گا کہ "کتاب و سنت" وہ بنیاد ہے جو یہاں کی آبادی کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ یہ متفق علیہ اس وقت تک ہے جب تک اسے مبہم رکھا جائے جونہی اس کی تشریح ہوئی یہ متفق علیہ نہیں رہے گی۔ آپ کو یاد ہوگا خود مودودی صاحب نے لگے دنوں اس سوال کے صرف ایک گوشہ کو چھیڑا تھا۔ اور برکت علی محمڈن ہال کی تقریر میں اتنا کہہ دیا تھا کہ ہم بخاری شریف کی حدیثوں پر بھی تنقید کر سکتے ہیں۔ اس پر ملک کے ایک عظیم گروہ نے جو "کتاب و سنت" کو آئین کی بنیاد قرار دینے میں مودودی صاحب کا حامی تھا انھیں منکر حدیث اور مخالف سنت قرار دیدیا ہے۔ اب مودودی صاحب اپنی بگھری ہوئی پوزیشن کو پھر سے سنبھالنے میں مصروف ہیں۔ لہٰذا وہ ایسی فاش غلطی دوبارہ کس طرح کر سکتے ہیں کہ سنت کے مفہوم کو واضح کر دیں۔

(۵) اس کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ

> رہے اختلافات تو وہ دو طریقوں سے بآسانی حل ہو سکتے ہیں۔ اول یہ کہ مسلمانوں میں جو گروہ معتدبہ تعداد میں پائے جاتے ہیں (مثلاً حنفی۔ اہل حدیث شیعہ) ان سے تعلق رکھنے والے معاملات پر قرآن کی اسی تعبیر اور سنت کی اسی تشریح کا اطلاق ہو جو ان کے نزدیک مسلم ہو۔ دوم یہ کہ جو معاملات تمام ملک سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان پر وہ تعبیر و تشریح عملاً تسلیم کی جائے۔ جس پر اکثریت متفق ہو اور اقلیت کے لئے یہ حق باقی رہے کہ وہ جائز حدود کے اندر رہتے ہوئے اپنے نقطۂ نظر کے حق میں کثرت پیدا کرنے کی کوشش کرے۔

لیجئے کوہ کندن و کاہ برآوردن کی مثال آپ کے سامنے آگئی آٹھ برس سے مسلسل اسلامی نظام اور کتاب و سنت کا شور سنتے چلے آ رہے تھے۔ اب اس کی متعین صورت سامنے آئی تو اسلامی نظام کا مطلب یہ ہوا کہ

> (۱) جہاں تک پرسنل لا کا تعلق ہے۔ یہاں کے مختلف فرقوں کو اجازت دیدی جائے کہ وہ اپنے معاملات، اپنی اپنی فقہ کے مطابق طے کر لیا کریں
>
> اور
>
> (۲) جہاں تک عام ملکی معاملات کا تعلق ہے ان کا فیصلہ فقہ حنفی کے مطابق کیا جائے۔ (اس لئے کہ یہاں کی اکثریت فقہ حنفی کی پابند ہے)

جہاں تک پہلی شق کا تعلق ہے یہ انگریز کی حکومت کے دوران میں بھی رائج تھی۔ لہٰذا پاکستان کے آزاد آئین سے مطلب یہ ہوا کہ ملک کے عام معاملات کو فقہ حنفی کے مطابق طے کیا جائے۔

اگر اسی کا نام اسلامی نظام تھا تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے لئے کتاب و سنت، کتاب و سنت کی رٹ لگانے کی کیا ضرورت تھی۔ سیدھی طرح پہلے ہی دن یہ کیوں نہ کہدیا کہ ملک میں فقہ حنفی کے مطابق قوانین رائج کئے جائیں۔ اس سے ہر ایک کے ذہن میں بات صاف طور پر آجاتی۔ پھر جو اس کی تائید کرتے وہ بھی سمجھ بوجھ کر کچھ کہتے اور جو مخالفت کرتے انھیں بھی معلوم ہوتا کہ ہم کس بات کی مخالفت کر رہے ہیں۔ شک و شبہ میں کوئی نہ رہتا۔ لیکن اس صورت میں ہمارے ان پیشوایان مذہب کو یہ دھوکا دینے کی گنجائش نہ رہتی کہ مخالفت کرنے والے سنت رسول اللہؐ کی مخالفت کر رہے ہیں۔ اور منکر حدیث ہیں۔ اس لئے کہ فقہ حنفی کی سب سے زیادہ مخالفت اس فرقے کی طرف سے ہوتی ہے جنھیں اہل حدیث کہا جاتا ہے اور جو سب سے زیادہ سنت رسول اللہؐ کی اتباع کا داعی ہے۔

جہاں تک ہمارا تعلق ہے۔ ہم نہ حنفی ہیں نہ اہل حدیث۔ ہم صرف مسلمان ہیں۔ سیدھے سادے مسلمان۔ لیکن جو کچھ مودودی صاحب نے فرمایا ہے جب اس کا قرآن کی روشنی میں جائزہ لیا جائے تو اس کے خلاف دو ایک اعتراض سامنے آتے ہیں۔ مثلاً

(۱) کیا قرآن (بلکہ قرآن و سنت دونوں) کی رو سے اسلام میں مذہبی فرقے جائز قرار پا سکتے ہیں؟ کیا قرآن نے بہ نص صریح فرقہ بندی کو شرک قرار نہیں دیا۔ اور کیا سنت رسول اللہؐ نے کہیں بھی حنفی۔ اہل حدیث۔ اور شیعہ وغیرہ کو اسلام کے فرقے تسلیم کیا ہے۔؟

(۲) کیا دین نے اپنے آپ کو ایسے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے کہ ایک حصے کا تعلق ملک میں بسنے والے مسلمانوں کے مخصوص فرقوں سے ہو۔ اور دوسرے کا تعلق ان تمام مسلمانوں کے مشترک معاملات سے ہو۔؟ کیا اس قسم کی تفریق اور تقسیم کی کوئی سند خدا کی کتاب (بلکہ سنت رسول اللہؐ) سے مل سکتی ہے؟ جہاں تک فقہ حنفی کا تعلق ہے ہم اس کے متعلق کچھ نہیں کہنا چاہتے کہ وہ کس حد تک سنت اور کتاب کے مطابق ہے۔ لیکن اس کے متعلق خود مودودی صاحب کے چند ایک ارشادات قابل ملاحظہ ہیں ۔ وہ فرماتے ہیں۔

> امام ابو حنیفہؒ کی فقہ میں آپ بکثرت ایسے مسائل دیکھیں گے جو مرسل اور معضل اور منقطع احادیث پر مبنی ہیں یا جن میں ایک قوی الاسناد احادیث کو چھوڑ کر ضعیف الاسناد احادیث کو قبول کر لیا گیا ہے۔ یا جن میں احادیث کچھ کہتی ہیں اور امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کچھ کہتے ہیں۔
>
> (رسائل و مسائل صفحہ ۲۷۴)

پھر ارشاد ہے۔

> اس میں اسلامی شریعت کو ایک منجمد شاستر بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ اس میں صدیوں سے اجتہاد کا دروازہ بند ہے۔ جس کی وجہ سے اسلام ایک زندہ تحریک کے بجائے محض عہد گزشتہ کی ایک تاریخی تحریک بن کر رہ گیا ہے۔
>
> (سیاسی کشمکش حصہ سوم)

جہاں تک فقہی قوانین کے عملی اطلاق کا تعلق ہے مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ:

> فقہا کے قوانین نہایت سخت ہیں۔ اپنی سختی کی وجہ سے عورتوں کی زندگیوں کو تباہ کرنے والے ان کو بداخلاقیوں کا پتلا بنانے والے اور ان کو مرتد بنانے والے ہیں۔ اس لئے وہ خدا کے قوانین نہیں ہو سکتے۔
>
> (تنقید حقوق زوجین بحوالہ صدق ۴ مئی ۱۹۳۲ء)

یعنی خود مودودی صاحب کی تحقیق کے مطابق فقہ حنفی خدا کا قانون نہیں ہے۔ اس میں کئی باتیں احادیث کے بھی خلاف ہیں اور قرآن کے بھی خلاف۔ مودودی صاحب نے فرمایا ہے کہ ان کی اس تجویز سے ملک کے اختلافات دور ہو جائیں گے لیکن ذرا سنئے کہ وہ اس باب میں اس سے پہلے کیا ارشاد فرما چکے ہیں۔ وہ رسائل و مسائل کے صفحہ ۲۸۲ پر لکھتے ہیں۔

> مجھے افسوس ہے کہ فقہیات کو اصل دین سمجھنے کی جس ذہنیت کے باعث مسلمان مدتوں آپس میں جھگڑا کرتے رہے ہیں۔ اور جن کی وجہ سے

ان کا متفق ہونا۔ اور اصل دین کے لئے مل کر کام کرنا غیر ممکن ہوگیا ہے۔ وہ ذہنیت برابر بڑے کار آئی چلی جا رہی ہے۔

یہ ہے وہ نقشہ جسے مودودی صاحب اسلامی نظام اور کتاب وسنت کے مطابق آئین قرار دے رہے ہیں۔ یہ اس لئے کہ اس سے ملک کی کثیر آبادی ان کے ساتھ رہتی ہے۔ اور اس کی رو سے زمینداریاں۔ جاگیرداریاں۔ کارخانہ داریاں۔ سرمایہ داریاں۔ دولت کے ذخیرے بے حد نہایت املاک۔ اور جائدادیں سب جائز اور عین مطابق شریعت قرار پاجاتے ہیں۔ اسلامی نظام زندہ باد۔

اسی سے آپنے اس کا بھی اندازہ لگالیا ہوگا کہ یہ حضرات قرآن کو اسلامی دستور کی بنیاد بنانے کے لئے کیوں تیار نہیں اس لئے کہ قرآن کی رو سے سرمایہ داری اور پیشوائیت دونوں کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔

ہم اس حقیقت کو ایک بار پھر دہرا دینا چاہتے ہیں کہ دنیا میں جب اور جہاں بھی اسلامی دستور نافذ ہوا اس کی صورت یہ ہوگی کہ دستور کی بنیاد قرآن اور صرف قرآن ہوگی اسلئے کہ قرآن کے حرفاً حرفاً من جانب اللہ ہونے پر تمام مسلمانوں کا ایمان ہے اور وہی دین کی یقینی بنیاد ہے۔ اس کے بعد احادیث ہوں یا فقہ وہ دین کی ایسی تعبیرات ہیں جو مختلف ادوار میں کی گئیں، ان سے بطور نظائر فائدہ اٹھایا جائے گا یعنی اگر قرآن کے کسی اصول کی جزئیات متعین کرنی ہوں۔ اور احادیث یا فقہ میں کوئی نظیر ایسی ملے جو ہمارے زمانے کے تقاضوں کو ٹھیک ٹھیک پورا کرتی ہے۔ تو اسے علیٰ حالہٖ اختیار کر لیا جائے گا اور اگر کوئی ایسی نظیر نہ ہو تو جو نظیر ملے اس میں مناسب رد و بدل کر لیا جائے گا۔ اور اگر سرے سے کوئی نظیر ہی نہ ملے تو ملت کا قرآنی نظام ان جزئیات کو خود وضع کرے گا۔ یہی مسلک سنت رسول اللہ کے مطابق ہوگا۔ کیونکہ رسول اللہ نے بھی قرآنی اصولوں کی روشنی میں اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق جزئیات متعین فرمائی تھیں۔ اور یہی منشائے خداوندی کے مطابق بھی ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے قرآن میں جن امور کی جزئیات خود متعین نہیں کیں۔ اس سے مقصود یہی تھا کہ یہ جزئیات زمانے کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ بدلنے والی ہیں اس لئے ہر دور کا اسلامی نظام انھیں اپنے زمانہ کی ضروریات کے مطابق خود متعین کرتا رہے گا۔ وذلک دین القیم۔

پارٹیوں کا وجود

مسٹر سہروردی نے ۲۹ اگست کو ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے منجملہ دیگر امور کے مسلم لیگ کے بارے میں کہا۔

> بہ حیثیت جماعت کے مسلم لیگ باقی نہیں رہی اس کا ملک میں کوئی اثر نہیں۔ البتہ کچھ بڑے لوگ ایسے ہیں جو اپنے آپ کو مسلم لیگی کہلاتے ہیں اور وہ حکومت سے وابستہ ہیں۔ ملک میں ان کا کوئی متبع نہیں۔ اور ان کی انتہائی کوشش یہ رہتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو برسر اقتدار رکھے رہیں۔

مسلم لیگ کی حالت کا یہ بڑا صحیح نقشہ ہے۔ آج مسلم لیگ کے مردہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ جیسا کہ طلوع اسلام میں اکثر لکھا گیا ہے۔ اگر برسر اقتدار طبقہ اپنے آپ کو مسلم لیگی کہلانا چھوڑ دے تو اس جماعت کی مردنی کا یہ عالم ہے کہ اس کا نام بھی صفحہ ہستی سے محو ہوجائے۔ یہ حالت اس پر اتنے طویل عرصے سے طاری ہے کہ آج اس کی جماعتی موت کے متعلق کسی شہادت کی ضرورت نہیں رہتی۔ لہٰذا ہم مسٹر سہروردی کی رائے سے پوری طرح متفق ہیں۔

لیکن دیکھا جائے تو سہروردی صاحب نے یہ مسلم لیگ کی موت کی خبر نہیں دی۔ بلکہ "بایں بہانہ مگر عمر خود دراز کنم" کے مصداق رمز و کنایہ سے سامعین کو یہ جتانا چاہا ہے کہ "آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے"۔ مسلم لیگ مردہ ہے اور ان کی جماعت زندہ ہی نہیں زندہ تر بھی ہے۔ موجودہ سیاسی ماحول میں مسٹر سہروردی کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ ان کی عوامی لیگ منظم اور زندہ جماعت ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ مسٹر سہروردی کا یہ دعویٰ اتنا ہی خلاف حقیقت ہے جتنا یہ کہنا کہ مسلم لیگ ایک منظم اور زندہ جماعت ہے۔ عوامی لیگ کی پوزیشن کیا ہے؟ اس کی جماعتی حیثیت یہ ہے کہ مسٹر سہروردی آج تک اس کے کنوینر ہیں۔ گویا عوامی لیگ ان معنوں میں معرض وجود ہی میں نہیں آئی کہ اس کے عہدیدار منتخب کئے جائیں۔ مشرقی پاکستان میں اس کا وجود ضرور ہے۔ لیکن اس کی حیثیت سلبی ہے۔ عوامی لیگ ابھی تک صوبے کے سامنے کوئی مثبت پروگرام پیش نہیں کرسکی۔ بہرحال اس کی زندگی چند افراد کی زندگی ہے اور جیسے مسلم لیگ کا وجود بعض ارباب حکومت کے مسلم لیگی کہلانے پر منحصر ہے۔ اسی طرح عوامی لیگ کا وجود چند افراد کے اپنے آپ کو عوامی لیگی کہنے کی وجہ سے ہے۔ مغربی پاکستان میں عوامی لیگ کا وجود ہی نہیں۔ جماعتی حیثیت سے اس کا نشان نہ کراچی میں ملے گا، نہ سندھ میں، نہ پنجاب میں، نہ سرحد میں۔

تو کیا یہ کہا نہیں جاسکتا کہ ملک میں صحیح معنوں میں کسی سیاسی پارٹی کا وجود نہیں؟ اگر یہ حقیقت ہے تو کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ سیاسی پارٹیوں کا تجربہ ناکام ہوچکا ہے۔ طلوع اسلام صراحت اور وضاحت سے لکھ چکا ہے (اور بار بار دہرا چکا ہے کہ ملت فی ذاتہٖ ایک پارٹی ہے۔ اور اسے پارٹی بازی کی لعنت میں مبتلا کرنا قرآن کی رو سے شرک کا مرتکب ہونا ہے۔ لیکن ہمارے ارباب سیاست کی یہ حالت ہے کہ وہ لاشے اٹھائے اٹھائے پھرتے ہیں۔ اور دوسروں کے لاشوں کو تو لاشہ کہتے ہیں لیکن اپنے کندھے پر لادے ہوئے لاشے کو زندہ سمجھتے ہیں۔ اگر حقائق کو بے نقاب دیکھا جائے تو یہ تسلیم کر لینے میں کوئی باک نہ ہوگا کہ سیاسی پارٹیاں ختم ہوچکی ہیں۔ اور چونکہ وہ تشتت و افتراق کا ذریعہ ہیں۔ اس لئے انھیں زمین کے نیچے، بہت نیچے دفن کر دینا چاہیئے۔ ان لاشوں کے تعفن سے معاشرہ کی فضا بہت زیادہ کثیف اور زہر آلود ہوچکی ہے۔ لہٰذا اب انکی تجہیز و تکفین میں قطعاً تاخیر نہیں کرنی چاہیئے۔

سوڈان کا ہنگامہ

یہ عجیب سوءِ اتفاق ہے کہ قومی جد و جہد کے ایک فیصلہ کن دور میں داخل ہوتے ہی سوڈان ایسے ہنگامے کا شکار ہوگیا ہے جس کا خاطر خواہ حل نہ ہوا تو اس کا سفر بڑا پر صعوبت ہو جائے گا۔ سنہ ۱۹۵۳ء کے معاہدے کے مطابق برطانیہ اور مصر نے اس پر اتفاق کیا تھا کہ ایک بین الاقوامی کمیشن کی نگرانی میں نظم و نسق حکومت کو سوڈانی بنایا جائے۔ اور اس عمل کے پورا ہونے پر دونوں ممالک کی فوجوں کو واپس بلا لیا جائے۔ اس کے بعد سوڈان کو ایک مجلس دستور ساز منتخب کرکے اس کے ذریعہ یہ فیصلہ کرنا تھا کہ وہ آزاد ہونا چاہتا ہے یا مصر سے الحاق کا متمنی ہے۔ اس معاہدے کی رو سے جو انتخابات منعقد ہوئے اس میں نیشنل یونینسٹ پارٹی برسر اقتدار آئی اور اس کے قائد اسمٰعیل الازہری وزیر اعظم بنے۔ یہ پارٹی مصر سے الحاق کے حق میں تھی، اور اس نے آزادی کی داعی امہ پارٹی کو شکست دیدی تھی۔ اس فتح کا خیر مقدم مصری حلقوں میں قابل فہم تھا۔ دنیائے اسلام میں بھی اسے خوش آئند سمجھا گیا۔ کیونکہ ایک تو اس سے اس پارٹی کو شکست ہوئی تھی جو برطانیہ کے زیر اثر تھی۔ دوسرے اس سے وادی نیل کی وحدت بالکلیہ یقینی ہوجاتی تھی۔ جو سوڈان اور مصر دونوں کے لئے مفید تھی۔

واقعات کی اس رفتار سے عمومی اطمینان پیدا ہوگیا تھا مگر بہت جلد یہ اطمینان نیل کی راہ میں بہہ کر بحر روم کی موجوں کی نذر ہوگیا۔ سوڈان کا معاہدہ مصری سیاست کی غیر معمولی کامیابی تھی۔ کیونکہ برطانیہ کی استعمارانہ ضد نے اس نزاع کو لاینحل سا بنا دیا تھا۔ اتفاق کی بات یہ کہ مصر سوڈان کے تصفیہ کو خاطر خواہ طریق سے حل کر لینے کے بعد ایسے اندرونی خلفشار سے دوچار ہوا کہ بیرون ملک اس کا وقار خاک میں مل گیا۔ اس کا سوڈان پر کافی اثر ہوا۔ اور اس کے قائدین کے دلوں میں الحاق مصر کے خلاف جذبات پیدا ہونے شروع ہوگئے۔ چنانچہ اسمٰعیل الازہری جو مصر کے آدمی سمجھے جاتے تھے اور جن کی پارٹی کی کامیابی پر برطانیہ نے مصر پر الزام لگایا تھا کہ اس نے ناجائز ذرائع سے کام لے کر اسے کامیاب کرایا ہے۔ وہ آزادی کی باتیں کرنے لگے۔

اب اگست میں نظم و نسق کے سوڈانی بنائے جانے کا عمل پورا ہوا تو سوڈان کی پارلیمان نے مجلس دستور ساز کے معرض وجود میں لانے کی قرارداد منظور کی۔ اس قرارداد کے منظور ہوتے ہی جنوبی علاقوں میں فوج نے بغاوت کردی۔ یوں تو فوجی بغاوت کسی ملک کے لئے کسی وقت بھی قابل قبول نہیں ہوتی لیکن اس بغاوت کا وقت خصوصیت سے تشویشناک تھا اس کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا کہ مجلس

دستور ساز کے انتخاب میں رخنے پیدا کئے جائیں اور مستقبل سے متعلق فیصلے کو ملتوی کر دیا جائے۔ جنوبی علاقے سوڈان کے لئے ایک عرصے سے تکلیف دہ ثابت ہوتے چلے آرہے ہیں۔ ان جو بول میں غیر مسلم اقلیت آباد ہے جو مقابلتاً زیادہ پسماندہ ہے۔ انگریزوں نے ان پر یوں توجہ صرف کی کہ انھیں شمالی مسلمان سوڈان کے خلاف خوب اکساتے رہے شمال اور جنوب کی مصنوعی تفریق پیدا کر کے اسے حقیقی سا بنا کر انگریزوں نے سوڈان کے مطالبہ آزادی کو یہ کہہ کر ٹھکرانا شروع کر دیا کہ ملک آزادی کے قابل نہیں کیونکہ جنوبی سوڈان کو خطرہ ہے کہ شمالی سوڈان اس پر چھا جائیگا اور اس خطرے سے بچنے کے لئے وہ انگریزوں کو ملک میں باقی رکھنا چاہتا ہے۔ اس کے باوجود انگریزوں کو بالآخر سوڈان چھوڑنے پر مجبور کر دیا گیا۔

وزیر اعظم الازہری کے بیان کے مطابق جنوبی سوڈانی فوج کی ایک کمپنی کو شمال کی طرف منتقل کیا جا رہا تھا کہ اس نے جانے سے انکار کر دیا۔ اور افسروں پر حملے کئے۔ باغیوں کا مطالبہ ہے کہ انھیں شمالی علاقے کی فوجوں کو جنوب سے واپس بلا لیا جائے۔ نیز وہ برطانی اور مصری فوجوں کے آگے ہتھیار ڈالیں گے۔ سوڈانی وزیر اعظم نے بجا طور پر دونوں مطالبات کو مسترد کر دیا ہے۔ کیونکہ دونوں ناقابل قبول ہیں۔ دوسرا مطالبہ معنی خیز ہے۔ ۱۲ اگست کی قرارداد کے مطابق برطانوی فوجیں سوڈانی معاملات میں مداخلت نہیں کر سکتیں الا یہ کہ حکومت سوڈان خود ایسی خواہش کا اظہار کرے۔ گویا باغی کسی نہ کسی بہانے سے غیر ملکی فوجوں کو واپس بلانا چاہتے ہیں۔

بعض اطلاعات سے مترشح ہوتا ہے کہ الحاق کے خلاف فضا دیکھ کر مصر کوشش کر رہا ہے کہ کسی طرح وہ سوڈان کے معاملات میں دخیل رہے تاکہ مجلس دستور ساز سے الحاق کا فیصلہ کرا سکے اس لئے وہ جنوب میں بدامنی پیدا کر کے اپنی فوجوں کی واپسی کا جواز پیدا کر رہا ہے۔ کہا نہیں جا سکتا کہ یہ کہاں تک درست ہے سوڈانی وزیر اعظم نے بغاوت کے اسباب پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ فی الوقت وثوق سے کچھ کہنا مشکل ہے۔ لیکن قاہرہ ریڈیو نے نقصان ضرور پہنچایا ہے۔ خصوصیت سے اس کے ان نشریات نے جو جنوبی سوڈان کی زبان میں تھے۔ خود مصر نے بھی شبہ پیدا کرنے کی کافی گنجائش پیدا کر دی۔ جونہی بغاوت کی خبر آئی۔ مصری حکومت نے برطانیہ کو یہ تجویز پیش کی کہ وہ دونوں اپنی فوجیں سوڈان میں استعمال کریں۔ برطانیہ نے اس تجویز کو مسترد کر دیا کیونکہ بغیر سوڈان کی درخواست کے ایسا کرنا ممکن نہیں تھا۔ لیکن وثوق سے واقعی یہ کہنا مشکل ہے کہ بغاوت میں مصر کا ہاتھ ہے۔ اس میں برطانیہ کا بھی ہاتھ ہو سکتا ہے۔ ایک تو برطانیہ یہ نہیں چاہتا کہ سوڈان مصر کے ساتھ ملے۔ دوسرے جنوبی سوڈان برطانوی علاقہ یوگنڈا سے ملتا ہے اور ایسی خبریں آئی ہیں۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ باغیوں کے لئے یوگنڈا کے دروازے کھلے تھے۔ حقیقت حال کچھ بھی ہو۔ اس سلسلہ میں برطانیہ کو بالکل بری الذمہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اس بغاوت کے حقیقی اسباب کیا ہیں۔ اس کا جواب تو پوری تحقیق حال کے بعد ہی مل سکے گا۔ اتنا یقینی ہے کہ اس سے سوڈان کے مستقبل سے متعلق فیصلے کے متاخر ہو جانے کا احتمال ضرور پیدا ہو جاتا ہے۔ نیز اس سے سوڈان میں مصر کے خلاف جذبات کے اور شدید ہو جانے کا خدشہ بڑھ جاتا ہے۔ نہ یہ سوڈان کے حق میں مفید ہے نہ مصر کے حق میں۔ اس وقت مقدم یہ ہے کہ سوڈان اجنبی تسلط سے آزاد ہو۔ مصر سے الحاق ایک ضمنی مسئلہ ہے۔ سوڈان سے برطانوی اثر کے خاتمہ پر اس کی اہمیت وہ نہیں رہے گی جو مصر سمجھتا ہے۔ مصر جن فوائد کے لئے وادی نیل کی وحدت پر مصر ہے۔ وہ مصر اور سوڈان کے ایک ملک نہ ہونے کے باوجود حاصل ہو سکتے ہیں۔ لیکن ان فوائد کے حصول کے لئے مصر کو اپنا رویہ بدلنا پڑے گا۔ سوڈان کا جذبہ از خود پیدا ہوا یا انگریز کا پیدا کردہ ہے یہ علیحدہ بحث ہے۔ لیکن اب اس جذبہ کو کچلنا نفسیات قومی کے تقاضے کے خلاف ہوگا۔ مصر کو چاہیئے کہ وہ سوڈان میں اپنی ساکھ پیدا کرے۔ اور آزاد سوڈان کے دل میں اپنا اعتماد بٹھائے۔ تاکہ سوڈان آزاد ہو کر اس سے پورا پورا تعاون کرے۔ اس تعاون میں وحدت کے سب فوائد مضمر ہیں۔ اس تعاون کی اس لئے بھی ضرورت ہے کہ دو ممالک اسلامیہ کا ایک دوسرے سے کشیدہ رہنا نہ ان دونوں کے مفاد میں ہے نہ دنیائے اسلام کے حق میں۔ ہماری شامت اعمال دیکھئے کہ مغرب کے ممالک کار زمین را نکو ساختہ، اجرام فلکی کو مسخر کرنے کی فکر میں ہیں۔ اور ہم سے اپنا اپنا گھر بھی سنبھالا نہیں جا سکتا!

مشرق وسطیٰ کا دفاع

مشرق وسطیٰ بالخصوص عالم عرب کا موجودہ ہیجان اور اضطراب ہر چند بیرونی عناصر کا شرمندۂ تخلیق نظر آتا ہے۔ لیکن بادنیٰ تعمق یہ حقیقت سمجھ میں آجاتی ہے کہ اس کا سبب اصلی متعلقہ ممالک کا باہمی تشتت و افتراق ہے۔ عدم وحدت نے ان ممالک کی مجموعی قوت کو ایسا بے اثر کر دیا ہے کہ اب وہ کمزور و پسماندہ ہو کر دوسروں کے رحم و کرم کے محتاج ہو گئے ہیں۔ یہ ممالک کس حد تک ایک دوسرے سے متفرق تھے۔ اس کا بدترین مظاہرہ ۱۹۴۸ء میں ہوا جب یہ بظاہر ایک ہی مقصد کے تحت اور ایک ہی جذبہ سے سرشار ہو کر فلسطین کی نوزائیدہ یہودی حکومت کے خلاف صف آرا ہوئے۔ عرب اتحاد کے مقابلہ میں حقیر سی نئی غاصب سلطنت کی کچھ حیثیت نہ تھی۔ لیکن اتحادی عرب مشترکہ دشمن کے خلاف لڑنے کی بجائے اپنے حلیفوں کے مقابلہ میں اپنی پوزیشن مضبوط کرنے میں لگ گئے۔ اس کا نتیجہ یہی ہو سکتا تھا کہ ان کو منہ کی کھانا پڑی۔ چنانچہ وہ سب شکست کھا گئے اور یہودی اس علاقے سے کہیں زیادہ علاقہ ہتھیانے میں کامیاب ہو گئے۔ جو انھیں اقوام متحدہ نے تفویض کیا تھا۔ اس وقت سے کر آج تک عرب اپنے کئے کی سزا بھگت رہے ہیں۔

جنگ فلسطین کی شکست میں عربوں کے لئے بڑی عبرت تھی۔ اس جنگ نے بلاشائبہ تردید یہ ثابت کر دیا تھا کہ عرب غیر متحدہ کر نہ بیرونی سلطنتوں کے حریف ہو سکتے ہیں۔ اور نہ آبرومندانہ زندگی گذار سکتے ہیں۔ لیکن انھوں نے اس سے کوئی سبق حاصل نہ کیا۔ اور ان کے دل بدستور ایک دوسرے سے پھٹے ہوئے ہیں۔ یہودی اس نفاق کا فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں۔ اور کبھی اس سرحد پر اور کبھی اس سرحد پر حملے کر کے اکا دکا عرب ملک کو مصروف پیکار رکھتے ہیں۔ انھوں نے اب تک عربوں کو چین سے بیٹھنے نہیں دیا۔ ان کی کوشش یہ نظر آتی ہے کہ آئے دن ہنگامے برپا کرتے رہیں۔ تاکہ تنگ آکر عرب ان سے مفاہمت کر لیں۔ اور ان کی حکومت تسلیم کر لیں۔ یہودی یہ نتیجہ پیدا کر سکیں گے یا نہیں مگر انھوں نے ہنگامی طور پر اپنے علاقہ میں تھوڑی بہت اور توسیع کر لی ہے۔ عربوں نے اس دوران میں یہودیوں سے براہ راست مذاکرات نہیں کئے۔ اور نہ انھیں تسلیم کیا۔ البتہ اقوام متحدہ کے نمائندوں کی وساطت سے وقتاً فوقتاً گفتگو ہوتی رہتی ہے۔ اور ایسے فیصلے ہوتے رہتے ہیں کہ جن کا فریقین کو پابند سمجھا جاتا ہے۔ ان کا مطالبہ یہ رہا ہے کہ یہودی ان دس لاکھ عرب مہاجرین کو واپس لے لیں۔ جو جنگ سے پیشتر ان کے علاقے میں آباد تھے۔ نیز وہ اپنی حدود کو اقوام متحدہ کی قرارداد کے مطابق کر لیں اور زائد علاقے عربوں کو دیدیں۔ یہ مطالبات نہ یہودیوں نے تسلیم کئے اور نہ عرب تسلیم کرا سکے جنگ کے بعد یہ دوسری ناکامی تھی جس کا منہ عربوں کو دیکھنا پڑا۔ اس کی وجہ بھی وہی تھی جو جنگ میں ان کی شکست کا باعث بنی تھی یعنی باہمی تشتت و افتراق۔ لیکن عربوں نے نہ پہلی ناکامی سے سبق سیکھا۔ اور نہ دوسری ناکامی سے۔

ان حالات نے مشرق وسطیٰ میں ایک مستقل کشیدگی کی صورت پیدا کر دی ہے۔ کیونکہ یہ علاقے عالمی سیاست میں بڑی اہمیت کے مالک ہیں۔ اس لئے کشیدگی بین الاقوامی توجہ کا مرکز بن گئی ہے۔ روس اس صورت حال کو دیکھ کر کئی طریقوں سے اپنے آدمی بھیج کر اپنے حق میں فضا سازگار کر رہا ہے۔ وہ وطنی اقتضاآت پر زور دے کر جذبات و نظریات کو اقوام مغرب کے خلاف ابھار رہا ہے۔ یہ اس کے لئے نہایت آسان کام ہے۔ کیونکہ اقوام مغرب کی غلامی میں رہنے کی بدولت ان علاقوں میں مغرب کے خلاف جذبات پائے جاتے ہیں۔ اس پروپیگنڈے میں ہندوستان روس کا ہاتھ بٹا رہا ہے۔ روس فکری انتشار پیدا کر کے رائے عامہ کو اپنے حریفوں کے خلاف لہٰذا اپنے حق میں کرنا چاہتا ہے۔ اور ہندوستان کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان بحیثیت مسلمان باہمی طور پر متحد نہ ہوں۔ بلکہ اپنے آپ کو ایشیائی کہلا کر اس کی قیادت تسلیم کر لیں۔ یہ ملی بھگت "غیر جانبداری" کا تصور پیدا کر رہی ہے کہنے کو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مشرق و مغرب کی کشمکش میں کسی ایک فریق کا بھی ساتھ نہ دیا جائے۔ لیکن عملاً اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ممالک اقوام مغرب سے کٹ جائیں۔ اور جو فوائد اقوام مغرب سے انھیں حاصل ہیں۔ وہ ان سے محروم ہو جائیں۔ تاکہ وہ بالکل ان کے رحم و کرم پر ہو جائیں۔ ہندوستان کی اپنی یہ حالت ہے کہ وہ اقوام مغرب بالخصوص امریکہ سے بھاری مقدار میں معاشی امداد لے رہا ہے۔ لیکن عربوں میں وہ غیر جانبداری کا تخم خبیث بو رہا ہے۔ تاکہ وہ کمزور رہیں۔ عرب کیا تمام مسلمان ممالک کی حالت یہ ہے کہ وہ معاشی طور پر پسماندہ ہیں۔ اور عسکری طور پر کمزور۔ یہ دوگونہ کمزوری

امریکہ کی معاشی اور عسکری امداد سے ہی دور ہو سکتی ہے۔ کیونکہ مسلمان ممالک مل کر اتنے سرمائے اور ذرائع کے مالک نہیں ہو سکتے کہ وہ اس کا مداوا کر لیں۔ نیز عالمی سیاست میں جو تند و تیز آندھیاں چل رہی ہیں۔ ان میں کمزور ممالک کا برقرار رہنا از قبیل محالات ہے۔ مشرق وسطیٰ یا ایشیا کا کوئی ملک اگر یہ سمجھتا ہے کہ وہ صحیح معنوں میں غیر جانبدار رہ سکتا ہے تو وہ بڑے خطرناک دھوکے میں مبتلا ہے۔ ہندوستان جیسا غیر جانبدار بھی صحیح معنوں میں غیر جانبدار نہیں۔ مسلمانوں کی حیثیت تو خاص ہے۔ محل وقوع کے اعتبار سے وہ اتنی اہمیت کے مالک ہیں کہ ان کا غیر جانبدار رہنا از قبیل محالات ہے۔ نیز موجودہ معاشی اور عسکری بدحالی کی زندگی گذارتے چلے جانا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ لہٰذا وہ مجبور ہیں کہ کسی بڑی قوم روس یا امریکہ کا ساتھ دیں۔

یہ ظاہر ہے کہ جب بڑی قوم سے بھی رشتہ جوڑا جائے اس سے اس قوم کو جو فائدہ ہو سو ہو کم از کم ہمیں یہ فائدہ ضرور حاصل ہونا چاہیئے کہ ہماری دوگونہ کمزوری رفع ہونے کے امکانات روشن ہو جائیں۔ اس کے لئے دیکھنا ہوگا کہ یہ فائدہ کہاں سے حاصل ہو سکتا ہے؟ اس نقطہ نظر سے انتخاب کرتے وقت ہمیں جذبات کو ایک طرف کر کے حقائق کو برأی العین دیکھنا ہوگا۔ پہلے روس کو لیجئے۔ روس آج تک کسی غیر قوم کو مدد نہیں دے سکا۔ اس نے جو مثال قائم کی ہے وہ یورپ کے حلقہ بگوش ممالک میں دیکھی جا سکتی ہے۔ یہ ممالک کلیتہً اس کے تصرف میں ہیں۔ اور وہاں کمیونزم کا نظام رائج ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ روس انھیں کس قدر مدد دے رہا ہے لیکن یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ وہ واقعی ایسا کر رہا ہے تو بھی یہ سودا بڑا مہنگا نظر آتا ہے۔ کوئی ملک بخوشی دوسرے کا غلام نہیں ہو سکتا۔ مسلمان ممالک کو سیاسی غلامی سے کہیں زیادہ کمیونزم سے خطرہ ہے۔ وہ مسلمان رہ کر کمیونزم طرز زندگی قبول نہیں کر سکتے۔ لہٰذا روس سے استمداد کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ کیونکہ اول تو مطلوبہ مدد کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ دوسرے جو بھی مدد ملے گی اس کے ساتھ سیاسی استیلا اور تصوراتی آمریت لامحالہ آئیں گے۔ مسلمان یہ سودا کبھی نہیں کر سکتے۔

روس کے مقابلہ میں امریکہ ہے۔ امریکہ دوست ممالک یورپی اور ایشیائی دولوں کی مدد کرتا چلا آرہا ہے۔ اس کی مدد معاشی بھی ہے اور عسکری بھی۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اس نے جس نیت سے بھی مدد دی ہو۔ اس سے عملاً نہ سیاسی غلامی آئی۔ نہ تصوراتی آمریت کا سوال پیدا ہوا۔ سطور بالا کے بعد اس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہ جاتی کہ مسلمان ممالک کا مفاد امریکہ سے معاہدہ کرنے میں ہے۔ لیکن اس کے خلاف دو اعتراضات کئے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ امریکہ سے رابطہ پیدا کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ جن استعماری اثرات سے مشرق وسطیٰ کے ممالک آزاد ہوئے ہیں یا ہو رہے ہیں۔ وہ پھر سے عود کر آئیں گے۔ اس اعتراض کی حیثیت جذباتی ہے۔ دو آزاد قومیں جنھیں اپنے فوائد اور نقصانات کا مناسب شعور ہو اپنے مفاد کی خاطر ایک دوسرے کی معاون ہو سکتی ہیں بین الاقوامی میدان میں ایسا ہی ہوتا رہا ہے اور ہو رہا ہے اس میں استعماریت کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہم کمزور ہوتے ہوئے اس معاہدے کو پوری طرح مفید مطلب نہیں بنا سکیں گے۔ یہ ایک حد تک درست ہے۔ لیکن اس کا علاج موجود ہے۔ امریکہ سے استمداد کا یہ مطلب نہیں کہ وہ یکطرفہ ہو اور ہم اس کے ضمیمہ بردار بن جائیں۔ ہم امریکہ سے مدد لیتے ہیں تو اسے اپنی مدد پیش بھی کرتے ہیں۔ ہمیں امریکہ کی ضرورت ہے تو امریکہ کو ہماری بھی ضرورت ہے۔ لہٰذا ہمارے معاہدے کا مطلب یہ ہے کہ تم ہماری مدد کرو ہم تمہاری مدد کریں گے۔ اس سودے سے پوری طرح فائدہ اٹھانے کے لئے مسلمانوں کو متحد ہونا چاہیئے وہ متحد ہو کر ہی عمومی مطالبات مرتب کر کے امریکہ سے منوا سکتے ہیں۔ امریکہ اس اتحاد کو کبھی نہیں ٹھکرا سکے گا۔ کیونکہ اسے مسلمان ممالک سے جو فوائد حاصل ہو سکتے ہیں وہ اسی اتحاد کے ذریعہ حاصل ہو سکتے ہیں۔ وہ یقیناً اس اتحاد سے سودا کرے گا۔ اور اس کا اپنی غرض کے لئے احترام بھی کرے گا۔ وہ جتنا اس کا احترام کرے گا ہم اتنا ہی اس سے فائدہ حاصل کر سکیں گے۔ گویا تنہا معاہدہ کرنے میں ایک ملک کے لئے جس خطرے کا احتمال ہو سکتا ہے۔ متحدہ صورت میں اس کا امکان باقی نہیں رہے گا۔ مثال کے طور پر دیکھئے کہ اس وقت مراکش میں امریکہ کے فوجی اڈے ہیں۔ یہ اڈے اسے فرانس کی وساطت سے ملے ہیں۔ ظاہر ہے کہ امریکہ اڈوں کی خاطر اس کا متمنی ہوگا کہ جس فرانس نے اسے اڈے دیئے ہیں وہ موجود رہے تاکہ اس کا مفاد بھی محفوظ رہے۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ امریکہ مراکش پر استعماری فرانس کے تسلط کے حق میں ہے۔ اگر کسی طرح یہ صورت پیدا ہو جائے کہ امریکہ مطلوبہ مراعات ہم سے براہ راست حاصل کر سکے تو وہ فرانس کے بجائے ہمارے پاس آئے گا۔ اور ہمارے ساتھ معاملے کرے گا۔ ہم اس وقت اس سے اپنے مفاد کی رو سے برابری کا سودا کر سکیں گے۔ ہم ایک مرتبہ اس قسم کی تنظیم پیدا کر لیں۔ تو بین الاقوامی میدان میں ہماری ساکھ بڑھ جائے گی۔ اور بڑی قومیں ہمارے ساتھ بہتر بلکہ مساویانہ سلوک روا رکھنے پر مجبور ہو جائیں گی۔

دوسرا اعتراض امریکہ سے معاہدے پر یہ ہوتا ہے کہ اگر ہم روس کی کمیونزم کے خلاف ہیں تو امریکہ کی سرمایہ داری کو بھی اسلامی نہیں سمجھتے۔ لہٰذا اسلام اور سرمایہ داری کا گٹھ جوڑ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ اعتراض بدیہی طور پر غلط ہے کیونکہ امریکہ نہ نظام سرمایہ داری کا سودا کر رہا ہے اور نہ وہ اپنے معاہد ممالک پر اس نظام کو مسلط کرنے پر ادھار کھائے بیٹھا ہے نیز اس سے معاہدہ کرنے سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ ہم اس کا نظام بھی قبول کریں یا اسے اسلامی قرار دے لیں۔ ہم اس سے معاہدہ کرنے کے باوجود اپنے ہاں اسلامی اصولوں کے نفاذ میں آزاد ہوں گے۔ امریکہ سے معاہدے میں آئیڈیالوجی کا سوال اگر آتا ہے تو صرف اس قدر کہ وہ بھی کمیونزم کا حریف ہے۔ اور ہم بھی۔ وہ سیاسی مصلحت کے تحت کمیونزم کو روکنا چاہتا ہے تو ہم دینی اعتبار سے اس کے خلاف ہیں یعنی امریکہ اگر کل اس مخالفت کو ترک بھی کر دے تو لادینیت کے اس سیلاب سے ہمارا اتصادم بہرحال ہوگا۔ یہ طوفان بلا جس زور سے آرہا ہے ہم اس کے تنہا حریف نہیں ہو سکتے۔ لیکن امریکہ جیسے بڑے ملک کی مدد ہمیں حاصل ہو جائے تو ہمارا کام سہل ہو جائے گا۔

سطور بالا سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ مسلمانان عالم کی اولین ضرورت باہمی اتحاد ہے۔ اس اتحاد کے بل بوتے پر وہ ہر بڑی قوم سے مساویانہ معاہدہ کر سکتے ہیں اور اپنی معاشی پسماندگی اور عسکری کمزوریوں کا مداوا کر سکتے ہیں لیکن یہ مدد انھیں تن تنہا امریکہ سے مل سکتی ہے کہیں اور نہیں۔ گویا مسلمانان عالم کو متحد ہو کر اپنے مفاد کی خاطر امریکہ سے معاہدہ کرنا چاہیئے۔ اس طرح بین الاقوامی میدان میں انھیں بڑا قوی دوست مل جائے گا۔ اور وہ اس کی مدد سے اپنی حالت بھی بہتر بنا سکیں گے اور مظلوم مسلمانوں کی مدد کو بھی پہنچ سکیں گے۔

مندرجہ بالا بنیادوں پر ایک تحریک شروع ہو چکی ہے۔ اور ترکی اور عراق اور ترکی اور پاکستان ایسے معاہدے کر چکے ہیں جو وحدت عالم اسلامی کی اساس بن سکتے ہیں۔ لیکن اس اقدام کی بھی مخالفت کی گئی ہے۔ اس مخالفت کے اسباب بھی ہیں جو اوپر بیان کئے گئے ہیں۔ اس معاہدے کی مخالفت میں پیش پیش مصر ہے۔ اب تک اس مخالفت سے اغیار کے مفاد ہی کو فائدہ پہنچا ہے کیونکہ اس سے وحدت عمل کی رفتار بھی سست ہو گئی ہے۔ اور مصر عمومی مفاد کو دیکھتا یا اب بھی دیکھ لے تو یہی معاہدہ اس حکمت عملی کی اساس ثابت ہو سکتا ہے جس کا خاکہ اوپر پیش کیا گیا ہے۔

ہم سمجھتے ہیں ممالک اسلامیہ کے لئے بالعموم اور مصر اور دیگر ممالک عربیہ کے لئے بالخصوص اس سدی پالیسی پر نظر ثانی کرنے کا عمدہ موقعہ آگیا ہے۔ امریکہ نے حال ہی میں چند تجاویز پیش کی ہیں۔ یہ تجاویز یہودیوں سے پیدا شدہ کشیدگی کو کم کرنے کی نیت سے کی گئی ہیں۔ تجاویز مختصراً یہ ہیں (۱) یہودی عرب مہاجرین کو معاوضہ دیں۔ اگر اس کے لئے انھیں سرمایہ کی ضرورت ہو تو امریکہ مدد کے لئے تیار ہے (۲) سرحدی تنازعات کو کم کرنے کے لئے سرحدات کا از سر نو تعین کیا جائے (۳) نئی سرحدوں کو توڑنے والوں کے خلاف اجتماعی کارروائی کی جائے۔ عربی نقطہ نگاہ سے یہ تجویز بوجوہ ناقابل تسلیم ہے۔ لیکن سوال اس کے موجودہ شکل میں قابل قبول یا قابل استرداد ہونے کا نہیں بلکہ غور طلب بات یہ ہے کہ امریکہ نے عمومی تصفیے کے لئے سلسلہ جنبانی کی ہے۔ اور اگر اس وقت مسلمان ایک مرکز پر جمع ہو جائیں۔ اور وہ ایک متفقہ لائحہ عمل تیار کر لیں تو وہ اس کی بنا پر امریکہ سے معاملہ کر سکتے ہیں۔ موجودہ تجویز حرف آخر نہیں۔ باہمی اتحاد اور مزید مذاکرات سے اس میں اپنے مفاد کے مطابق مناسب ترمیمات کی جا سکتی ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ہم متحد ہو گئے تو امریکہ ہمارے مطالبات ماننے پر مجبور ہو جائے گا۔ اور بدسلوکی کرنا تو در کنار ہم سے بے اعتنائی

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

مجلسِ اقبال

مثنوی اسرارِ خودی
(باب اول مسلسل)

اس کے بعد ارشاد ہے۔

سبزہ چوں تاب دمید از خویش یافت ہمتِ او سینۂ گلشن شگافت

سبزہ کی ہستی کیا ہے؟ ایک پرِکاہ۔ لیکن یہ پرِکاہ جب استحکامِ خویش سے اپنے اندر نشوونما کی قوت فراہم کرلیتا ہے تو وہ سینۂ چمن کو چیر کے باہر نکل آتا ہے۔

شمع ہم خود را بخود زنجیر کرد خویش را از ذرہ ہا تعمیر کرد

شمع کیا ہے؟ اس کے سوا کچھ نہیں کہ روشنی نے اپنے اوپر کچھ پابندیاں عاید کرلی ہیں۔ مختلف ذرات موم کی شکل میں اکٹھے ہوئے۔ مختلف ریشوں نے اکٹھا ہو کر تاگے کی شکل اختیار کرلی۔ اس سے شمع وجود میں آئی۔ اب رہی اسکی روشنی، سو سائنسداں ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ ہم روشنی کو اس لئے دیکھ پاتے ہیں کہ وہ فضا میں پھیلے ہوئے بےشمار ذروں کو منور کرتی ہے جسے ہم روشنی کی کرن کہتے ہیں وہ درحقیقت یہی چمکتے ہوئے ذرات ہوتے ہیں۔ جنھیں ہماری آنکھ دیکھتی ہے۔ لہٰذا جسے ہم شمع اور اس کی روشنی کہتے ہیں۔ وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ چند ذرات نے اپنے اوپر نظم و ضبط اور آئین و قوانین کی پابندیاں عاید کر رکھی ہیں۔

اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ:-

خودگدازی پیشہ کرد از خود رمید ہم چو اشک آخر ز چشمِ خود چکید

مختلف ذرات جمع ہوئے تو وہ شمع بن گئے۔ لیکن جب شمع نے اپنے آپ کو پگھلانا شروع کردیا۔ تو اس کا مقام اس سے چھن گیا۔ اور وہ اس طرح نابود ہوگئی جیسے آنکھ سے آنسو ٹپک کر زمین میں جذب ہو جاتا ہے۔ اور اپنی ہستی کھو دیتا ہے۔

گر بہ فطرت پختہ تر بودے نگیں از جراحت ہا بیاسودے نگیں

اگر وہ پتھر جس سے نگینہ بنایا جاتا ہے اپنی فطرت میں پختہ اور مستحکم ہوتا تو نقاش اس میں کسی قسم کا نقش نہ پیدا کرسکتا۔ لیکن چونکہ وہ نقاش کے نشتر کے مقابلہ میں کمزور ہوتا ہے۔ اس لئے اس میں غیر کا نام کھُد جاتا ہے۔ اور وہ عمر بھر دوسروں کے نام کو اپنے کاندھے پر لئے پھرتا ہے۔ اور اس بےغیرتی سے اسے کوئی نہیں بچا سکتا۔

می شود سرمایہ دارِ نامِ غیر دوشِ او مجروحِ بارِ نامِ غیر

اس کے بعد ایک اور مثال دیتے ہیں۔

چوں زمیں بر ہستیِ خود محکم است ماہ پابندِ طواف پیہم است

چونکہ زمین اپنی ذات میں محکم ہے۔ اس لئے چاند ہمیشہ اس کے گرد طواف کرتا رہتا ہے۔

ہستیِ مہر از زمیں محکم تر است پس زمیں مسحورِ چشمِ خاور است

چونکہ سورج کی ہستی زمین سے زیادہ محکم ہے۔ اس لئے زمین سورج کے گرد دیوانہ وار چکر کاٹتی ہے۔

جنبش از مژگان بَرد شانِ چنار مایہ دار از سطوتِ او کوہسار

تار و پودِ کسوتِ او آتش است اصلِ او یک دانۂ گردن کش است

چنار کو دیکھئے۔ اس قدر بلند و بالا کہ ایک دفعہ اس پر نگاہ پڑ جائے۔ تو پھر آنکھ جھپکنے کو جی نہیں چاہتا انسان محوِ حیرت رہ جاتا ہے کہ اس نے یہ شان و عظمت کہاں سے پائی؟ ایسی شان و عظمت کہ جو خود کہسار کے لئے وجہِ شوکت و حشمت ہو۔ اس کی لکڑی۔ تنا۔ چھال۔ غرضیکہ اس کے پیکر کی ساری پوشاک آتشیں ہوتی ہے۔ لیکن اس کی اصل ایک ننھا سا بیج ہوتا ہے۔ جو زمین کی مٹی میں دب کر سرنگوں نہیں ہو جاتا۔ بلکہ پوری قوت سے اپنی گردن اٹھاتا ہے۔ سینۂ زمین کو شق کرکے باہر آتا ہے۔ اور اپنے زورِ دروں سے اس قدر بلند و بالا چنار بن جاتا ہے۔ مختصراً یوں سمجھئے کہ

چوں خودی آرد بہم نیروئے زیست می کشاید قلزمے از جوئے زیست

جب خودی زندگی کی توانائیوں کا باعث بن جاتی ہے۔ اور ان کو یکجا کرکے کسی ایک پیکر میں جمع کر دیتی ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زندگی کی ایک جوئے تنگ، ساحل نا آشنا سمندر میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ کائنات میں استحکام اور وسعت، خودی کے زور پر ہوتی ہے۔ اگر خودی ضعیف ہو تو نہ زندگی میں توانائی ہوتی ہے نہ وسعت۔

اس شعر پر اسرارِ خودی کا پہلا باب ختم ہوتا ہے۔

باب دوم
در بیان ایں کہ حیاتِ خودی از تخلیق و تولیدِ مقاصد است

گزشتہ باب میں حضرت علامہ یہ بتا چکے ہیں کہ یہ تمام کائنات اور زندگی سب، خودی کی نمود ہے۔ جس قدر خودی مستحکم ہوتی ہے۔ اسی قدر زندگی میں قوت اور توانائی ہوتی ہے۔ جس کی خودی ضعیف ہو جائے اسے نہ سرفرازی نصیب ہو سکتی ہے۔ اور نہ توانائی۔ اب اس باب میں وہ یہ بتاتے ہیں کہ خود خودی کی حیات کا راز کس بات میں ہے۔ اس سوال کے جواب میں حضرت علامہ نے جو کچھ کہا ہے وہ درحقیقت ان کے پورے فلسفہ کا نقطۂ ماسکہ اور ان کے سارے پیغام کا مرکزِ فکر ہے۔ وہ کہتے یہ ہیں کہ انسان کے سامنے زندگی کا ایک متعین مقصد ہونا چاہیئے۔ اور پھر اس مقصد کے حصول کی تڑپ، ان کے نزدیک خودی کی زندگی کا دار و مدار تخلیقِ مقاصد پر ہے۔ جس قدر مقاصد ہمارے سامنے ہونگے اسی نسبت سے ہماری خودی زندہ توانا اور پائندہ ہوگی۔ مقصد کے حصول کی تڑپ کا نام ان کی اصطلاح میں آرزو ہے۔ تعینِ مقصد فی ذاتہ بےمعنی چیز ہے۔ اگر اس کے بعد اس کے حصول کی تڑپ انسان کے دل میں نہیں ہے۔ لہٰذا خودی کی زندگی کا راز مقاصد اور آرزوؤں کے اندر ہے۔ ان کے نزدیک ہر وہ تصورِ حیات جو کائنات اور انسانی زندگی کو بےمقصد بتاتا ہے یا جو انسان کو ترکِ آرزو یا ترکِ عمل سکھاتا ہے۔ وہ باطل ہے۔ اور انسانیت کے لئے ہلاکت کا موجب۔ اس اعتبار سے بدھ مت کا فلسفہ جو یہ بتاتا ہے کہ ترکِ آرزو ہی مقصدِ حیات ہے۔ کیونکہ ہر آرزو ایک تکلیف کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ اور جب تک انسان آرزوؤں کے بندھن سے چھٹکارا حاصل نہ کرلے، اسے نجات نہیں مل سکتی۔ یکسر باطل ہے۔ اسی طرح فلسفۂ ویدانت جو خودی کی نفی کو عین حیات کہتا ہے اور ترکِ علائق کو اس کے حصول کا ذریعہ بتاتا ہے۔ غیر حق ہے۔ ہمارا تصوف بھی اسی فلسفہ کی دوسری شکل ہے اس لئے یہ بھی حق کے خلاف ہے۔ قرآن اس حقیقتِ کبریٰ کا بار بار اعلان کرتا ہے کہ ہم نے پوری کی پوری کائنات کو بالحق پیدا کیا ہے۔ اسے یونہی بطور کھیل تماشا کے پیدا نہیں کر دیا۔ اس کے برعکس ہندو فلسفہ کہتا ہے کہ یہ ساری کائنات ایشور کی لیلا ہے۔ یعنی محض ایک ناٹک جس میں خود خدا سب سے بڑے ایکٹر کا پارٹ ادا کر رہا ہے۔ اس لئے ان کے ہاں ایشور کو نٹ راجن بھی کہتے ہیں۔ یعنی کھلاڑیوں کا بادشاہ۔ قرآن اس تصور کی سختی سے تردید کرتا ہے اور کہتا ہے کہ کائنات کی تخلیق کھیل تماشے کے لئے نہیں ہوئی۔ اسے ایک متعین مقصد کے ماتحت پیدا کیا گیا ہے۔ اسی طرح وہ کہتا ہے۔ کہ انسان کی زندگی بھی بےمقصد نہیں ہے۔ اس کے سامنے ایک عظیم مقصد ہے۔ جس کا حصول اس کی کامیابی ہے۔ اسی مقصد پر یقینِ محکم کو وہ ایمان قرار دیتا ہے۔ اور اسی کے حصول کے لئے جو قدم اٹھایا جائے، اسے عملِ صالح کی اصطلاح سے تعبیر کرتا ہے۔ انہی کو اقبال مقصد اور آرزو کی اصطلاح سے تعبیر کرتا ہے۔

چنانچہ وہ کہتا ہے کہ

زندگانی را بقا از مدعا است کاروانش را درا از مدعا است

زندگی کے استحکام اور بقا کا راز مقصد اور مدعا کے اندر ہے۔ یہی وہ جذبۂ محرکہ ہے۔ جو اس کے قافلہ کے لئے بانگِ رحیل، یعنی قافلہ کی روانگی کی گھنٹی بنتا ہے۔ اگر مقصد و مدعا نہ ہو تو انسانی زندگی میں کوئی حرکت پیدا نہ ہو اور جب حرکت پیدا نہ ہو تو خود زندگی بھی باقی نہ رہے۔

زندگی در جستجو پوشیدہ است اصلِ او در آرزو پوشیدہ است

زندگی نئے نئے راستوں کی تلاش کا نام ہے جو انسان کو اس کے مقصد کی طرف لے جاتے ہیں۔ اور یہ تلاش حصولِ مقصد کی تڑپ کے بغیر ناممکن ہے۔ اسی کو آرزو کہتے ہیں۔

عورت کا قرآن

(۲۵)

مولانا اسلم جیراجپوری کی تالیف "تعلیمات قرآن" پر تنقید کرتے ہوئے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے حافظ اسلم صاحب کے اس دعویٰ کی کہ اسلام نے غلامی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا ہے اسی بنا پر تردید کی اور فیصلہ دیا کہ حافظ صاحب نے غلط فرمایا ہے کہ اسلام نے "غلامی" کو ختم کر دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:۔

"مؤلف کی غلطی کا اصلی سبب یہ ہے کہ انھوں نے صرف قرآن سے غلامی کا قانون اخذ کرنے کی کوشش فرمائی ہے:"

(تفہیمات حصہ دوم صفحہ ۲۹۲)

اس میں کیا شبہ ہے! ایک مسلمان کی اس سے بڑی غلطی اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ "قرآن" کو مکمل ضابطہ حیات سمجھ کر زندگی کے قانون صرف اسی سے اخذ کرنے کی کوشش کرتا ہے! بہرحال، قرآن مجید نے "غلامی" کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا ہے۔ لہٰذا کوئی "مرد" کبھی کسی حالت میں بھی "غلام" بنایا جاسکتا ہے۔ اور نہ کوئی عورت چاہے وہ جنگ ہی میں کیوں نہ ہو، قید کر کے "لونڈی" بنائی جاسکتی ہے۔ اور اب جبکہ کوئی عورت لونڈی بنائی ہی نہیں جاسکتی تو اس سے نکاح کا مسئلہ ہی پیدا نہیں ہوتا لونڈی کے سلسلہ میں ایک اور بات ملاؤں نے گھڑ رکھی ہے۔ اور وہ یہ کہ "لونڈی" سے نکاح کئے بغیر "تمتع" حاصل کیا جاسکتا ہے۔ نہ صرف اتنا ہی بلکہ "لونڈی" کے لئے چار کی حد بھی ضروری نہیں ہے۔ مولانا مودودی صاحب سے کسی نے سوال کیا کہ:۔

لونڈیوں سے بلا نکاح "تمتع" شہوت رانی ہے اور اسلام اس کے خلاف ہے۔

تو انھوں نے فرمایا کہ:۔

"اسلامی شریعت میں نکاح کے لئے تو چار کی حد مقرر ہے۔ لیکن لونڈیوں کے لئے کوئی حد رکھی ہی نہیں۔ ... لونڈیوں سے تمتع کے لئے تعداد کی قید اس لئے نہیں لگائی گئی کہ ان عورتوں کی تعداد کا کوئی تعین ممکن نہیں ہے جو کسی جنگ میں گرفتار ہو کر آسکتی ہیں:" (تفہیمات حصہ دوم صفحہ ۳۱۹ و ۳۲۴)

"جنگ میں گرفتار ہونے والی عورتوں کے لئے ..... اس سے بہتر حل اور کیا ہو سکتا ہے کہ جو عورت حکومت کی طرف سے جس شخص کی ملکیت میں دی جائے اس کے ساتھ اس شخص کو جنسی تعلقات قائم کرنے کا قانونی حق دیدیا جائے۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو یہ عورتیں ملک میں بداخلاقی پھیلانے کا ایک مستقل ذریعہ بن جاتیں:" (صفحہ ۳۲۳)

"حکومت کو اختیار ہے کہ چاہے .... تو انھیں سپاہیوں میں تقسیم کر دے اور سپاہی انھیں اپنے استعمال میں لائیں:" (صفحہ ۳۴۰)

"حق ملکیت کی بنا پر تمتع کی اجازت، قرآن مجید کی متعدد آیات میں صریح طور پر وارد ہوئی ہے:" (صفحہ ۳۰۸)

ذرا سوچئے یہ ایک "مسلمان" عالم کی تحریر ہے۔ جو تمام مسلمانوں کے قائد اور راہنما بنتے ہیں۔ اور جس میں عورت کو بھیڑ بکری سے بھی زیادہ ذلیل و حقیر سمجھ کر اس سے تمتع، بلا معاوضہ تمتع، بلا تعداد تمتع حاصل کرنے کی اجازت پر قرآن مجید کو گواہ بنایا جا رہا ہے۔ اب ذرا ایک "ہندو" کی تحریر ملاحظہ ہو۔ جو مولانا مالک رام اپنی کتاب "عورت اور اسلامی تعلیم" میں فرماتے ہیں:۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ایسی لونڈیوں سے باقاعدہ نکاح کی ضرورت نہیں انھیں نکاح کے بغیر ہی بیوی کی طرح رکھ لیا جاسکتا ہے۔ لیکن یہ معنی قرآن اور خود سنت رسول اللہ صلعم کے خلاف ہیں۔ اسی سورۂ نساء میں آگے چل کر حکم ہوتا ہے:۔

"اور اگر تم میں سے کسی کو استطاعت نہ ہو کہ وہ آزاد مومنہ عورتوں سے نکاح کر سکے تو وہ ان مومنہ لونڈیوں سے نکاح کرے جو جنگ میں اسیر ہو کر تمہارے قبضہ میں آئی ہیں:" (نساء ۴)

یہ حکم اس لئے دیا کہ محض اس وجہ سے کہ یہ عورتیں شامت اعمال سے قیدی ہو کر تمہارے قبضے میں آگئی ہیں۔ تم ان سے نفرت نہ کرو۔ اور انھیں اپنے نکاح میں لے لو۔ ... خود رسول کریمؐ نے حضرت صفیہ سے جو مذہباً یہودیہ تھیں۔ اور غزوہ خیبر میں اسیر ہو کر آئی تھیں۔ اور حضرت جویریہ سے جو بنی مصطلق کے امیر حارث کی بیٹی اور غزوہ مصطلق میں قید ہوئی تھیں نکاح کیا۔[۱] قرآن نے لونڈیوں سے نکاح کی شرائط بھی بیان کر دی ہیں:۔

"انھیں ان کے سرپرستوں کی اجازت سے اپنے نکاح میں لاؤ۔[۲] اور دستور کے مطابق ان کے مہران کے حوالے کر دو:" (نساء ۴)

گویا اول ان کے مالک کی اجازت ہو۔ دوم انھیں بھی مہر ادا کرو۔ بالکل ظاہر ہے کہ ان کا مہر آزاد عورت سے نسبتاً کم ہوگا۔ اور اگر خود مالک ہی اس سے نکاح کرے تو وہ بغیر مہر کے بھی ایسا کر سکتا ہے۔ کیونکہ لونڈی اس کی ملکیت ہے۔ لونڈی کی آزادی ہی اس کا مہر ہوگی۔ جیسے کہ خود حضرت رسول کریمؐ نے حضرت صفیہ بنت حی کے معاملہ میں کیا۔ ..... یہ درست ہے کہ قرآن لونڈی سے لونڈی کی حیثیت میں رہتے ہوئے نکاح کو زیادہ پسند نہیں کرتا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ فسق و فجور کی زندگی پسند کرتا ہے بلکہ اس نے "لَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ" (نور) کہہ کر انھیں زنا پر مجبور کرنے سے منع کیا ہے۔ اور نکاح کے بغیر تعلقات زناشوئی قائم کرنا زنا ہے ....:

دیکھا؟ ایک مسلمان عالم "اسلام" کا قانون یہ بیان کرتا ہے کہ "لونڈی" سے بلا نکاح تمتع جائز ہے۔ اور قرآن کو گواہ بناتا ہے۔ مگر ایک ہندو جب قرآن کا مطالعہ کرتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ از روئے قرآن نکاح کے بغیر تعلقات زناشوئی قائم کرنا زنا ہے۔ بہرحال اسلام میں اب از روئے قرآن نہ تو کوئی عورت "لونڈی" بنائی جاسکتی ہے۔ اور نہ اس سے بلا نکاح تمتع حاصل کیا جاسکتا ہے۔

پسندیدہ عورت سے نکاح

نکاح کے لئے قرآن مجید نے بتایا ہے کہ "پسند کے مطابق" ہونا چاہیئے۔ بالفاظ دیگر "مرد" کو حکم دیا گیا ہے کہ جو عورت تم کو پسند ہو۔ اس سے نکاح کرو۔ پسندیدگی کا انحصار ہے "عورت" کو دیکھنے پر۔ یعنی پسند ناپسند کا فیصلہ عورت کو دیکھے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔ اور اپنی عورت کو دیکھنا جس کو دیکھ کر نکاح کا فیصلہ کرنا ہے اسی وقت ممکن ہے جب بقول امام مالک رحمۃ اللہ علیہ خود "عورت" کی بھی مرضی ہو۔ یعنی عورت کو نکاح اور اس کی اہمیت کا پورا پورا علم اور احساس ہو۔ اس طور پر گویا، قرآن مجید صغیر سنی کی شادی کو جائز نہیں قرار دیتا۔ نیز اسلام میں ایسا پردہ جائز نہیں رکھتا کہ کوئی مرد کسی عورت کو دیکھ ہی نہ سکے۔ نیز اسلام عورت اور مرد دونوں کو اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر اور پسند کر کے ہی نکاح کریں۔ مگر برخلاف اس کے اگر مغرب میں "کورٹ شپ" کا رواج ہو گیا تو مشرق میں یہ دستور ہو گیا کہ عورت بے دیکھے سنے، بے جانے بوجھے بلکہ بلا علم و واقفیت کسی کی بیوی بن جائے یا بنادی جائے۔ حالانکہ دیکھنے کی اجازت دینے میں مصلحت یہی تھی کہ مرد اور عورت دونوں اپنے اپنے رفیق حیات اور شریک زندگی کی عمر نیز ان کے ظاہری حسن و عیب اور شکل و صورت سے واقف ہو جائیں۔ تاکہ ان میں ہمیشہ خوشگوار تعلقات قائم رہیں۔ اور ایسا نہ ہو کہ بے دیکھے نکاح کر لیں اور اس طرح نکاح کے بعد دیکھا ہوں تو کوئی ظاہری حسن و عیب ان کی ناگواری کا باعث ہو اور اس طور پر "نہ دیکھنا" ان کے درمیان بہانہ مفارقت اور سبب جدائی بن جائے۔

اسلامی معاشرت
مسلمان کے اخلاق و عادات کا خاکہ
قیمت:۔ دو روپے

[۱] اگر واقعی لونڈی یا اسیر جنگ عورت سے نکاح ضروری نہیں تو رسول اللہ صلعم نے ایسا کیوں کیا؟ [۲] بھلا اس واضح حکم کے بعد کیسے کہا جاتا ہے کہ لونڈی سے نکاح ضروری نہیں۔

اسلامی نظام میں مال کی حیثیت

(از:- محترم محب الدین خطیب مصری)

محترم خطیب مصری کا یہ مضمون، قاہرہ کے ماہوار مجلہ الازہر میں شائع ہوا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ صاحب مضمون کے سامنے قرآن کا وہ نظام نہیں جس میں مال کا صحیح صحیح مقام متعین ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ اس نظام کا کوئی متعین نقشہ تاریخ پیش نہیں کرتی اور قرآن کو صحیح طور پر سمجھا نہیں جا سکتا جب تک اسے روایات سے بلند تر تصور نہ کیا جائے۔ بایں ہمہ، اس مضمون میں انہوں نے کوشش کی ہے کہ مال کو ملت کی اجتماعی بہبود کا ذریعہ قرار دیا جائے۔ ہم اس مضمون کو اس غرض سے شائع کر رہے ہیں کہ یہ معلوم ہو سکے کہ مصر جیسے مذہبی عقائد سے سخت قدامت پسند ملک میں بھی اب فکری رجحانات کیا ہیں۔ اگر اسے اس نقطۂ نگاہ سے پڑھا جائے تو ہمارا خیال ہے کہ اس کا مطالعہ فائدہ سے خالی نہیں ہوگا۔ (طلوع اسلام)

مجلہ لائف (امریکہ) نے لکھا ہے کہ

"اسلام محض ایک رسمی دین نہیں۔ یہ ایک زندگی کا نظام ہے، فلسفہ ہے اور مدافعت کن قوت ہے جس کی نظیر مغربی دنیا میں نہیں مل سکتی۔"

اسلامی صحافت پر لازم ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً اسلام کے متعلق اہل مغرب کو بتاتے رہیں کہ اسلام کس طرح ایک نظام زندگی ہے اور کس طرح ایک مدافعت کن قوت ہے تاکہ وہ اپنی اجتماعیت کو اسلام کی راہوں کی طرف متوجہ کر سکیں جس کے راستے ان کی استعماریت برابر روک بن کر کھڑی ہوئی رہتی ہے۔ نیز اس لئے کہ وہ یکجہتی کے ساتھ اسلام کی طرف بڑھ سکیں کیونکہ وہ آج تک الگ الگ مختلف راستوں میں بھٹکتے رہے ہیں۔

نظام اسلام کے لفظ سے ابتداءً ذہن انسانی جس چیز کی طرف متوجہ ہوتا ہے وہ اسلام کا مالی نظام ہے۔ اسی لئے کہ یہی وہ چیز ہے جو انسان کو سب سے زیادہ اپنی طرف جذب کئے رکھتی ہے اور یہی وہ مطلوب ہے جسے زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کیلئے ہر انسان مشقتیں برداشت کرتا ہے۔ لہٰذا جو لوگ حصول مال کے لئے سرگرداں رہتے ہیں ان کے لئے اس بات کا علم ہو جانا بہتر ہوگا کہ اس باب میں اسلام کا حکم کیا ہے۔ تاکہ ان کی کدوکاوش اسلامی طریق کار کے مطابق ہو اور اس طرح وہ دوہری سعادت کو جمع کر لیں۔ یعنی دنیا کی سعادت کو بھی اور آخرت کی سعادت کو بھی۔

انسانیت آج تک کسی ایسے نظام سے روشناس نہیں ہوئی جو نظام اسلام سے زیادہ دقیق تر اور عظیم تر ہو۔ یہ نظام ہر مسلمان پر اس بات کو واجب قرار دیتا ہے کہ وہ تحصیل مال میں حق کی جستجو اور پاکیزگی کی تلاش کرے۔ تاکہ وہ مال اسلامی نقطۂ نظر سے مال حلال ہو سکے۔ اس بارہ میں رسول اللہ صلعم کے ارشادات و اوامر اور صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم کی سیرتوں میں ان ارشادات کے عکسی نمونے اتنی مقدار میں ملتے ہیں کہ ان سے مستنبط شدہ احکام فقہ اسلامی اور آداب شرعیہ کی ضخیم کتابوں کے معتد بہ حصہ پر پھیلے ہوئے ملتے ہیں۔

مال کے بارہ میں اسلامی نظام کے حقائق میں سے پہلی حقیقت تو یہ ہے کہ وہ مال کو زندگی کا مقصد اور غایت بنا لینے کے سرچشمہ ہی کو چیلنج کرتا ہے تاکہ لوگ اس کی تحصیل اور ذخیرہ اندوزی میں اس حد تک نہ پہنچ جائیں جسے عام اصطلاح میں دولتمندی یا مالداری کہا جاتا ہے۔ دولتمندی یا مالداری ایک مبہم لفظ ہے جس کا نہ کوئی ثابت شدہ مفہوم ہے اور نہ ہی اس کی حدود متعین ہیں۔ کیونکہ ہر غنی آدمی اپنے سے غنی تر کے مقابلہ میں فقیر ہوتا ہے۔ اور ہر فقیر اپنے سے فقیر تر کے مقابلہ میں غنی ہوتا ہے۔ لہٰذا حصول غنا کے لئے مشقتیں برداشت کرنا اس اعتبار سے کہ مال ہی اس کا منتہیٰ و مقصود ہے ۔۔۔ تمام مشقتیں برداشت کرنیوالوں کو اس حد تک تو پہونچا نہیں سکتا کہ ہر مشقت کرنیوالا دنیا کے ہر غنی سے زیادہ غنی تر ہو جائے نتیجہ یہی ہوگا کہ ہر مشقت کرنے والا اپنے سے غنی تر کے مقابلہ میں فقیر ہی رہیگا۔ اس طرح انسانی کاوشیں ایک بیہودہ مطلوب کی تلاش میں ضائع ہوتی رہیں گی۔ اس کے پیچھے دوڑنا ایسا ہی ہوگا جیسا کوئی شخص گرداب کے ساتھ دوڑ لگانے کی کوشش کرے اس کے ساتھ دوڑنے میں کسی کو راحت نصیب نہیں ہو سکتی۔ کوئی جس قدر اس کے ساتھ دوڑنے کی کوشش کرے گا اتنا ہی وہ سعادت سے دور ہوتا چلا جائیگا۔ اور کسی ایک مقام پر ٹھہر جانے کے خوشگوار احساس سے بھی محروم ہو جائیگا۔

بلاشبہ غنا اور مالداری، اکثر فوں اور سرکشی ہوتی ہے اور یقیناً فقر کفر سے قریب تر منزل کا نام ہے۔ جو عداوتیں لوگوں کے درمیان بلکہ بسا اوقات ایک ہی خاندان کے افراد کے درمیان پیدا ہوتی ہیں وہ زیادہ تر مال کی محبت اور اس کو زندگی کا منتہیٰ اور مقصود بنا لینے اور قدر ضرورت سے زیادہ مال کی ذخیرہ اندوزی میں مسابقت کی کوششوں ہی سے ہوتی ہیں۔ کبھی یہ مسابقت لوگوں کے درمیان حد سے بڑھ جاتی ہے چنانچہ لوگ دوسروں پر ظلم کرنے لگتے ہیں۔ اور ان کی واقعی اور جائز ضروریات تک پر چھاپہ مارنے لگتے۔ یہاں تک کہ اجتماعیت جب اپنے لئے خود کوئی نظام تجویز کرتی ہے تو کوئی سا بھی نظام ہو اس میں انسانوں کی ایک دوسرے پر مال کی طلب میں ان زیادتیوں کو ہلکا سا جرم شمار کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ جس نظام میں مال کو زندگی کا منتہیٰ و مقصود ٹھہرا لیا جائے اس میں قدرۃً انسانی زندگی کی کوئی قیمت نہیں رہتی اور یہ جذبہ اس نظام میں زندگی بسر کرنے والوں کو ایک ایسے زیب آلود نشاط کی طرف دھکیل دیتا ہے جس کا مآل بڑا ہی دردناک ہوتا ہے ان پر اس سعادت کی تمام راہیں گم کر دیتا ہے، جو قناعت کے ساتھ کام کرنے والوں کے اطمینان قلب کا باعث ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مال کو زندگی کا منتہیٰ اور مقصود نہیں بنایا بلکہ اسے حصول مقاصد کا ایک ذریعہ قرار دیا ہے۔ یہ فرد کے لئے زندگی میں اس کی ضروری حاجتوں کو پورا کرنے کا وسیلہ اور عافیت و اطمینان کے ساتھ خاندان اور قبیلہ کی خوشگواریوں کا ذریعہ ہوتا ہے اس تصور کے ماتحت انسان کے قدم، نشاط، قناعت اور دلپسندیدگی کے ساتھ سلامتی اور بقاء کی طرف برابر بڑھتے رہتے ہیں۔ پھر اس کے بعد وہ ایک نظم اجتماعی میں کسی صالح نظام کو قائم کرنے کے لئے جماعت اور مملکت کو بھی ایک ذریعہ کا کام دیتا ہے نیز عام اور مشترک سہولتیں بکثرت مہیا کر دینے کا اور ان مخالف محرکات کی مدافعت کا بھی ذریعہ ہوتا ہے جو اس نظم اجتماعی کے لئے خطرہ کا موجب ہوں لہٰذا مال ــ ایک ذریعہ کی حیثیت سے ــ فرد کے لئے ضروری ہے اور اسلام نے مسلمانوں کو سعی، عمل اور کسب حلال کی ترغیب دلا کر اور انفرادی ملکیت کے حقوق کی ضمانت دے کر اس کے حصول کا شوق دلایا ہے نیز خاندان کے لئے بھی مال ضروری ہے۔ اسلام نے اس کے لئے نفقات کا ایک نظام قائم کیا ہے اور رشتہ داروں کے ساتھ مناسب سلوک کرنے کی فضیلت جتائی ہے۔ اسلام نے خاندانی بقاء کی فطری تمنا کا بھی احترام کیا ہے۔ اور ان کے لئے وراثت کا ایک نظام قائم کیا ہے۔ اس کے بعد جماعت اور مملکت کے لئے بھی مال کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے زکوٰۃ کا ایک نظام مقرر کیا اور اسے نماز، روزہ اور حج کی طرح اجتماعی عبادتوں میں سے ایک عبادت قرار دیا ہے[1]۔ اور چونکہ وسائل کی مقدار اور اہمیت

---

[1] یہ جتنی باتیں اوپر کہی گئی ہیں، اسلام کے صحیح نظام میں یہ صرف عبوری دور سے متعلق ہیں۔ قرآنی نظام کے قیام کے بعد صورت حالات بالکل مختلف ہو جاتی ہے۔ یہ نقطہ صاحب مضمون کے سامنے نہیں۔ طلوع اسلام۔

اس چیز کو سامنے رکھکر ہی ہو سکتی ہے کہ وہ کس درجہ تک ذریعہ اور وسیلہ ہے لہذا اسلام نے اس نظریہ کہ مال کس حد تک ایک فرد کی ضروریات زندگی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور وہ کونسی حد ہے جہاں پہنچکر وہ ذریعہ کی بجائے مقصود بن جاتا ہے اور وہ کونسا مقام ہے جہاں یہ مالداروں کے قبضہ میں بطور امانت کے رہتا ہے تاکہ اسے مصالح عامۃ میں خرچ کیا جا سکے بڑے ہی باریک فرق بتائے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہوگا کہ اس کے جائز اور ناجائز استعمال کے درمیان حدود فاصل کیا ہیں۔ بلکہ مال کو زندگی میں ذریعہ ماننے اور زندگی کا منتہیٰ اور مقصد تسلیم کرنے میں حدود فاصل کیا ہیں۔

امام نوویؒ نے بلند مرتبہ صحابی حضرت ابوذر غفاریؓ کے سوانح حیات بیان کرتے ہوئے اپنی کتاب تہذیب الاسماء میں لکھا ہے کہ ابوذرؓ کا مسلک یہ تھا کہ مسلمان پر اس مال کا جمع کرنا جو اس کی ضرورت سے زیادہ ہو حرام ہے۔ حافظ ابوعمر بن عبد البرؒ نے "استیعاب" میں حضرت ابوذرؓ کے حالات لکھتے ہوئے کہا ہے کہ ابوذرؓ سے بہت سے ایسے آثار منقول ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مسلک یہ تھا کہ جو مال جمع کیا جائے اور وہ اس فرد کی غذا اور ضروریات زندگی سے زیادہ ہو۔ تو اس مال کا جمع کرنے والا قابل مذمت ہے۔ اور سورہ توبہ کی یہ آیت کہ

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِىْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۚ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝

جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں مفاد عامہ کے لئے اسے کھلا نہیں چھوڑ دیتے۔ اے پیغمبر اسلام! تم ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی بشارت دے دو۔ جس دن جہنم کی آگ میں اس سونے اور چاندی کو تپایا جائے گا۔ اور پھر اس سے ان لوگوں کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پشتوں کو داغ دیا جائے گا اور کہا جائے گا۔ یہی تو ہے وہ سونا اور چاندی جسے تم اپنے لئے جمع کیا کرتے تھے۔ اب جو کچھ تم جمع کیا کرتے تھے اس کو چکھو۔ ایسے ہی لوگوں کے بارہ میں نازل ہوئی تھی۔ لیکن جمہور صحابہؓ نے اور بعد کے لوگوں نے ابوذرؓ کی مخالفت کی اور انھوں نے اس وعید والی آیت کو زکوٰۃ روا نہ کرنے والوں پر محمول کیا[1]

ابوذر غفاریؓ اس اُمتِ محمدیہ کے مسیح تھے جیسا کہ ان کے استاد اعظم معلم الخیر جناب رسول اللہ صلعم نے ایک مرتبہ ان کی تعریف میں فرمایا تھا۔ ان سے پہلے ایسا ہی مسلک حضرت مسیح عیسیٰ ابن مریم صلوٰۃ اللہ علیہ وسلم نے بھی پیش کیا تھا جب کہ آپ نے فرمایا تھا۔

سوئی کے ناکہ میں جہاز کے موٹے رسّے کا داخل ہو جانا آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ ایک مالدار آدمی آسمانوں کی ملکوت میں داخل ہو سکے۔[2]

حضرت ابوذر غفاری اور ان کے دوسرے بھائیوں یعنی حضرات صحابہ کے درمیان مال کو وسیلہ قرار دینے اور مال کو منتہیٰ اور مقصد قرار دینے کی اس تحدید میں جو اختلاف پیدا ہوا وہ حضرت عثمان ذی النورینؓ کے عہد خلافت میں رونما ہوا۔ خود امیر المومنین حضرت عثمانؓ ان اغنیا صحابہ میں سے تھے جن کی مالداری قحط سالیوں اور مصیبتوں میں پوری اُمت کا مداوا بن جایا کرتی تھی جن کی مالداری پوری اسلامی فوج کو اعانت کر لیتی تھی کہ جب مجاہد صحابی کے پاس سواری نہیں ہوتی تھی۔ اسے وہ سواری مہیا فرما دیتے تھے یہ کچھ اپنے اموال کی اس زکوٰۃ سے الگ ہوتا تھا جو ہر سال اسلامی بیت المال میں جمع کرتے تھے۔

علاوہ ازیں ان کے وہ بیشمار صدقات جن کو لوگوں کو علم بھی نہیں ہوتا تھا ان صدقات سے کہیں زیادہ ہوتے تھے جو منظرِ عام پر آجاتے تھے۔ حضرت عثمانؓ ہی نہیں حضرت علیؓ کا بھی اپنی زندگی کے نصف آخر میں اغنیاء صحابہؓ میں شمار ہوتا تھا۔ ابن حزم نے کہا ہے کہ ینبع میں جو حضرت علیؓ کی زمین تھی اس سے کھیتی باڑی کے علاوہ صرف کھجوریں ایک ہزار وسق سالانہ آیا کرتی تھیں۔ محمد بن کعب قرظی ــ جو ثقہ تابعین میں سے ہیں اور بڑے تقویٰ شعار عالم اور کثیر الحدیث ہیں ــ نے بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلعم کے عہد میں میں نے اپنے آپ کو دیکھا ہے کہ بھوک کی شدت کی وجہ سے میں اپنے پیٹ پر پتھر باندھا کرتا تھا۔ لیکن اب میرے مال کی زکوٰۃ سالانہ چالیس ہزار ہوتی ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں کروڑپتیوں میں شمار ہوتے تھے۔ اور وہ بھی اپنے دونوں بھائیوں یعنی حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کی طرح اپنے مالوں کی زکوٰۃ سے بیت المال کو بھر دیا کرتے تھے، اس کے علاوہ بہت سے مستور الحال گھرانوں میں ان کے صدقات اور میراث سے خوشی اور سرور کے چراغ جل جایا کرتے تھے۔ لیکن یہ مالدار صحابہؓ بھی۔ باوجودیکہ اپنے اموال کی زکوٰۃ بھی ادا کر دیتے تھے اور اپنی ملت کے بے شمار مفلوک الحال پر صدقات کرتے رہتے تھے۔ پھر بھی وہ اپنے گھروں میں ایک اوسط درجہ کی زندگی بسر کرتے تھے اور وہ سمجھتے تھے کہ اس اوسط درجہ کی زندگی میں جو کچھ ان کے پاس بچ جاتا ہے وہ ان کے ہاتھوں میں اللہ کی امانت ہے جسے وہ خوش حالی کے دنوں میں بدحالی کے دنوں کے لئے ذخیرہ کرتے ہیں اور جب وہ بدحالی کے دن آجاتے تو پھر مسلمانوں کی مجموعی ضروریات پوری کرتے ہیں۔ وہ انتہائی فراخ دلی۔ حوصلہ اور سخاوت سے خرچ کرتے تھے۔ وہ جب دیکھتے تھے کہ ملت کی مصلحت کو اس کثیر مدد کی ضرورت ہے تو وہ اپنے ان بابرکت مالوں کو اُمت کی صلح اور جنگ ہر حالت میں بے دریغ خرچ کر دیتے تھے۔

ان مالدار صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنے بھائی ابوذر غفاریؓ سے اس بارہ میں کوئی اختلاف نہیں تھا کہ مال کے بارہ میں اسلام کا نظام اس کو وسیلہ اور ذریعہ مانتا ہے اور اسے قطعاً زندگی کا منتہیٰ اور مقصود تسلیم نہیں کرتا۔ البتہ انھیں اس بارہ میں اختلاف تھا کہ اس وسیلہ کے معنی کی حد کیا ہونی چاہیئے۔ چنانچہ حضرت ابوذر غفاریؓ وسیلہ ہونے کی حیثیت سے مال کی ذخیرہ اندوزی کو منع کرتے ہیں۔ اور اسے وہ کنز شمار کرتے ہیں جس سے قیامت کے دن مالداروں کی پیشانیاں داغ دی جائیں گی۔ لیکن حضرت ابوذرؓ کے دوسرے بھائی اس وعید کو ان لوگوں پر محمول کرتے تھے جو اس ذخیرہ اندوزی اور مالداری کے واجبات و حقوق کو ادا کرنے میں کوتاہی برتتے ہیں۔ اور جو لوگ انفرادی ضرورتوں سے زیادہ مال میں امانت کے معنے کو سمجھنا نہیں چاہتے اور اس طرح اسراف اور فضول خرچی کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں اور اپنے زائد از ضرورت اموال کو ان مواقع میں استعمال نہیں کرتے جن میں ان کو استعمال کرنا خدا کی رضا کا سبب ہو سکتا تھا۔

اس کے بعد مال کے بارہ میں نظام اسلامی کے حقائق میں سے ہم دوسری حقیقت کا سامنا کرتے ہیں جو یہ ہے کہ مسلمان سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ اوسط درجہ کی زندگی بسر کرے جس میں نہ اسراف ہو نہ بخل ہو۔ نیز یہ کہ خود اس پر اور اس کے ماتحتوں پر ــ اولاد اور اقرباء پر ــ یہ بھی واجب ہے کہ وہ ترفہ اور تنعم کی ان چیزوں کے عادی ہونے سے دور رہیں جن کے بغیر بھی وہ گذارہ کر سکتے ہیں تاکہ ــ عادت کے مطابق ــ یہ چیزیں اس کی ضروریات میں داخل نہ ہو جائیں۔ اس طرح وہ اپنی حریت اور آزادی کے عناصر میں سے ایک اہم عنصر کو کھو دیں گے۔

آزادگی اور حریت کا شمار کمالات میں سے ہوتا ہے۔ درحقیقت آزادگی اور حریت خوش نصیبی اور سعادت کے سرچشموں میں سے ایک سرچشمہ ہے۔ حریت اور آزادگی

[1] خود حضرت ابوذر غفاریؓ اور ان کے مسلک کے مخالفین کے متعلق طلوع اسلام میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ طلوع اسلام

[2] سوال یہ ہے کہ حضرت عیسٰےؑ کا یہ ارشاد ایک وقتی فیصلہ تھا یا وحی کی بنا پر انسان کی معاشی زندگی کا محکم اصول تھا؟ ظاہر ہے کہ انسانی معاشرہ کے متعلق اتنا عظیم فیصلہ وحی کی بنا پر ہی ہو سکتا ہے قرآن نے خود اس تصور کی تائید کی ہے جب دولت جمع کرنے والوں کو جہنمی بتایا ہے لہذا حضرت ابوذر غفاری کا مسلک قرآنی تصور کے عین مطابق تھا۔ طلوع اسلام

غلامی اور پابندی کے مقابلہ میں اس طرح قابل ترجیح ہیں جس طرح ایک حکیم آدمی اپنی قوم کے لئے قوت اور طاقت کو ضعف اور کمزوری پر ترجیح دیتا ہے۔ امیر المومنین حضرت عمرؓ جب مسلمانوں کو تاکید فرماتے تھے کہ موٹی جھوٹی زندگی اختیار کرو۔ نعمتیں ہمیشہ نہیں رہا کرتیں ...... تو ان کا اس سے   یہی مقصد ہوتا تھا .... بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ آزادہ منشیٔ نفس کی حریت کے مراتب میں سے ایک بلند مرتبہ کا نام ہے۔ امام محمد بن ادریس شافعی میری آنکھوں میں سماجاتے ہیں کیونکہ وہ ان بلند مقاصد کو ہمیشہ اپنے ذہن میں رکھتے تھے۔ ان کا ایک مرتبہ ایک ایسے شخص پر گذر ہوا جو شہر فسطاط میں دریائے نیل کے کنارے بیٹھا وضو کر رہا تھا اور بے دردی اور اسراف کے ساتھ پانی بہا رہا تھا تو امام شافعیؒ نے اس اسراف سے اس کو منع کیا۔ ظاہر ہے کہ امام شافعیؒ کو یہ اندیشہ تو تھا نہیں کہ وضو کرنے والے کے اس اسراف سے دریائے نیل کے پانی میں کچھ کمی ہو جائے گی بلکہ انھیں اندیشہ یہ تھا کہ اگر یہ شخص آج وضو کرنے میں پانی کو یوں اسراف کے ساتھ بہانے کا عادی ہوگیا تو کل کو یہ شخص اپنے کھانے پینے اور پہننے میں اسی اسراف کا عادی ہوجائے گا۔ حالانکہ اسلام مسلمانوں کے متعلق اسے پسند نہیں کرتا کہ وہ اسراف کریں حق تعالیٰ نے قرآنی نص کے ساتھ مسلمانوں کو اسراف سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے

وَلَا تُسْرِفُوْا ، اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ○

اور اسراف نہ کیا کرو۔ یقیناً خدا اسراف کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا۔

مسلمان جب اپنے نفس میں اسراف اور راحت و آرام میں انہماک سے بچنے کی مشق بہم پہنچا لیتا ہے تو وہ دراصل اس طرح اپنے نفس کو مشکلات برداشت کرنے اور مصائب پڑنے پر ان کا سامنا کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کر لیتا ہے۔ ابتدائی مسلمان جنھوں نے دعوت اسلام کو قبول کیا تھا، تنعم و ترفہ سے آزاد رہتے تھے — بقدر طاقت — اپنی ان سابقہ خصوصیات پر سختی سے قائم تھے جو ان کی عربیت کے قومی خصائل میں داخل تھیں۔ کیونکہ وسائل تنعم سے بے نیازی اور سادگی ان کے نزدیک آزادگی اور حریت کے بلند ترین معانی میں شمار ہوتی تھی۔ وہ اپنی فطرت سلیم کے مطابق اس مسلک پر عقیدہ رکھتے تھے کہ شہر ایک قید خانہ ہوتا ہے۔ اور مدنیت ایک قید ہے۔ آپ کو حیرت ہوگی کہ انھوں نے لفظ مَدِيْنَةٌ (شہر) اور مَدَنِيَّةٌ (شہری زندگی) دونوں لفظوں کا اشتقاق دَانَ، يَدِيْنُ کے مادہ سے کیا تھا جس کے معنے میں عاجزی، انکسار اور اطاعت اور غلامی کا مفہوم پوشیدہ ہوتا ہے۔ یہ تصور، زندگی کے اس مسلک کے قطعی خلاف تھا جسے وہ خوش نصیبی اور سعادت کی زندگی شمار کرتے تھے۔ وہ لوگ صرف ایسی زندگی کو سعادت کی زندگی شمار کرتے تھے۔ جو اپنے وسیع ترین دائروں میں ان کے لئے شریفانہ اور بلند مرتبہ حریت کی ضامن ہو سکتی ہو۔

حضرت ابوذر غفاریؓ کے زمانہ میں حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے عالی شان محل میں ایک بادیہ نشین آزاد، عقلمند خاتون کو بلایا اور خواہش کی کہ وہ ملکۂ محل اور ان کے بیٹے اور ولی عہد کی ماں بننا منظور کرے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس عاقلہ خاتون کا حال کیا تھا؟ —— یہ خاتون، میسون بنت بحدل قضاعیہ تھیں —— وہ سبز محل میں ان اسباب تنعم و ترفہ کی بناء پر جن کے یہ تمام شہری لوگ پابند تھے اپنے سینہ میں ہمیشہ تنگی محسوس کرتی تھیں۔ یہ تمام وہ چیزیں تھیں جن سے ہر عربی مرد اور ہر عربی عورت کی طبیعت دور بھاگتی تھی۔ ان کے تین دو شعر عرب ممالک میں آج تک گنگنائے جاتے ہیں جن میں وہ کہتی ہیں۔

وہ گھر جس میں ہوائیں آزادی کے ساتھ گذرتی رہتی ہوں مجھے ان اونچے اونچے محلات سے کہیں زیادہ پسند ہے۔ ڈھیلی ڈھالی عبا پہننا جس سے میری آنکھوں میں ٹھنڈک آتی ہے مجھے ان شہری تنگ اور کسے ہوئے لباسوں سے کہیں زیادہ محبوب ہے۔

زندگی کی طرف یہی وہ فطری اور سلیم نگاہ تھی —— اور اس کے ساتھ اور بھی بہت سی بلند مرتبہ حریت اور آزادہ منشی کی خصوصیات شریک ہوتی تھیں —— جس نے عربوں کو اسلامی نظام کو سمجھنے اور اسی نظام پر عمل کرنے کا اہل بنا دیا تھا۔ یہی وہ خصوصیات تھیں جن کے سہارے وہ اس قابل ہوئے کہ اسلام کا پیغام اکنافِ عالم تک پہنچا سکیں اور اس کی بنیادوں کو قائم کر کے بلند مرتبہ انسانیت کے قصر مشید کی دیواریں اٹھا سکیں۔ بلند مرتبہ انسانیت کا وہ قصر مشید جس کی بنیادیں بھرنے اور دیواریں کھڑی کرنے سے آج ہم بھی جُڑ رہے ہیں۔ کیونکہ تنعم و ترفہ کی پابندیوں نے ہمارے شانوں کو بھاری اور ہماری پشتوں کو بوجھل بنا دیا ہے۔ لہٰذا کسب حلال کے لئے اسلام نے جو شرائط عائد کی تھیں۔ ان سے ہم چھٹکارا حاصل کرتے جا رہے ہیں اور لین دین میں اسلام کی مقررہ حدود سے بہت دور نکل چکے ہیں۔ اسلام کے قافلہ میں سیادت اور سعادت کی طرف قدم بڑھانے میں ہمارے پاؤں نہایت سست اور بوجھل ہو کر رہ گئے ہیں اور ہم قطعاً اس رفتار سے نہیں چل رہے جس رفتار سے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اسلام کی انتہائی بلند منزلوں کی طرف جا رہے تھے۔

مال ایک ہتھیار ہے۔ اور جس طرح ہتھیار حاصل کرنے اور اسے ساتھ لے کر چلنے میں کچھ پابندیاں اور شرائط ہوتی ہیں۔ اسی طرح مال کو حاصل کرنے کے لئے اور حاصل کرنے کے بعد اس کو ذخیرہ کرنے کے لئے بھی کچھ قیود و شرائط ہیں جس طرح ایک آدمی ان معاملات میں ہتھیار کو استعمال نہیں کر سکتا جو صرف اس کی ذات ہی سے تعلق رکھتے ہوں بجز اس صورت کے کہ اس کی زندگی کو اگر کوئی خطرہ لاحق ہو اور اپنی زندگی کی مدافعت میں اسے استعمال کرے۔ اسی طرح نظام اسلام میں مال بھی آزادی کے ساتھ استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ وہ صاحب مال کی ضرورتوں اور حاجتوں میں نہایت تنگ ترین قیود و حدود کے اندر ہی استعمال ہو سکتا ہے اسے ہر وقت اس قرآنی ہدایت کو پیش نظر رکھنا پڑتا ہے جو مسرفین اور مبذرین کی تصریح کرتے ہوئے خدا کی ناراضگی اور غضب سے متعلق بیان ہوئی ہے۔ پھر اس کے بعد یہ مال ہتھیاروں کی طرح جماعت اور مملکت کی قوت کا ذریعہ ہوتا ہے۔ تاکہ مملکت میں امن و اطمینان کی فضا پیدا کی جا سکے اور خطرات سے اس کی مدافعت کی جا سکے۔

ہمارے زمانہ میں یومیہ اجرت پر کام کرنے والا مزدور جو کہ تمباکو پیتا اور کثرت سے چائے نوشی کرتا ہو۔ در آنحالیکہ وہ ان دونوں چیزوں کو چھوڑ سکتا ہو۔ تو اندازہ لگائیے کہ وہ سال بھر

دو نئے بلند پایہ اسلامی تاریخی ناول

مرگِ یزید از: خالد پرویز

چراغ مصطفوی اور شرار بولہبی ازل سے برسرپیکار ہیں۔ یزدان و اہرمن۔ ابراہیم و نمرود۔ موسیٰ و فرعون ایک دوسرے سے دست و گریباں ہیں۔ حادثہ کربلا بھی مظلومیٔ حق کی ایک ایسی ہی درد انگیز مثال ہے۔ مگر ہم واقعۂ کربلا سے اتنے واقف نہیں جتنے حضرت امام حسین علیہ السلام کی مظلومیت سے آگاہ ہیں۔ ہمیں ان تاریک قوتوں کے متعلق بہت کم معلومات ہیں جو اسلام کو برباد کرنے پر تلی ہوئی تھیں اور جن کی نمائندگی یزید کرتا تھا۔

ہم یہ نہیں جانتے کہ یزید جس کے عہد میں کربلا کا خونیں واقعہ پیش آیا۔ اور تاریخ اسلام کے صفحات پر خون شہادت کی مقدس مہر ثبت ہوئی وہ کون تھا۔ خود اس یزید کی موت کیسے ہوئی۔ کربلا کے خونی حوادث سے پہلے اور مابعد کیا ہوا؟ یہ دردناک داستان بیک وقت ناول بھی ہے۔ تاریخ بھی ہے اور ایک سوانحعمری بھی۔

صفحات ۴۰۸ مجلد رنگین گردپوش۔ قیمت پانچ روپیہ بارہ آنے

خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر سید ظہور احمد ندوی

وہ جواں ہمت مجاہد جس نے یورپ کے قصر شاہی میں لرزہ ڈال دیا جس کی تیغ جوہردار کا لوہا ان کراندلس کی پہنائیاں سمٹ جاتی تھیں اور جس کی ہیبت سے شاہ فرانس کا محل تھرتھرانے لگتا تھا۔ اندلس میں اسلامی حکومت کی پرشوکت اور شاندار زمانہ کی جیتی جاگتی تصویر اس کتاب میں پیش کی گئی ہے۔ صفحات ۴۱۶۔ مجلد رنگین گردپوش۔ قیمت پانچ روپے آٹھ آنے

نفیس اکیڈمی بلاسس اسٹریٹ کراچی

میں اپنے خرچ میں سے کس قدر بچا سکیگا جسے وہ اپنی بیوی اور بچوں اور دوسرے رشتہ داروں کے طعام ولباس میں صرف کرسکتا ہے۔ اور کوئی بعید نہیں کہ اس طرح وہ دس سال کے عرصہ میں اتنا بچا سکے کہ اپنے بیوی بچوں کے لئے ایک صحت افزا سادہ سا مکان بنا دے جو اس کی مدت حیات کے ختم ہو جانے پر ان کے لئے بہترین اثاثہ ہو سکتا ہے۔ اس پر اتنا اور اضافہ کر لیجئے کہ ان دونوں غیر ضروری چیزوں کو چھوڑ کر وہ اپنے سینہ اور پیٹ کو بھی بیماریوں سے محفوظ رکھیگا۔ اگر ہمارے زیادہ تر مزدور اور عمال اپنی محدود کمائی میں ان تنعم و ترفہ کی پابندیوں سے آزاد رہ کر تربیت پا سکیں تو وہ اخلاقی اور معیشتی حیثیت سے کس درجہ خوش نصیب ہوں گے۔ اور اپنے حالات پر کتنا اچھا کنٹرول کر سکیں گے۔ وہ اپنے فرائض و واجبات کو سہولت اور خوش دلی سے ادا کر سکیں گے ان بے جا پابندیوں سے آزاد ہو کر ان سے صرف وہ زائد چیزیں ہی چھوٹیں گی جو صحت اور اخلاق کے لئے مضر تھیں۔ وہ بری عادتیں چھوٹ جائیں گی جو انسان کی بے مائیگی اور کمینگی پر دلالت کرتی ہیں۔ نہ وہ انسان کو فربہی بخشتی ہیں اور نہ اس کی بھوک مٹا سکتی ہیں۔ ذرا اندازہ لگائیے کہ مملکت مصریہ سالانہ کس قدر خطیر رقم محض ریشمی پر تکلف موزوں پر خرچ کر ڈالتی ہے۔ جو نہ کوئی گرمی پہنچاتے ہیں اور نہ کوئی ستر ہی ڈھانپتے ہیں۔ کیا وہ مال جو ان چیزوں پر صرف کیا جاتا ہے حرام نہیں ہو جاتا؟ اور اگر ہم اپنے مال کو اسلامی ہدایات کے مطابق خرچ کریں۔ تو کیا ہم اس روپے کو ان بیہودہ موزوں پر اڑا سکتے ہیں۔؟

تنعم و ترفہ کی پابندیوں سے آزادی اور قدر ضرورت پر اکتفا کرنا ان بلند اخلاقیات میں سے ہے۔ جس کی طرف تورات کی دنیا میں مسیح عیسیٰؑ ابن مریم نے دعوت دی تھی اور قرآن کی دنیا میں مسلمانوں کے مسیح ابوذر غفاریؓ نے دعوت دی ہے اسلام بذات خود ایک معتدل اور وسطی دین ہے۔ وہ طبیعت سے مقابلہ کرنا نہیں چاہتا بلکہ اس کو درست کرنا اور اس کے رجحانات میں اصلاح کرنا چاہتا ہے۔ اس نے انسانیت کو ہر چیز میں اعتدال کی طرف رہنمائی کی ہے۔ ثروت و غنا میں بھی اعتدال فقر اور زہد میں بھی اعتدال۔ محبت میں بھی اعتدال اور بغض میں بھی اعتدال۔ راحت میں بھی اعتدال اور نشاط اور سعی وجہد میں بھی اعتدال۔ بلکہ وہ تو ــــ حالانکہ وہ ایک دین ہے ــــ خود دین میں بھی اعتدال کی ہی طرف دعوت دیتا ہوا آیا ہے چنانچہ وہ کہتا ہے کہ لا رهبانية في الاسلام (اسلام میں رہبانیت نہیں ہے) وہ کہتا ہے کہ یہ دین نہایت مستحکم دین ہے۔ اس میں نرمی کے ساتھ داخل ہو۔ نیز وہ کہتا ہے کہ الدين يسر (دین سہولت ہی سہولت ہے) اس کا ارشاد ہے کہ یاد رکھو جو شخص دین پر غالب آجانے کی کوشش کرے گا دین اسے مغلوب کر کے چھوڑے گا۔ وہ ہدایت دیتا ہے کہ دین میں غلو کرنے سے باز رہو۔ تم سے پہلے جو قومیں ہلاک ہوئی ہیں۔ وہ دین میں غلو کرنے ہی کی وجہ سے ہلاک ہوئی ہیں۔

اگر غنا اور مالداری کا اس حد تک مقابلہ کرنا جس حد تک مسیح عیسیٰ ابن مریم سے منقول ہے آسان ہوتا تو مسیحی کمیناؤں کے بعض عظماء اپنے طعام، لباس اور مسکن اور شرب میں حضرت مسیح کے مسلک کے خلاف نہ جاتے۔ بہت سے مسیحی عقلاء نے اس وسیع خلیج کو محسوس کیا ہے جو اس نظریہ کے درمیان اور نظریہ کو عملی جامہ پہنانے کے درمیان حائل ہے۔ ان میں سے ایک جبران خلیل جبران ہیں۔ جنہوں نے اس موضوع پر متعدد فصلیں اور کئی کہانیاں لکھی ہیں۔ بلکہ بعض کتابیں بھی مستقل طور پر اسی موضوع سے متعلق لکھی ہیں۔ جن کو پڑھ کر ہمارے ادب آموز لوگ مستفید ہوتے ہیں۔ جب اس تصور پر خود وہ لوگ عمل نہیں کر سکے جو مسیح کی وراثت کی حامل ہیں۔ اور ان کے نام سے ان کے دین کی لوگوں کو دعوت دیتے ہیں تو ابوذر غفاریؓ کے معاصرین بطریق اولیٰ یہ خیال کر سکتے تھے کہ اسلامی نظام ایک معتدل نظام ہے۔ لہٰذا اس میں ہی نظریات ہو سکتے ہیں جو زندگی کے لئے زیادہ موزوں اور مناسب ہوں۔ لیکن کتنا اچھا ہوتا۔ اگر انسانوں کے لئے مسیح عیسیٰؑ ابن مریم اور ہمارے مسیح محمدی ابوذر غفاریؓ کے طریقہ پر عمل کرنا آسان ہوتا۔[1] اگر ایسا ہو جاتا تو یقیناً اس سے بہت سے شروں کے دروازے بند ہو جاتے اور اس طرح انسان میں جو قناعت پیدا ہوتی اس پر انسانوں کی رضامندی ایک ایسی سعادت بن جاتی جس کی لذت کو صرف وہی لوگ محسوس کر سکتے ہیں جو اس طریقہ سے مانوس ہوں اور اسے پسند کرتے ہوں۔ مگر بہت ہی تھوڑے لوگ ایسے ہوں گے۔ بلکہ ایسے لوگ کہاں ہوں گے؟[2]

باطل کمیونزم کے داعیوں کو یہ طمع ہرگز نہ ہونی چاہیئے کہ تاریخ اسلام میں ابوذر غفاریؓ، ان کی دعوت اور ان کے طریق عمل کی وجہ سے ان کے لئے کوئی تائید مل جاتی ہے۔ کیونکہ ان کے جابر و کریملن کے محلات میں زندگیاں گزارتے ہیں ــــ حتیٰ کہ اگر وہ ابوذرؓ کے محبوب اعظم اور معلم اکبر صلوات اللہ علیہ وسلامہ کی امت میں بھی داخل ہو جائیں ــــ تب بھی ابوذرؓ کی بارگاہ سے جہنم کے ایندھن اور انسانیت کے فراعنہ اور نمارده ہی کا خطاب مل سکے گا۔[3] جو لوگ گدلے پانیوں میں شکار کھیلنے کے عادی ہیں اور ابوذر غفاریؓ اور امیر معاویہؓ کے باہمی نظریاتی اختلاف سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ اُن کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ امیر معاویہؓ اپنی سیرت اور معیشت میں صالح اور نیک لوگوں میں سے تھے۔ وہ اسلام کے چراغوں میں سے ایک چراغ تھے لیکن وہ خلفائے راشدین کے ان آفتابوں کے بعد آئے جن کی مثل آفتاب زمانہ روز روز پیدا نہیں کیا کرتا۔ چراغ کی روشنی کتنی ہی تیز کیوں نہ ہو وہ آفتاب کے پہلو میں جس نے پوری زمین کو ہدایت اور نور سے بھر دیا ہو، چراغ ہی رہے گا۔ امام احمد بن حنبل نے جو اپنے زمانہ میں زاہدوں کے امام تھے اور زہد کے معنی اچھی طرح سمجھتے تھے۔ جنہوں نے خود اپنے اوپر زہد طاری کر رکھا تھا اور بڑے بڑے زاہد و مرتاض لوگوں کو دیکھ چکے تھے انہوں نے خود امیر معاویہؓ کی سیرت سے ایسی مثالیں دی ہیں جن کی پیروی ہر زاہد و مرتاض کو کرنی چاہیئے۔ جو شخص ان مثالوں اور نمونوں کو دیکھنا چاہے اسے امام احمد بن حنبلؒ کی تصنیف "کتاب الزہد" میں امیر معاویہؓ کے زہد کا بیان دیکھنا چاہیئے تاکہ وہ ان کی زندگی کو اپنے لئے راہنما اور اسوہ بنا سکے۔

اب ہمیں وضاحت سے یہ بتا دینا چاہیئے کہ نظام اسلام میں مال کا کیا مرتبہ ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ مال میں مسلمانوں کے تصرف کرنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک تو وہ تصرفات جن کا تعلق ایک مسلمان کی شخصی حیثیت سے ہو تو رسول اللہ صلعم اور آپ کے اصحابؓ اور تابعین اور باقی مسلمانوں کی یہی سنت چلی آرہی ہے کہ مسلمان کو اتنے مال پر اکتفا کرنا چاہیئے جو اس کی ضروریات کے لئے ضروری ہو اور تنعم اور ترفہ کی ان پابندیوں سے اسے آزاد رہنا چاہیئے جن کے بغیر گزارہ ہو سکتا ہو۔ عمر بن عبدالعزیزؒ کو دیکھو جنہیں شام، مصر، عراق، حجاز، یمن اور دنیا کے داہنی بازو پر ایران اور سندھ تک اور بائیں بازو پر شمالی افریقہ اور ملک اسپانیا تک پر غلبہ واقتدار حاصل تھا۔ جن کے پاس ان تمام ممالک سے عشر و خراج اور دیگر ٹیکسوں سے وصول شدہ اموال بھیجے جاتے تھے۔ مگر ان کے گھر میں ان کے دسترخوان کا صرفہ اس دسترخوان سے بھی کم ہوتا تھا جو ہمارے زمانہ میں ایک ساتویں درجہ (G, CATAGORY) کے سرکاری ملازم کے دسترخوان کا صرفہ ہوتا ہے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ ایسا کیوں کیا کرتے تھے؟ محض اس لئے کہ وہ اپنی ذاتی معیشت میں ایک مسلمان کی زندگی بسر کرنا چاہتے تھے۔ اور مال میں وہی تصرفات کرنا چاہتے تھے جن کی ایک اسلامی نظام اجازت دیتا ہے۔

دوسری حالت یہ ہو سکتی ہے کہ کسی مسلمان کے ہاتھ میں کچھ مال ہے ــــ یہ حکومت کا مال ہو یا ملت کی مصالح سے متعلق مال ہو یا میراث یا کسب حلال کے ذریعہ اس کی ذاتی ملکیت میں آیا ہوا مال ہو۔ لیکن وہ اس کی ضروریات سے زیادہ ہو ــــ تو اس قسم کا مال، خواہ وہ خدا کی امانتوں میں سے ہو یا خدا کے عطیات میں سے ہو (خدا کے عطیات میں سے جو مال ہو وہ خواہ کسی فیکٹری یا کارخانہ کی صورت میں ہو، یا تجارت کی شکل میں ہو، یا زرعی زمین، افتادہ زمین یا سکوں کی صورت میں ہو۔ کم ہو یا زیادہ ہو) تو اسلام ان تمام اموال کی طرف اسی نگاہ سے دیکھتا ہے کہ وہ اس مسلمان کے ہاتھ میں اللہ کی ایک امانت ہے۔ اس مسلمان سے اس بارہ میں کہ اس نے اس مال میں کس طرح تصرف کیا تھا بہ نسبت اس کے کئی گنا زیادہ

---

[1] اس مسلک پر انفرادی طور پر چلنا تو واقعی ناممکن ہے لیکن جب معاشرہ میں قرآنی نظام قائم ہو جائے تو پھر نہ صرف یہ کہ اس مسلک پر چلنا ناممکن نہیں ہوتا بلکہ یہی مسلک صحیح مسلک زندگی قرار پا جاتا ہے۔ حضرت ابوذر غفاری کا مسلک دین میں غلو کا مسلک نہیں تھا۔ وہ عین قرآن کے مطابق تھا۔ لیکن انفرادی طور پر اس کا نفاذ مشکل تھا۔ وہ اجتماعی حیثیت ہی سے نفاذ پذیر ہو سکتا تھا (طلوع اسلام)

[2] سوال ایسے لوگوں کے پیدا ہونے کا نہیں۔ اصل سوال ایسے نظام کے قیام کا ہے جس میں یہ مسلک صحیح مسلک زندگی قرار پا جائے (طلوع اسلام)

[3] کمیونزم کے باطل ہونے کی صرف یہی وجہ نہیں کہ اس کے اکابر کریملن کے محلات میں جابرہ کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اگر وہ ایسی زندگی نہ بھی بسر کریں تب بھی کمیونزم ایک باطل تصور حیات ہے اس کا فلسفہ یکسر باطل کی بنیادوں پر قائم ہے۔ (طلوع اسلام)

محاسبہ کیا جائے گا کہ اس نے یہ مال کس طرح حاصل کیا تھا۔ یہ تصرف زمانہ اور زمانہ کے حالات، ملت اور ملت کی عام ضروریات کے مطابق مختلف ہو سکتا ہے۔ ہمارے اسلاف کے زمانہ میں عسکریت اور اقتصادیات کو وہ اہمیت حاصل نہیں تھی جو انہیں آج حاصل ہے۔ لہٰذا اس زمانے میں زائد از ضرورت مال کے صرف کرنے کا طریق بھی آج سے مختلف تھا۔ ہمارے اغنیاء اور مالدار لوگ زائد مال کو ان مواقع پر صرف کر دیتے تھے جنہیں ہماری تاریخ میں سخاوت اور کرم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ وہ ان اموال کو ان لوگوں پر صرف کرتے تھے جو ان کے پاس پناہ لیتے اور اپنی امیدوں کو ان کی سخاوت سے وابستہ کر لیتے تھے ـــــ وہ اس درجہ سخاوت کرتے تھے کہ آج اس کا تعین کرنا بھی مشکل ہے۔ وہ ایسے موقعوں کی تلاش میں رہتے تھے جہاں وہ اپنی سخاوت کے جوہر دکھا سکیں۔ اس قسم کے بے شمار واقعات تاریخ کے صفحات پر مل سکتے ہیں۔ وہ ایسا اس لئے کرتے تھے کہ وہ خوب سمجھتے تھے کہ مال کی مقدار کا تھوڑے سے ہاتھوں میں جمع ہو جانا اس کی گردش کو روک دیتا ہے۔ تاآنکہ وہ ضرورت مندوں کے ہاتھوں تک نہ پہنچ جائے۔ وہ محض اپنے اموال کی زکوٰۃ نکال دینے ہی پر اکتفاء نہیں کرتے تھے اور اس قسم کے دوسرے صدقات میں اموال کو تقسیم کرنے ہی پر بس نہیں کر دیتے تھے ـــــ اس کی مختلف صورتیں ہوتی تھیں۔ کبھی اوقاف جاریہ کی صورت میں اس طرح خرچ کر دینا کہ اصل مال ہمیشہ باقی رہے اور کبھی اس طرح پر صرف کر دینا کہ اصل مال ختم ہو جائے جیسے مختلف طریقوں سے مختلف موقعوں پر صدقہ و خیرات کر کے مال کو صرف کر دینا ـــــ اس سخاوت میں عربوں کے طریقہ پر چلتے ہوئے نیز اقتصادی اعتدال میں اسلام کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے وہ ایسی صورتیں پیدا کر دیتے تھے کہ فقراء اور اغنیاء کے درمیان کی خلیج کافی تنگ ہو جاتی تھی۔

یہ موقع اور مصرف جس پر وہ لوگ عمل کرتے تھے اور وہ طریقہ جس کے مطابق وہ اس مقصد کو حاصل کرتے تھے صحیح تھا اور ان کے زمانہ کے مناسب حال تھا۔ لیکن آج جبکہ مال وہ بنیادی قوت بن گیا ہے جس کے حسن انتظام پر ملت کی عزت و حرمت موقوف ہے اور جس کے خلاف جانے میں اس کی ذلت و رسوائی ہے تو آج کے ان حالات میں دینی ارشادات کی روشنی میں ذاتی اخراجات پر بقدر ضرورت مال پر اکتفاء کرنا ہی واجب ہوگا۔

جیسا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اسے سمجھا تھا۔ لیکن اس میں سے جو مال ہماری ذاتی ضرورت سے زیادہ ہو اس کو صرف کرنے کا طریقہ وہ نہیں ہوگا جو پہلے زمانہ میں لوگ کرتے رہے ہیں۔ بلکہ وہ بدل جائے گا۔ آج ہم خدائے تعالیٰ کی طرف سے مقام آزمائش و امتحان میں کھڑے ہوئے ہوں کہ اس زائد از ضرورت مال کو ہم کس طرح بہتر طور پر صرف کر سکتے ہیں۔ یہ بھی عبادت ہے کہ ہم ان اموال کو نیکٹریاں قائم کرنے میں صرف کریں۔ اور ان اموال کو بڑھاتے جائیں اور اس طرح بکثرت رفاہ عام کی چیزیں قائم کرتے جائیں۔ بشرطیکہ اس سے نیت مسلمانوں کی حالت کو سدھارنا اور اُن کی مشکلات کو آسان کرنا اور اُن میں اجتماعی، اقتصادی، علمی، عمرانی اور جنگی اعتبارات سے مکمل مساوات پیدا کر دینا ہو۔

بے محل نہ ہوگا اگر میں یہاں مختصراً اسلام میں تعاون کی اہمیت پر بھی کچھ روشنی ڈال دوں۔ مسلمان وجوبی طور پر تعاون کیلئے مامور ہیں۔ اس کے وجوب کی اہمیت ان دوسری چیزوں کے وجوب سے کچھ بھی کم نہیں ہے جنہیں اسلام نے واجب اور لازم ٹھہرایا ہے اور جنہیں ہم آج دین اور خیر سمجھتے ہیں۔ ہر وہ جائز مصلحت جس کو قائم کرنے سے افرادِ معاشرہ کی مشکلات کم ہوتی ہوں، مسلمان تعاون کے طریقہ سے ان کو قائم کرنے پر مامور ہیں۔ آج کل کے زمانہ میں جبکہ مال کی قوت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے اور مسلمان اس کے محتاج ہیں کہ وہ اپنی صنعتی، اقتصادی، عمرانی، اجتماعی اور جنگی سہولتوں کو مکمل کر سکیں تو مسلمانوں پر قطعاً واجب ہے کہ وہ تعاون کے نظام میں کافی توسیع اختیار کریں۔ حتیٰ کہ اگر اس کا نتیجہ یہ برآمد ہو کہ مسلمان قومیں تعاونی قومیں بن جائیں، ان کی مملکتیں تعاونی مملکتیں بن جائیں تو اسلام کی ہدایات کے مطابق نظامہائے تعاون میں معمولی تبدیلیوں کے ساتھ اعتدال پیدا کر سکے ہیں ان کو اختیار کر لینا چاہیئے۔[1]

حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے۔ ان دونوں کے درمیان کچھ ملتے جلتے امور ہیں۔ مسلمان پر واجب ہے کہ اپنے مالی انتظامات کے تمام ارادوں میں اور اپنے تمام پُرمشقت اعمال میں حلال کو تلاش کرے اور حلال ہی کی جستجو کرے حرام سے بچے اور اپنے ہاتھوں کو اور اپنے دامن کو اس سے محفوظ رکھے۔ اور جو امور ایسے ہیں کہ وہ واضح نہیں بلکہ ملتے جلتے امور ہیں ان میں اس کا موقف ایک عقلمند ناصح سا ہونا چاہیئے جو شر کی تیزی کو لطیف انداز سے موڑ کر اُس کا رُخ خیر کی طرف کر دیتا ہے اسے چاہیئے کہ وہ مال کو ہمیشہ ملت کی بھلائی میں صرف کرے اور اپنے تمام تصرفات میں رضاءِ الٰہی اور اُمت کی ترقی و خوش حالی کو ملحوظ رکھے اور جہاں تک ممکن ہو سکے ایسے اسباب خیر کو بکثرت پیدا کرتا چلا جائے جس میں مسلمانوں کا اجتماعی مفاد اور ساتھ ہی جُدا جُدا افراد کا مفاد بھی پنہاں ہو۔

[1] سب سے پہلے، ایک ملک کے اندر، وسائل پیداوار کا تعاونی بنیادوں پر نہایت ضروری ہے۔ یعنی ایسے افراد کی ذاتی اور انفرادی ملکیت سے نکال کر، ملت کی مشترکہ تحویل میں دے دینا تاکہ متعاون افرادِ معاشرہ کی جملہ ضروریات زندگی بطریقِ احسن پوری ہوتی رہیں۔ پھر اس قسم کا تعاون مختلف اسلامی ممالک کے مابین بھی ہو سکتا ہے۔

بزمِ طلوعِ اسلام

گولی مار۔ کراچی

محمد لیسین صاحب، ترجمان، اطلاع دیتے ہیں کہ جولائی کے مہینے میں حسب پروگرام ہر جمعہ کو نماز مغرب کے بعد اجلاس منعقد ہوئے۔ یکم، ۱۵ اور ۲۲ تاریخ کے اجلاسوں میں علی الترتیب "تدوین حدیث" "عبادت کے قرآنی مفہوم" اور "قربانی" پر بحث رہی اور قرآنی نقطۂ نگاہ سے ان مسائل کے مالۂ وماعلیہ کا جائزہ لیا گیا۔ ۸ اور ۲۹ تاریخ کے اجلاسوں میں نووارد حضرات کے استفسارات کے سلسلہ میں متفرق موضوع سامنے آئے اور اسی سلسلہ میں ان کی ہر طرح تشفی کرنے کی کوشش کی گئی۔ مقام مسرت ہے کہ قرآنی فکر کی مقبولیت بڑھتی جارہی ہے اور نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ بھی اسے کما حقہٗ سمجھ رہا ہے۔ یہ سرگرمیاں انشاء اللہ جاری رہیں گی اور اس فکر کو پھیلانے کی کوشش بیش از بیش ہوتی رہے گی۔

اس مہینے کے دوران میں بزم کی طرف سے کوئی پمفلٹ شائع نہیں کیا گیا کیونکہ متعلقہ مضامین پر جو مسودے موصول ہوئے انہیں بزم نے منظور نہیں کیا۔ یہ سلسلہ انشاء اللہ جاری رہے گا اور بساط کے مطابق پمفلٹ شائع کئے جاتے رہیں گے (پمفلٹوں میں اس کی تصریح کر دی جایا کرے یہ بزم کی طرف سے ہیں۔ ادارۂ طلوعِ اسلام کی طرف سے نہیں ہیں)

(طلوعِ اسلام)

جامپور ضلع ڈیرہ غازی خان

حکیم قدر بخش خاں برہانی ترجمان، اطلاع دیتے ہیں کہ ۲۹ جولائی کو مغرب کے بعد بزم اجلاس بزم کے روح رواں، چودھری غلام محی الدین صاحب، تحصیلدار جامپور کے مکان پر منعقد ہوا۔ اس میں علاقے کے قارئین طلوعِ اسلام سے رابطہ پیدا کرنے کے ذرائع پر غور کیا گیا۔ بزم کے ہر رکن پر پابندی لگائی گئی ہے کہ قرآن کا مطالعہ کرے اور اپنے مطالعہ کا ماحصل بزم میں پیش کرے تاکہ تبادلہ خیالات کی صورت پیدا ہو سکے۔ چودھری محی الدین صاحب نے "سنت رسول اللہ" کے پچاس نسخے بزم کو عنایت کئے اور اعلان کیا کہ وہ لائبریری کو اپنی تمام کتابیں عطا کر دیں گے۔

بزم کی لائبریری کا باقاعدہ اجرا کر دیا ہے اس میں ادارۂ طلوعِ اسلام کی مطبوعات کے علاوہ علامہ اقبال کا کلام اور بعض دیگر کتب بھی موجود ہیں۔ یہ لائبریری ہر ایک شخص کے لئے کھلی ہے۔

بزم کی خواہش ہے کہ ضلع ڈیرہ غازی خاں کے تمام قارئین سے وہ رابطہ پیدا کریں۔ لہٰذا جملہ قارئین سے التماس ہے کہ وہ ترجمان بزم کو اپنے پتے سے اطلاع دیں اور قرآنی فکر کی نشر و اشاعت میں ان کا ہاتھ بٹائیں۔

پشاور

مرزا نصیر الدین صاحب، ۲۷۴۲ کندن اسٹریٹ ڈبگری گیٹ، پشاور شہر، ترجمان، اطلاع دیتے ہیں کہ بزم حسب استطاعت مصروف کار ہے۔ اس کا اجلاس دو ہفتے کے بعد اتوار کو عصر کے وقت باری باری تمام ارکان کے گھر پر منعقد ہوتا ہے۔ ہر اجلاس میں پروفیسر ڈاکٹر سبحان اللہ صاحب مختلف موضوعات پر قرآنی نقطۂ نظر سے روشنی ڈالتے ہیں۔

بقیہ: نقد و نظر

ہے (دوڑے) جاتی ہے۔ اس سے بچنے میں طالب علموں کی سلامتی اور قوم کی فلاح ہے

خدا کرے کہ ہمارے ان عزیز بھائیوں میں سے کسی کے دل میں یہ بات اتر جائے ورنہ جو کچھ ہمیں ان کے اس اخبار میں دکھائی دیتا ہے وہ تو بڑا ہی جگر خراش اور تاسف انگیز ہے

نقد و نظر

مرزائیت کیطرح
STUDENTS ' VOICE مودودیت کے

قوم کو جو سب سے بڑا نقصان پہنچایا ہے وہ یہ ہے کہ اس نے مسلمانوں میں ایک اور گروہ ایسا پیدا کر دیا ہے جس کی ذہنی اور قلبی خصوصیات نفرت اور انانیت ہیں (اور اس جماعت کے افراد کو ان خصوصیات پر فخر ہوتا ہے) نفرت باقی مسلمانوں سے۔ اور انانیت بیرکہ۔ آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے) در حقیقت نفرت اور انانیت نفسیاتی عمل اور ردِّ عمل کا نام ہے اور یہ دونوں خصوصیات لازم و ملزوم ہوتی ہیں۔ جب آپ یہ سمجھنے لگ جائیں کہ دنیا بھر کی خوبیاں سمٹ کر آپ اور آپ کی پارٹی میں مرتکز ہو گئی ہیں اور اس سے باہر کسی کے ہاں کوئی خوبی نہیں' تو اس کا لازمی نتیجہ نفرت ہوتا ہے' یہ دونوں چیزیں' در حقیقت' اس جماعت کے امیر محترم مودودی صاحب کے اپنی ذہنیت کا پرتو ہیں۔ ان میں بیحد انانیت ہے۔ اور ہر اس شخص سے نفرت جو ان سے متفق الخیال نہ ہو۔ چنانچہ اپنی پارٹی کے متعلق جس کے وہ خود امیر ہیں) ان کا ارشاد غور سے سننے کے قابل ہے۔ انھوں نے اگلے دنوں سرگودھا میں اپنی تقریر میں فرمایا کہ:۔

"اس وقت جماعت اسلامی نے دو بڑے کام کئے ہیں۔ پہلا کام جماعت نے یہ کیا ہے۔ کہ اس نے اس ملک میں قابل اعتماد کیریکٹر رکھنے والے لوگوں کو منظم کیا ہے اور یہ وہ چیز ہے کہ جس کی اس وقت ہمارے ملک کو سب سے بڑی ضرورت ہے اس وقت کی صورت حال یہ ہے کہ ملک کی سیاسی جماعتوں' سرکاری ملازمین' تاجر اور صنعت پیشہ طبقہ غرض ہر گروہ میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہو چکی ہے کہ جن کے کیریکٹر اور کردار پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ قومی امانت اور کوئی کام سپرد کر کے انسان مطمئن نہیں ہو سکتا۔ کوئی قول و قرار اس خطرے کے بغیر نہیں کیا جا سکتا کہ قول و قرار کرنے والے صاحب اپنے قول سے پھر جائیں اس کیفیت میں ملک کی عظیم اکثریت مبتلا ہے۔"

"جماعت اسلامی کی کوشش یہ رہی ہے۔ کہ وہ دیکھے کہ اس سیرت و کردار والی قوم میں کہاں کہاں قابل اعتماد سیرت والے لوگ موجود ہیں آج بھی ہماری کوشش یہی ہے کہ ایسے مضبوط کیریکٹر والے لوگوں کو منظم کیا جائے۔ تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ کچھ قابل اعتماد لوگ بھی اس ملک میں موجود ہیں۔" (۱)

"آپ اپنے شہر ہی میں جماعت اسلامی کے کارکنوں کو دیکھ لیجئے آپ دیکھیں گے کہ وہ کس محنت اور دیانت داری سے کام کرتے ہیں آپ انکے کام میں بددیانتی کا شائبہ تک نہیں پائیں گے۔" (۲)

(بحوالہ الاعتصام۔ ۱۵ر جولائی ۱۹۵۵ء)

اب غور کیجئے کہ جس پارٹی کے دل میں اس قسم کی انانیت کو پیوست کر دیا جائے اس کے جذبات نفرت کا کیا ٹھکانہ ہوگا!

اس قسم کے جذبات یوں تو قوم کے ہر طبقہ میں تخریب انگیز ہوتے ہیں لیکن جس قوم کے نوجوان طالب علموں کے دل کو اسطرح زہر آلود کر دیا جائے اس قوم میں ہر طرف تخریب ہی تخریب پھیل جائے گی۔ قوموں کے مستقبل کا انحصار ان کے نوجوان تعلیم یافتہ پر ہوتا ہے جس قسم کے قالب میں یہ طبقہ ڈھل جائے اسی قسم کا اس قوم کا مستقبل ہو جاتا ہے' جماعت اسلامی نے سب سے زیادہ اسی طبقہ کو اپنے چنگل میں گرفتار کیا ہے اور یہ طبقہ آسانی سے انکی گرفت میں آ بھی سکتا تھا اس لئے کہ جوانی کے زمانے میں جذبات کی شدت ہوتی ہے اور اس جماعت کی اپیل ہے ہی جذبات سے' نتیجہ یہ کہ آپ موجودہ طالب علموں کے طبقہ کو دیکھئے وہ بحیثیت اس رنگ میں ڈوبے ہوئے نظر آئیں گے جو رنگ ان پر اس جماعت نے چڑھا دیا ہے۔ خود پسندی نفرت' تخریبی تنقید' سرکشی۔ اور طرفہ یہ کہ ان چیزوں کو اقامت دین کے لئے جہاد تصور کرنے کی خود فریبی۔ یہ ہیں ہماری بدبختی سے ہماری اس آنے والی نسل کی خصوصیات! یہ خصوصیات' اس اخبار کے ایک ایک صفحہ میں جھلک رہی ہیں جو اس وقت ہمارے پیش نظر ہے' یہ پندرہ روزہ پرچہ کراچی کی اسلامی جمیعت طلباء کا نقیب ہے جو منظور احمد صاحب کی ادارت میں شائع ہوتا ہے (اسکا سالانہ چندہ اڑھائی روپیہ ہے اور قیمت فی پرچہ چار آنے)

جی چاہتا تھا کہ ہم اپنے ان عزیزانِ ملّت سے (جن کے لئے ہمارے دل میں بڑی محبت ہے اس لئے کہ یہی ہماری مستقبل کی قوم ہیں) کچھ باتیں مشورۃً کہتے لیکن مشکل یہ ہے کہ ان کے دل میں نفرت کا زہر اس درجہ بھر دیا گیا ہے کہ یہ جماعت اسلامی کے علاوہ کسی دوسرے کی بات پر کان دھرنے کو تیار ہی نہیں ہوتے انھیں یہ سکھا دیا گیا ہے کہ حق صرف اس جماعت کے اندر محصور ہے؛ اور جو اس دائرے کے باہر ہے وہ حق کا دشمن ہے' یہی چیز مرزائیوں کو سکھائی جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آپ نے کوئی مرزائی ایسا نہ دیکھا ہوگا جو دلیل و برہان سے قائل ہو جائے' جو مرزائی مرزائیت سے تائب ہوتے ہیں وہ بالعموم وہی ہوتے ہیں جو اندرون خانہ جھانک کر پیچھے ہٹتے ہیں کم و بیش یہی حالت جماعتِ اسلامی والوں کی ہوتی جا رہی ہے' بہرحال اثر ہو یا نہ ہو' ہم اپنے ان عزیز بھائیوں سے اتنا کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ایک طالب علم کی زندگی یہ ہے کہ وہ ہر بات کی علم و بصیرت کی بنا پر تحقیق کرے ہر مسئلہ پر پورا پورا غور و فکر کرے اور جس بات کو تسلیم کرے خالص دلیل و برہان کی بنا پر تسلیم کرے اور جسے رد کرے دلیل و برہان کی رو سے رد کرے' یہی قرآن کی تعلیم ہے اور اسی کو ایک طالب علم کا شعار بننا چاہیئے جو دعوت یا تحریک نوجوانوں کے جذبات سے کھیلتی ہے وہ انھیں علم اور فکر کی راہ سے (کہ جو خاصہ انسا...

(۱) اپنے دیکھا کہ مودودی صاحب خود اپنی زبان سے اپنے لئے کتنا بڑا سارٹیفکیٹ تجویز فرما رہے ہیں اس لئے کہ جس جماعت کے عام افراد کے کیریکٹر کا یہ عالم ہو' ظاہر ہے کہ اس کا امیر اس اعتبار سے بلند ترین مقام پر فائز ہوگا۔ (۲) خالی محنت اور دیانت

ماہنامہ طلوع اسلام کے
پُرانے پرچے

ماہنامہ طلوع اسلام کے جو پُرانے پرچے دفتر میں موجود ہیں اُن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

سنہ ۱۹۴۹ء	اگست۔ ستمبر۔ نومبر۔ دسمبر
سنہ ۱۹۵۰ء	نومبر
سنہ ۱۹۵۱ء	مارچ تا نومبر
سنہ ۱۹۵۲ء	اگست تا نومبر
سنہ ۱۹۵۳ء	جنوری کے علاوہ سب
سنہ ۱۹۵۴ء	پورے سال کے

یہ پرچے بزمہائے طلوع اسلام کو چوتھائی قیمت پر اور دیگر اصحاب کو آدھی قیمت پر دیدیئے جائیں گے۔ خواہشمند حضرات اپنی فرمائشیں جلد بھیجیں۔ ورنہ ختم ہو جانے کا احتمال ہے۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ کراچی

مطبوعاتِ طلوعِ اسلام کی
شرائط ایجنسی
شرحِ کمیشن

معراج انسانیت ———— ۲۵ فی صدی

دیگر مطبوعات ———— ۳۳ فی صدی

۱۔ قیمت بعد وضع کمیشن بذریعہ وی پی وصول کی جائیگی۔

۲۔ غیر فروخت شدہ کتب واپس نہیں لی جائیں گی۔

۳۔ پہلی فرمائش پچاس روپے (بعد وضع کمیشن) سے کم نہیں ہونی چاہیئے۔

۴۔ ہر آرڈر کے ہمراہ کم سے کم چوتھائی رقم پیشگی آنی چاہیئے ورنہ تعمیل نہیں ہوسکے گی۔

نوٹ:۔ کراچی کے ایجنٹ صاحبان دفتر طلوع اسلام سے معاملہ طے کریں۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳، کراچی

طلوع اسلام کثیر تعداد میں شائع ہو کر پاکستان، ہندوستان کے علاوہ غیر ممالک میں ہر طبقہ کے لوگوں کے پاس جاتا ہے۔ اس میں چھپنے والے اشتہارات ہزاروں خریداروں کی نظروں سے گزرتے ہیں۔ نرخنامہ اشتہارات و تفصیلات ناظم ادارہ شعبہ اشتہارات سے حاصل کیجئے

ناظم ادارۂ طلوع اسلام
پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳ ———— کراچی

قرآنی انقلاب کا لٹریچر

معراجِ انسانیت (از پرویز) سیرت صاحب قرآن علیہ التحیۃ والسلام کو قرآن کے آئینے میں دیکھنے کی پہلی اور کامیاب کوشش۔ مذاہب عالم کی تاریخ اور تہذیبی پس منظر کے ساتھ ساتھ حضور سرور کائنات کی سیرت اور دین کے متنوع گوشے نکھر کر سامنے آگئے ہیں۔ بڑے سائز کے قریباً نو سو صفحات۔ اعلیٰ ولایتی گلیزڈ کاغذ مضبوط وحسین جلد مع گرد پوش قیمت بیس روپے

اِبلیس و آدم (از پرویز) سلسلۂ معارف القرآن کی دوسری جلد جسے نظرثانی کے بعد شائع کیا گیا ہے۔ انسانی تخلیق۔ قصۂ آدم جنات ملائکہ۔ وحی وغیرہ جیسے اہم مباحث کی حامل۔ بڑی تقطیع کے ۳۷۰ صفحات ———— قیمت آٹھ روپے

قرآنی دستورِ پاکستان اس میں پاکستان کے لئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ہے اور حکومت علماء اور اسلامی جماعت کے مجوزہ دستور پر تنقید کی گئی ہے۔ دو سو بیس صفحات ———— قیمت دو روپے آٹھ آنے

اِسلامی نظام اسلامی مملکت کے بنیادی اصول کیا ہیں؟ اور اسلامی نظام کیسے قائم ہو سکتا ہے؟ اس کے جواب میں پرویز اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات جنہوں نے فکر و نظر کی نئی راہیں کھول دی ہیں۔ ۱۸۰ صفحات۔ ———— قیمت دو روپے

سلیم کے نام (از پرویز) نوجوانوں کے دل میں اسلام سے متعلق جو شکوک پیدا ہوتے ہیں ان کا شگفتہ مدلل اور اچھوتا جواب بڑے سائز کے ۴۰۰ صفحات ———— قیمت چھ روپے

قرآنی فیصلے روزمرہ کی زندگی کے ساتھ اہم مسائل و معاملات پر قرآن کی روشنی میں بحث ۴۰۰ صفحات ———— قیمت چار روپے

اسبابِ زوالِ امت (از پرویز) مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہمارا مرض کیا ہے اور علاج کیا؟ ایک سو اڑتالیس صفحات ———— قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

جشن نامے ایسے عنوانات ہیں جنہیں پڑھ کر ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی ہو اور آنکھوں میں آنسو۔ طنز اور تنقید کے گہرے نشتر۔ سات سالہ دور آزادی کی سمٹی ہوئی تاریخ ۲۷۰ صفحات ———— قیمت دو روپے آٹھ آنے

تمام کتابیں مجلد ہیں اور گرد پوش سے آراستہ۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ:۔ **ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳، کراچی**

کیا آپ نے یہ کتابیں دیکھی ہیں؟

مزاج شناسِ رسولؐ یہ کون بتائے کہ صحیح احادیث کونسی ہیں اور غلط کونسی؟ مزاج شناس رسول! مزاج شناس کون ہیں؟ اس کی تفصیل اس کتاب میں ملے گی۔ ۴۴۰ صفحات ———— قیمت چار روپے

مقامِ حدیث حدیث کے متعلق تمام اہم سوالات کے تفصیلی جواب۔ احادیث کے متعلق اتنی معلومات کسی جگہ یکجا نہیں ملیں گی۔ دو جلدیں ہر جلد کے قریباً چار سو صفحات۔ اور قیمت فی جلد ———— چار روپے

فردوسِ گم گشتہ (از پرویز) اُن مضامین کا مجموعہ جنہوں نے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہ کا زاویہ بدل دیا۔ خالص ادبی نقطۂ نگاہ سے۔ اردو لٹریچر کی بلند پایہ تصنیف۔ ۴۰۰ صفحات ———— قیمت چھ روپے

نوادرات (از علامہ اسلم جیراجپوری) علامہ موصوف کے مضامین کا نادر مجموعہ۔ چار سو صفحات ———— قیمت چار روپے

اِسلامی معاشرت (از پرویز) مسلمان کے عادات و اخلاق کا خاکہ۔ رہنے سہنے کے ڈھنگ۔ سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر اسلوب قرآنی آئینہ میں صفحات ۱۹۲ - قیمت دو روپے

نظامِ ربوبیت (از پرویز) انسان کے معاشی مسائل کا قرآنی حل اور ذاتی ملکیت کا قرآنی تصور دورِ حاضرہ کی عظیم کتاب ضخامت تین سو صفحے

قیمت (قسم اوّل) ———— چھ روپے

" (قسم دوم) غیر مجلد ———— چار روپے

اقبال اور قرآن (از پرویز) علامہ اقبالؒ کے قرآنی پیغام سے متعلق محترم پرویز صاحب کے انقلاب آفریں مقالات کا مجموعہ ———— ڈسٹ کور کے ساتھ۔ صفحات دو سو چھپن (۲۵۶) ———— قیمت دو روپے

تمام کتابیں مجلد ہیں اور گرد پوش سے آراستہ۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ:۔ **ادارۂ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳، کراچی**

مشرق وسطیٰ کا دفاع

(صفحہ ۸ سے آگے)

تک نہیں بہت سکے گا۔

ہمارے ہاں بدقسمتی یہ ہے کہ ایک تو مسلمان قوم مجموعی طور پر جذباتی واقع ہوئی ہے۔ دوسرے ایسے اسباب پیدا کردیئے گئے ہیں۔ جن سے ان کے جذبات اور بھی مشتعل ہو جاتے ہیں۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ ہم ایسے معاملات کو خالی الذہن ہو کر کبھی نہیں سوچتے۔ روس نے ایک مدت سے ایسا پروپیگنڈا کر رکھا ہے کہ جونہی کسی نے اقوام مغرب کے کسی عمل کو بھی سراہا یا ان کی طرف دست تعاون بڑھایا۔ اسے سرمایہ داری کا حامی اور مؤید قرار دے دیا گیا۔ دوسری طرف اندرون ملک اسلامی جماعت نے ذہنوں میں یہ تصور پیدا کردیا ہے کہ حکومت پاکستان جو فیصلہ بھی کرے۔ وہ اسلام کے خلاف، انسانیت کے خلاف مسلمانوں کے خلاف غرضیکہ ہر صحیح قدر کے خلاف ہوتا ہے چنانچہ ہم فضا میں پھیلے ہوئے ان جراثیم سے متاثر ہو کر حکومت پاکستان کے اس فیصلہ پر محاکمہ کرتے ہیں کہ اس نے امریکہ کی امداد کیوں قبول کی ہے۔ لیکن ہم صاحب فکر حضرات سے درخواست کریں گے کہ وہ سمجھ سکے کہ امریکہ کی امداد کی موافقت کرنے والوں کو ٹوڈی بچہ کہہ کر مطمئن ہو جائیں کہ ہم نے اپنا کیس بالکل ثابت کردیا ہے۔ وہ اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر فکری طور پہ غور کریں۔ اگر کوئی صاحب دلائل و براہین سے یہ ثابت کریں کہ پاکستان کو امریکہ کی بجائے روس کی طرف جھکنا چاہیئے تو طلوع اسلام ان کی تصریحات کو بخوشی اپنے ہاں شائع کرنے کو تیار ہے۔ لیکن بلادلیل و برہان یہ فیصلہ کردینا کہ امریکہ کی مدد قبول کرنا بدترین فیصلہ اور اس فیصلہ کی تائید کرنا انتہائی ٹوڈیت ہے۔ کسی طرح بھی صحیح روش قرار نہیں پاسکتی۔

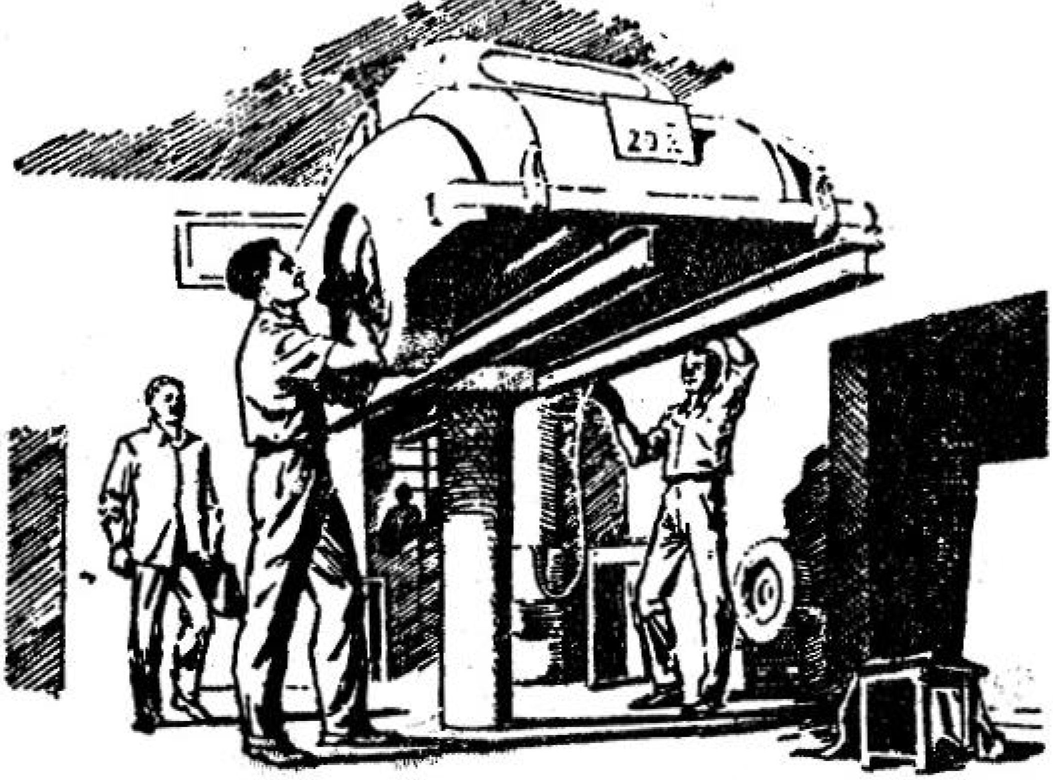

جہاں تک سروس کا تعلق ہے.....

مارفک لبریکیشن سروس سے آپ کی موٹر کار کی زندگی میں اضافہ ہو جائے گا۔ یہ سسٹم خصوصی طور پر اس طرح تیار کیا گیا ہے کہ مناسب وقفوں کے بعد صحیح قسم کے لبریکنٹس آپ کی موٹر کار کو ملتے رہیں اور موٹر کار باقاعدگی کے ساتھ ہر وقت چکنی رہتی ہے۔ صحیح قسم کے لبریکنٹس خصوصی طور پر تیار کئے جاتے ہیں تاکہ اعلیٰ کارکردگی اور طویل سروس حاصل ہو کالٹکس کے سروس اسٹیشنوں پر قابل اور سند یافتہ آٹو موبیل میکینکز آپ کی کاریں موقع بے موقع تیل ڈالنے کے بجائے چارٹ کی مدد سے مناسب اور صحیح لبریکنٹس ڈالتے ہیں۔

کار کا صحیح علاج کرائیے۔ اپنے خوش خلق کالٹکس ڈیلر کے ساتھ یہ انتظام کرلیں کہ وہ باقاعدہ مارفک لبریکیشن سروس فراہم کرتا رہے اس سے آپ کی کار بہترین حالت میں رہے گی۔

کالٹکس

پٹرولیم پروڈکٹس

ابلیس و آدم

سب سے پہلا انسان کس طرح معرض وجود میں آیا؟ آدم اور خلافت آدم کا مفہوم کیا ہے ابلیس کیا ہے اور آویزش ابلیس و آدم کیا؟ وحی کیا ہے اور وحی نے انسان کو کیا عطا کیا؟ ان سوالات کے قرآنی جوابات اس کتاب میں دیکھئے۔

صفحات [illegible] قیمت آٹھ روپے

اقبال اور قرآن

اقبال نے قرآنی انقلاب کی آواز سے فضا کو معمور کیا۔

قرآن کیا کہتا ہے اور اقبال کا پیغام کیا ہے؟

ان کے جوابات مفسر قرآن اور ترجمان اقبال پرویز سے سنئے۔

ضخامت [illegible] صفحات قیمت دو روپے

تاریخ الامّت

علامہ اسلم جیراجپوری مدظلہ کی تاریخ کی وہ بے مثل کتاب جو تقسیم سے پہلے بیشتر درسگاہوں میں بطور نصاب شامل تھی۔ اب مولف کی اجازت سے طلوع اسلام نے اسے دوبارہ چھاپا ہے۔

قیمت حصہ اول (سیرت رسول اللہ صلعم) دو روپے۔
قیمت حصہ دوم (خلافت راشدہ) دو روپے آٹھ آنے۔

کتاب آٹھ حصوں پر مشتمل ہے۔ باقی حصے عنقریب شائع ہو جائینگے۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر [illegible]۔ کراچی۔۳

روٹی کا مسئلہ

انسان کیلئے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اسکی اہمیت ہمیشہ سے رہی ہے اور ہمیشہ تک رہیگی۔

آج تک انسان نے اس مسئلہ کو کیسے حل کیا؟ اس کا جواب تلاش کیا جائے تو یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجائیگی کہ اس نے بدن کو زندہ رکھنے کے لئے اپنی جان کو رھن رکھ دیا۔

اب سوال یہ ہے

کہ کیا تدبیر اختیار کی جائے کہ انسان کا بدن اور اسکی جان دونوں سلامت رہیں؟ اس کے لئے ہمیں قرآن سے رجوع کرنا ہوگا۔

قرآن کا حل

☆ نظام ربوبیت ☆

(از۔ پرویز)

میں ملیگا جو بلا شبہ دور حاضرہ کی عظیم کتاب ہے۔

قسم اول۔ کاغذ سفید کرنا فلی۔ جلد مضبوط مع گرد پوش چھ روپے۔

قسم دوم۔ کاغذ میکانیکل۔ صرف ڈسٹ کور کے ساتھ چار روپے۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۲۱۳ ۔ کراچی-۳

Title Printed at Musid Art Press, Thathai Compound, Bunder Road, Karachi. Text at Jawed Press, McLeod Road, Karachi. Published by Khurshid Alam from Tolu-e-Islam Office, 25/1 Fowler Lines, Napier Barracks, Karachi.
Editor: KHURSHID ALAM

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

کراچی

۱۷ ستمبر سنہ ۱۹۵۵ء

قرآن نے کیا کہا؟

طلوع اسلام کا مسلک اور مقصد

اگر آپ طلوع اسلام کے اس مسلک اور مقصد سے متفق ہیں تو اس پیغام کو عام کرنے میں طلوع اسلام کا ساتھ دیجئے

اس شمارے میں

★ حقائق و عبر ★ بین الاقوامی جائزہ ★ عالمِ اسلامی ★ بزم طلوع اسلام

قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر

ہفتہ وار

طلوع اسلام

جلد ۸ | ہفتہ ۱۷ ستمبر ۱۹۵۵ء | نمبر ۳۳

ون یونٹ Page 3
مرزائیت اور مودودیت Page 4
مراکشی مذاکرات Page 5
پنڈت نہرو اور گوا Page 6
لیکن کیسے؟ Page 6
تاریخی شواہد Page 7
اسلام کی سرگزشت Page 8
مجلس اقبال Page 9
عورت کا قرآن Page 10
قرآن کی تفسیر احادیث کی رو سے Page 11
حقائق و عبر Page 15
بین الاقوامی جائزہ Page 16
عالم اسلامی Page 17
بزم طلوع اسلام Page 18

سلیم کے نام خطوط

ان خطوط میں ملت کے اس نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کو مخاطب کیا گیا ہے جو مشرق و مغرب کے تصادم کے بعد ملوکیت کے وضع کردہ غلط مذہبی تصورات سے متنفر ہوتے ہوتے اسلام اور اسکے سرچشمۂ حیات قرآن ہی سے ہاتھ دھو چلا تھا۔ عقائد و نظریات جیسے خشک اور نازک مسائل پر اس عمدگی سے بحث کیگئی ہے کہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ ہم کسی خشک فلسفیانہ بحث کو پڑھ رہے ہیں۔ باتوں باتوں میں وہ دقیق اور معرکہ آرا مسائل حل کر کے رکھ دئے گئے ہیں جنہیں ضخیم مجلدات میں بھی حل نہیں کیا جاسکا تھا۔ یہ خطوط ملک کے گوشہ گوشہ سے خراج تحسین وصول کر چکے ہیں۔ قرآن کی روشنی اور محترم پرویز صاحب کا بصیرت افروز قلم۔ بڑا سائز ضخامت سوا چار سو صفحات۔ کتابت و طباعت دیدہ زیب کاغذ سفید گرد پوش مصور مشرق جناب چغتائی کے قلم کا حسین مرقعہ۔ قیمت چھ روپے علاوہ محصولڈاک۔

فردوس گم گشتہ

جناب پرویز کے ان مضامین کا مجموعہ جنہوں نے قوم کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہوں کا زاویہ بدل دیا ہے۔ مفہوم کے علاوہ اگر خالص ادبی نقطۂ نگاہ سے بھی دیکھئے تو اردو زبان کی بہت کم کتابیں اس پایہ کی دکھائی دینگی۔

بڑا سائز۔ ضخامت قریب چار سو صفحات کتابت و طباعت دیدہ زیب کاغذ سفید جلد مضبوط۔ گرد پوش حسین۔ قیمت چھ روپے۔ علاوہ محصولڈاک۔

اسباب زوال امت

مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہمارا مرض کیا ہے اور علاج کیا۔

ضخامت ۱۵۰ صفحات قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے۔

اسلامی نظام

اسلامی مملکت کا بنیادی اصول کیا ہے اور اسلامی نظام کیسے قائم ہوسکتا ہے؟ اسکے جواب میں محترم پرویز صاحب اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات جنہوں نے فکر و نظر کی نئی راہیں کھولدی ہیں۔ قیمت دو روپے۔

اسلامی معاشرت

مسلمان کے عادات و اخلاق کا خاکہ، رہنے سہنے کا ڈھنگ۔ سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر اسلوب قرآنی آئینے میں۔

ضخامت ۱۹۲ صفحات قیمت دو روپے۔

قرآنی دستور

اس میں پاکستان کیلئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ہے اور حکومت، علماء اور اسلامی جماعت کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ہے۔

ضخامت دو سو چوبیس صفحات
قیمت دو روپے آٹھ آنے۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۲۳۱۳ - کراچی - ۳

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ہفتہ وار

طلوعِ اسلام

جلد ۸ | ہفتہ ۱۷ ستمبر ۱۹۵۵ء | نمبر ۳۳

وَن یُونٹ

جمہوری اندازِ حکومت کا اصل الاصول یہ ہے کہ ملک کا نظم و نسق ملک کے باشندوں کی منشا کے مطابق چلایا جائے۔ اس اصول کو بروئے کار لانے کے لئے ایک مشنری وضع کی گئی۔ اس مشنری کے بنیادی خط و خال یہ ہیں کہ عوام اپنے نمائندے چنتے ہیں اور یہ نمائندے ملکی مسائل کا فیصلہ اکثریت رائے سے کرتے ہیں۔ انتخاب کے وقت ملک مختلف پارٹیوں میں بٹ جاتا ہے۔ اور پارٹیوں کے ٹکٹ پر امیدوار منتخب ہوتے ہیں۔ مجلس نمائندگان میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ کس پارٹی کے اراکین سب سے زیادہ ہیں۔ یعنی کسے اکثریت حاصل ہے۔ اکثریت کی پارٹی گورنمنٹ کی تشکیل کرتی ہے اس کے مدمقابل دوسری پارٹی کو حزبِ مخالف کہا جاتا ہے۔ حزبِ مخالف کا فریضہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ حزبِ اقتدار کی پیش کردہ تجاویز پر نکتہ چینی کرے اور ان کے اعمال کی نگرانی ہو تاکہ حزبِ اقتدار اپنی من مانی نہ کرنے پائے۔ یہ ہے جمہوری مشنری کا وہ نقشہ جو مغرب کے ممالک میں عام طور پر رائج ہے۔ جس نے یہ نقشہ مرتب کیا تھا یقیناً اُس کے ذہن میں یہ ہو گا کہ اس سے ملک کے معاملات نہایت عمدگی سے سلجھتے چلے جائیں گے۔ لیکن اگر وہ کہیں یہ دیکھ لیتا کہ آج کل پاکستان کی مجلس آئین ساز میں حزبِ مخالف کیا کچھ کر رہی ہے تو وہ جمہوریت کی مشنری سے سب سے پہلے حزبِ مخالف کے وجود کو ختم کر دیتا۔ سب سے پہلے تو یہ دیکھئے کہ ہماری یہ اسمبلی ان عزائم کو لے کر وجود میں آئی تھی کہ یہ دو مہینے کے عرصہ میں پاکستان کا آئین مرتب کر کے دے دے گی۔ دو مہینے کا موعودہ وقت گزر چکا ہے اور پاکستانی آئین جس حد تک مرتب ہوا ہے وہ ملک کے سامنے ہے۔ بہت سی کھینچا تانی کے بعد ۲۳ اگست کو مغربی پاکستان کی وحدت کا مسودہ اسمبلی کے سامنے پیش ہوا۔ حزبِ مخالف نے سب سے پہلے یہ کوشش کی کہ یہ مسودہ پبلک میں جائے۔ جب وہ اس کوشش میں ناکام ہو گئے تو انہوں نے یہ قرارداد پیش کی کہ مسودہ کو رائے عامہ کے لئے مشتہر کیا جائے۔ اس قرارداد کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے ذرا یہ دیکھئے کہ اس تجویز کا پس منظر کیا ہے۔ یہ تجویز مغربی پاکستان کی تمام اسمبلیوں میں ایک ایک کر کے پیش ہوئی اور ان میں سے ہر ایک نے اسے پاس کر دیا۔ یہ تجویز ان اسمبلیوں میں اتنی بڑی اکثریت سے منظور ہوئی تھی کہ اسے متفقہ منظوری کہنا چنداں غلط نہ ہو گا۔ ذرا سوچئے کہ ان اسمبلیوں کی پوزیشن کیا ہے۔ یہ اپنے اپنے صوبوں کے عوام کے منتخب کردہ ممبروں پر مشتمل ہیں۔ ہم پوچھتے یہ ہیں کہ جس تجویز کو عوام کے ان نمائندوں نے اس طرح سے منظور کیا ہو، جمہوریت کے قواعد و ضوابط کے اعتبار سے اسے عوام کی پاس کردہ تجویز سمجھا جائے گا یا نہیں؟ جب صورت یہ ہے کہ آئینِ جمہوریت کے مطابق یہ قرارداد خود ملک کے عوام ہی کی بالواسطہ منظور کردہ ہے تو پھر یہ کہنا کہ اس کے متعلق رائے عامہ کو معلوم کر لیا جائے، خواہ مخواہ چلتی گاڑی میں روڑے اٹکانا نہیں تو اور کیا ہے۔

کہا یہ جاتا ہے کہ جن اسمبلیوں نے اس قرارداد کو پاس کیا تھا ان میں سے پنجاب اور سرحد کے وزرائے اعلیٰ اب اس بل کی مخالفت کر رہے ہیں اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اب ان کے صوبوں کے حالات بدل چکے ہیں۔ یہ دلیل صریح مغالطہ پر مبنی ہے۔ اگر ایک وزیر اعلیٰ چھوڑ، کسی صوبہ کے تمام کے تمام وزراء بھی برطرف کر دیئے جائیں تو اس سے اس قرارداد پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا جو صوبہ کی اسمبلی نے پاس کیا ہو۔ یہی نہیں اگر کسی صوبہ کی اسمبلی کسی قرارداد کو پاس کرے اور اس کے بعد خود وہ اسمبلی ہی ٹوٹ جائے تب بھی اس پاس شدہ قرارداد پہ کوئی اثر نہیں پڑتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جن صوبوں کی اسمبلیوں نے اس قرارداد کو پاس کیا تھا ان کے ان نمائندوں کو جو اب مجلس دستور ساز میں بیٹھے ہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے صوبہ کی اسمبلی کی پاس کردہ قرارداد کے خلاف لب کشائی کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ ملک فیروز خاں نون اور سردار عبدالرشید اس تجویز کی مخالفت کسی اصول پر نہیں کر رہے۔ انہوں نے، اس کے برعکس، صاف الفاظ میں کہا ہے کہ انہیں وحدت کا اصول تسلیم ہے البتہ انہیں مرکز کی قیادت سے شکایت ہے۔ اس سے آپ خود ہی اندازہ لگا لیجئے کہ یہ اندازِ مخالفت، اصولِ جمہوریت کے کس قدر مطابق ہے۔

سردار عبدالرشید نے یہ بھی کہا ہے کہ

> ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ کوئی مجلس کتنی ہی نمائندہ کیوں نہ ہو اسے کسی ایسے مسئلہ پر رائے نہیں دینا چاہیئے جس کے لئے اسے عوام نے اختیار نہیں دیا۔ یہ کہنا کہ صوبہ سرحد کی اسمبلی نے اس تجویز کو منظور کر دیا کافی نہیں ہے کیونکہ اسے لوگوں کی طرف سے ایسا فیصلہ کرنے کا کوئی حق نہیں۔

اس ضمن میں ہم محترم سردار صاحب سے دو ایک باتیں پوچھنا چاہتے ہیں۔ مثلاً:

(۱) جب یہ قرارداد صوبہ سرحد کی اسمبلی میں پیش ہوئی تھی اور آپ نے اسے خود پاس کرایا تھا تو کیا اُس وقت آپ کو یہ یاد نہیں تھا کہ عوام نے اس اسمبلی کو اس قسم کا کوئی اختیار نہیں دیا تھا۔ جب وہاں کی اسمبلی کی پوزیشن یہ تھی تو آپ نے اس اسمبلی سے اس قرارداد کو پاس کیسے کرا دیا۔ کیا آپ نے اُس وقت یہ اعتراض کیا تھا؟

(۲) کیا انتخابات کے وقت ان امور کی کوئی فہرست مرتب کی جاتی ہے جس کے متعلق رائے دینے کے لئے عوام اپنے نمائندوں کو اختیارات دیتے ہیں؟ کیا سرحد کی اسمبلی نے اس تمام عرصہ میں جو جو فیصلے کئے ہیں اُن سب کے لئے عوام نے انہیں اختیار دے دیا تھا؟ کیا جمہوری اندازِ حکومت میں کبھی یہ بھی ہوا ہے کہ جو مسئلہ مجلس کے سامنے آئے اس کے متعلق یہ دیکھا جائے کہ اس پر غور و خوض کرنے کے لئے عوام نے انہیں خاص طور پر اختیار دے رکھا ہے یا نہیں؟

(۳) سرحد کی اسمبلی نے سردار عبدالرشید صاحب کو مجلس دستور ساز کے رُکن کی حیثیت سے منتخب کر کے بھیجا ہے۔ کیا سرحد کے عوام نے اپنی اسمبلی کو اس امر کا اختیار دیا تھا کہ وہ مجلس دستور ساز کے لئے بھی اراکین منتخب کر کے بھیجے؟ اگر عوام نے اس اسمبلی کو ایسا کوئی اختیار نہیں دیا تھا تو پھر آپ کی مجلس دستور ساز کی رکنیت ہی بے قاعدہ ہے۔ آپ اس بے قاعدہ رکنیت کو قبول کیوں کئے ہوئے ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ مخالف گروہ کی یہ قرارداد ہی سرے سے غلط تھی کہ اس تجویز کو عوام کی رائے کے لئے مشتہر کیا جائے جمہوری اندازِ حکومت کے مطابق رائے عامہ تو پہلے ہی سے اس تجویز کے ساتھ ہے۔ اسے مجلس دستور ساز میں محض اس لئے پیش کیا گیا ہے کہ رسمی طور پر اس کی منظوری ضروری تھی۔ ورنہ جب متعلقہ صوبوں کے نمائندوں نے اسے پاس کر دیا تھا تو پھر اسے فوراً عمل میں آ جانا چاہیئے تھا۔

یہ تو ہے اس تجویز کی جمہوری اور آئینی شکل۔ ایوان میں

اب تک کم و بیش تیس اراکین اس کے متعلق تقریریں کر چکے ہیں۔ ان میں خاصی تعداد حزب مخالف کی بھی ہے۔ آپ ان تقریروں کو دیکھئے اور پھر غور کیجئے کہ ان میں کوئی اختلاف بھی اصول پر مبنی ہے؟ صاف نظر آتا ہے کہ چند ذاتی مخاصمتیں ہیں جو تجویز کی مخالفت کے رنگ میں ابھر ابھر کر سامنے آ رہی ہیں اور سامنے بھی اس سوقیانہ انداز سے آ رہی ہیں جس سے خود جمہوریت کی آنکھیں زمین میں گڑ جائیں۔ ۳۰ اگست سے اس وقت تک کا عرصہ اسی ایک مسئلہ کی نذر ہو گیا ہے۔ اگر اس تجویز کو رائے عامہ کے لئے مشتہر نہ کیا گیا تو پھر اس سورہ پر "شق بہ شق" بحث ہوگی۔ یہ بحث کس قدر طول پکڑے گی اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ ایک ایک شق کے ساتھ سینکڑوں ترمیمات نتھی کر دی گئی ہیں۔ ہم تو سمجھ ہی نہیں سکتے کہ اس انداز اور اس رفتار سے یہ مجلس، دستور سازی کے معاملہ میں کیا کام کر سکے گی؟ ملک اس پر رو رہا ہے کہ پہلی دستوریہ نے سات سال ضائع کر دیئے۔ لیکن اگر یہی ڈھنگ یہی ہیں تو یہ دستوریہ خدا جانے ستر سال تک بھی آئین مرتب نہیں کر سکے گی۔

قوم کو سوچنا ہوگا کہ کیا اس ملک میں جمہوری اندازِ حکومت کامیاب ہو سکتا ہے؟

ون یونٹ کا ذکر آ گیا تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس باب میں طلوعِ اسلام کے مسلک کو بھی ایک بار پھر دہرا دیا جائے۔ قارئین کو یاد ہوگا کہ مغربی پاکستان کی وحدت کی تجویز قریب تین برس پہلے طلوعِ اسلام نے پیش کی تھی اور اس کے بعد وقتاً فوقتاً اس کی تائید کرتا رہا۔ ہم سے اکثر پوچھا جاتا ہے کہ ہم نے یہ تجویز کیوں پیش کی تھی اور اس کی حمایت کیوں کرتے ہیں؟ لیکن اس سے پہلے ہم سے یہ پوچھئے کہ ہم نے خود پاکستان کی حمایت کیوں کی تھی۔ تحریکِ پاکستان میں شمولیت سے کسی اور کا مقصد کچھ ہی ہو، طلوعِ اسلام کے سامنے ایک ہی مقصد تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ صرف تحریکِ پاکستان میں شمولیت یا عدمِ شمولیت کے بارے میں ہی نہیں، اس کے سامنے تو زندگی کے ہر قدم پر ایک ہی مقصد رہتا ہے۔ اور ایک ہی مقصد رہے گا۔ یعنی کسی طرح ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ خدا کی اس سرزمین پر خدا کے قانون کی حکمرانی قائم ہو جائے۔ طلوعِ اسلام نے پاکستان کی تائید اس لئے کی تھی کہ اس کے نزدیک اس سے یہ امکان پیدا ہو جاتا تھا کہ اس سرزمین پر قرآنی معاشرہ کا قیام ہو جائے گا۔ قارئین اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ طلوعِ اسلام جب قرآنی نظام یا قرآنی معاشرہ کہتا ہے تو اس کی یہ اصطلاحیں اور لوگوں کی پیش کردہ اصطلاحوں کی طرح مبہم نہیں ہوتیں۔ وہ ہزارہا صفحات پر پھیلی ہوئی تحریروں میں بتا چکا ہے کہ قرآنی نظام سے اس کی مراد کیا ہے۔ اس نظام کا مقصود و منتہیٰ اس کی ہر اشاعت کے ٹائیٹل پیج پر "مقصد اور مسلک" کے تحت شائع ہوتا ہے۔ اس نظام کو مختصر لفظوں میں نظامِ ربوبیت کہا جاتا ہے۔

اس نظام کے لئے وحدتِ ملت اولین شرط ہے

یہی وجہ تھی کہ طلوعِ اسلام نے تشکیلِ پاکستان کے بعد یہ تجویز پیش کی تھی کہ ملک میں وحدانی انداز کی حکومت قائم کی جائے یعنی مشرقی اور مغربی پاکستان کو ایک وحدت تسلیم کیا جائے۔ لیکن ہماری تمناؤں اور کوششوں کے باوجود ایسا نہ ہو سکا۔ اس کے بجائے فیڈریشن کے انداز کو ترجیح دی گئی۔ لیکن ہمارے نزدیک فیڈریشن سے مغربی پاکستان کے ٹکڑے ہو جاتے تھے۔ یا یوں کہئے کہ جن ٹکڑوں میں یہ اس وقت بدقسمتی سے بٹا ہوا ہے ان پر آئینی مہر تصدیق ثبت ہو جاتی تھی۔ اس لئے ہم نے اس کی مخالفت کی تھی اور یہ کہا تھا کہ اگر ملک کے دونوں حصوں کو ایک وحدت نہیں بنایا جا سکتا تو کم از کم اسے دو وحدتوں ہی میں منقسم رکھا جائے۔ یعنی مشرقی پاکستان کی ایک وحدت اور مغربی پاکستان کی دوسری وحدت۔

وحدتِ ملت کے لئے وحدتِ مفاد اولین بنیاد ہے۔

یعنی جس طرح جن افراد کے مفاد مشترک ہوں گے وہ باہم متحد ہوں گے، اسی طرح جن علاقوں کے مفاد مشترک ہوں گے ان علاقوں میں اتحاد پیدا ہو جائے گا۔ موجودہ صوبائی تفریق میں باہمی مفاد کا اس طرح ٹکراؤ ہوتا ہے کہ ہر صوبہ کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ باقی ملک جائے بھاڑ میں، اس کا علاقائی مفاد محفوظ رہے۔ مثلاً دریائے سندھ مغربی پاکستان کے ایک کنارہ سے نکلتا ہے اور پورے ملک میں سے گزرتا ہوا دوسرے کنارہ میں سمندر میں جا گرتا ہے۔ اس کے رستہ میں سرحد پنجاب۔ بہاولپور اور سندھ کے علاقے آتے ہیں۔ دریاؤں کے پانی کی تقسیم پر جس قسم کے جھگڑے ہندوستان اور پاکستان میں ہوتے رہتے ہیں، ویسے ہی جھگڑے سندھ کے پانی کی تقسیم پر ان صوبوں اور ریاستوں میں چھڑتے رہتے ہیں۔ اگر یہ صوبائی لکیریں مٹا کر اس پورے علاقہ کو ایک خطہ تسلیم کر لیا جائے تو یہ سارا دریا ایک ہی علاقہ کا دریا قرار پائے گا۔ ہم نے اس چیز کو یونہی بطور مثال پیش کیا ہے ورنہ ہر صوبہ اپنے اپنے مفاد کے تحفظ میں اس قسم کا تشدد برتتا ہے جس قسم کا تشدد دو مختلف قومیں یا دو مختلف مملکتیں اپنے اپنے مفاد کے تحفظ میں برتتی ہیں۔

قرآن نے مفاد کی اس کشمکش کا علاج، نظامِ ربوبیت میں بتایا ہے۔ اس میں پورے کا پورا علاقہ ایک جسم نامی کی طرح کام کرتا ہے اور مفاد کا باہمی تصادم کہیں ظہور میں نہیں آتا۔ اس میں پیداوار کے تمام وسائل، انفرادی اور علاقائی ملکیت کے بجائے پوری کی پوری ملت کی اجتماعی تحویل میں چلے جاتے ہیں اور ملت کا یہ فریضہ ہوتا ہے کہ وہ تمام افراد کی بنیادی ضروریاتِ زندگی کی کفیل ہو اور اس کا انتظام کرے کہ فرد کی مضمر صلاحیتوں کی کامل نشوونما ہوتی جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ نظام آئینی انداز سے قائم ہوگا۔ اس بنا پر ہمیں وحدتِ مغرب میں یہ سہولت نظر آتی ہے کہ ایک مجلس مقننہ کے فیصلہ سے یہ نظام پورے کے پورے علاقہ میں نافذ ہو سکے گا۔ ورنہ اگر ملک صوبوں میں بٹا رہا تو اس باب میں ہر علاقہ کے لئے الگ الگ جد و جہد کرنی پڑے گی۔

لہٰذا مغربی پاکستان کی وحدت کے لئے ہماری تائید اور کوشش محض اس لئے ہے کہ ہم قرآنی بصیرت کی روشنی میں سمجھتے ہیں کہ یہ اقدام وحدتِ ملت کے لئے بڑا سازگار رہے گا اور اس سے قرآنی نظامِ ربوبیت کے قیام کا راستہ نسبتاً آسان ہو جائے گا۔ باقی رہا بعض صوبوں کا یہ خدشہ کہ اس سے ان کا کلچر مٹ جائے گا۔ تو ہمارے جس قدر مروجہ کلچر ہیں ان میں کوئی بھی اسلامی نہیں۔ لہٰذا بجائے اس کے کہ ہم ان غیر اسلامی کلچرز کے تحفظ کی فکر کرتے رہیں، ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ یہ جلد از جلد مٹ جائیں اور ان کی جگہ ایک نیا کلچر وجود میں آ جائے جو خالص قرآنی خطوط پر متشکل ہو اور ہم اپنی آنے والی نسلوں کو لات و مناتِ کہنہ کا روایتی کلچر ورثہ میں دینے کے بجائے، ان کے لئے نو متشکل قرآنی کلچر ترکہ میں چھوڑ دیں۔ اربابِ بصیرت سے ہماری درخواست یہ ہے کہ وہ سرحدی۔ پنجابی۔ سندھی۔ بلوچ تصوراتِ زندگی اور روایتی ثقافت کے خیال کو چھوڑیں۔ اور اللہ نے جو ہمیں ایک موقع بہم پہنچایا ہے، اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، ایک متحدہ اور جامع اسلامی تصورِ حیات اور قرآنی ثقافت کی طرح ڈالیں ؎

وقت آن است کہ آئینِ دگر تازہ کنیم

لوحِ دل پاک بشوئیم و ز سر تازہ کنیم

مردِ مومن (حضرت سلمان پارسیؓ) سے جب باپ کا نام پوچھا گیا تھا تو انہوں نے جواب میں کہا تھا کہ "اسلام" اور یہ اس لئے

کہ دریں راہ فلاں ابنِ فلاں چیزے نیست

کیا ہم اتنا بھی نہیں کر سکتے کہ پنجابی، سندھی کلچر کے بجائے اسلامی کلچر پر فخر کریں! یہ چیز وحدت سے ہوگی انتشار سے نہیں۔ وفیہا بصائر للناس +

مرزائیت اور مودودیت

قارئین کو یاد ہوگا کہ طلوعِ اسلام مسلسل آٹھ سال سے کہتا چلا آ رہا ہے کہ جو تحریک یہاں مودودی صاحب جماعتِ اسلامی کے نام سے چلا رہے ہیں وہ ملت میں تفرقہ اور انتشار کی رو سے بالکل مرزائیت کے نقشِ قدم پر جا رہی ہے۔ اور خود مودودی صاحب کا ذہن بھی انہی خطوط پر کام کر رہا ہے۔ یہ کچھ لکھنے کے ساتھ ہی ہم ملک کے اربابِ شریعت سے بھی یہ کہتے رہے کہ آپ نے پہلے مرزائیت کی تحریک کی اہمیت کا صحیح اندازہ نہ لگایا تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ تحریک اب اس قدر جڑ پکڑ چکی ہے کہ اس کا استیصال قریب قریب ناممکن ہو چکا ہے۔ اسی طرح آپ اس نئی تحریک کی اہمیت کا بھی صحیح اندازہ نہیں لگا رہے اور اس سے نہ صرف تساہل و تسامح برت رہے ہیں بلکہ بالواسطہ اور بلاواسطہ اس کی تقویت کا سامان بن رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ تحریک بھی اسی قدر قوت پکڑ جائے گی کہ پھر اس کا مقابلہ بھی آپ کے بس کی بات نہیں رہے گا۔ ہم نے یہ بھی بتایا کہ مودودی صاحب نہ تو حدیث کو ان معنوں میں مانتے ہیں جن

معنوں میں اہلِ حدیث حضرات حدیث کے منتقد ہیں، اور نہ ہی فقہ حنفیہ کو اس صورت میں مانتے ہیں جس صورت میں حنفی حضرات اسے مانتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ان کی زبان پر حدیث اور فقہ کے الفاظ ہر وقت رہتے ہیں۔ یہ ایک بہت بڑا دھوکا ہے اور جب تک اس دھوکے کی اہمیت کو نہ سمجھا جائے گا اس وقت تک اس تحریک کا صحیح صحیح اندازہ نہیں لگایا جا سکے گا۔

ہم آٹھ سال سے اسے دُہراتے رہے لیکن کسی نے اس گزارش کو درخورِ توجہ نہ سمجھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مودودی صاحب نے ایک ہوشیار پروپیگنڈسٹ کی طرح پکارنا شروع کر دیا تھا کہ طلوعِ اسلام منکرِ حدیث ہے۔ منکرِ سُنّت ہے۔ منکرِ رسالت ہے۔ اور نہ جانے کیا کیا ہے۔ اس سے انہوں نے اربابِ شریعت کی توجہ کو اپنی طرف منعطف ہی نہیں ہونے دیا۔ دوسری طرف انہوں نے اسلامی آئین اور کتاب و سُنّت کے مطابق دستور کی ایسی رٹ لگائی کہ یہ حضرات سمجھتے رہے کہ یہ تحریک ملک میں شریعت کا نظام رائج کرنے کے لئے ہے۔ ان گونا گوں پردوں کے نیچے یہ تحریک بڑھتی چلی گئی تا آنکہ اب ہمارے ان اربابِ شریعت کو بھی محسوس ہوا کہ اس تحریک سے اسلام کو کس قدر خطرہ ہے۔ چنانچہ اب ان کے خلاف انہوں نے کچھ جد و جہد شروع کی ہے۔ انہوں نے مودودی صاحب کے عقائد کا جائزہ لے کر یہ اعلان کیا ہے کہ وہ فی الواقعہ نہ حدیث کو مانتے ہیں نہ فقہ کو۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اس کا بھی احساس کر لیا ہے کہ یہ تحریک مرزائیت ہی کے نقش قدم پر جا رہی ہے۔ مثال کے طور پر ۲۴ اگست ۱۹۵۵ء کے نوائے پاکستان میں چودھری احمد دین صاحب کے قلم سے ایک مضمون شائع ہوا ہے جس کے آخر میں وہ لکھتے ہیں کہ

> "میں پیش گوئی کئے دیتا ہوں کہ "مودودیان کرام" ہر اس مرحلہ سے گزریں گے جس میں سے مرزائی گزر چکے ہیں اور ہر اس حربہ کو وہ استعمال کریں گے جو مرزائی استعمال کر چکے ہیں۔ مودودیت مرزائیت کی نقل مطابق اصل ہے اور اسی کے نقش قدم پر چلے گی۔"

کراچی میں، جمعیت تحفظ شریعت کی طرف سے بڑے بڑے پوسٹر شائع ہوئے ہیں جن کا عنوان ہے "مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے آئینہ میں مودودی صاحب کا چہرہ" ان میں مرزا صاحب اور مودودی صاحب کے خیالات اور اعتقادات کا مقابلہ کر کے دکھایا گیا ہے کہ کس طرح دونوں ایک ہی سکہ کے دو رُخ ہیں۔

(بحوالہ نوائے پاکستان مورخہ ۴ ستمبر ۱۹۵۵ء)

لیکن اس میں بھی دو ایک باتیں زیادہ غور طلب ہیں۔ ایک تو یہ کہ مودودی صاحب نے تحریک مرزائیت کی محدودیت سے یہ سبق سیکھا ہے کہ بننے کو سب کچھ بنو لیکن اس انداز سے کہ مسلمان آپ کو اپنے سے الگ نہ سمجھنے لگ جائیں۔ ان کے اندر رہتے ہوئے اپنی مطلب براری زیادہ مفید رہتی ہے۔ دوسرے یہ کہ (جیسا کہ طلوعِ اسلام اس سے پہلے بھی کئی بار لکھ چکا ہے) مودودی صاحب کی تحریک مرزائیت کی تحریک کے ساتھ صرف ایک حد تک جاتی ہے۔ اس کے بعد یہ اس تحریک سے کہیں زیادہ خطرناک ہو جاتی ہے۔ مرزائیت اور مودودیت میں مشترک راستے تو وہیں تک ہیں جہاں تک معاشیات کا تعلق ہے۔ یہ دونوں تحریکیں معاشی مجبوریوں کی وجہ سے چلائی گئیں اور معاشی مفاد ان کا اولین مقصد ہے۔ لیکن مودودی صاحب کے پیشِ نظر معاشی مفاد کے بعد حصولِ اقتدار بھی ہے وہ تحریک پاکستان کی اس لئے مخالفت کرتے رہے کہ لوگوں نے جناح صاحب کو اپنا قاید کیوں مان لیا ہے۔ اور اب ان کی پوری جد و جہد اس میں صرف ہو رہی ہے کہ ملک کا اقتدار ان کے ہاتھ میں آ جائے۔ اس کے لئے انہوں نے "کتاب و سنت" کو آڑ بنا رکھا ہے۔ پہلی چیز تو یہ کہ ملک کا کوئی دستور کتاب و سنت کے مطابق تسلیم نہیں کیا جا سکے گا جب تک وہ مودودی صاحب کی منشا کے مطابق نہیں ہوگا۔ اور جب دستور کتاب و سنت کے مطابق بنے گا تو اس کے چلانے کے لئے صالحین کی ضرورت ہوگی اور اس بات کو وہ کھلے کھلے الفاظ میں کہہ چکے ہیں کہ انہوں نے ملک کے صالحین کو چن چن کر اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو قرآن و سنت کی منشا کو سمجھتے ہیں اور یہی ہیں جو سیرت و کردار کے اعتبار سے اسلامی دستور کو چلانے کے اہل ہیں۔ یہ ہے ان کی ٹکنیک جس کی رو سے وہ ملک کے اقتدار کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے ہیں۔ اور یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ اس کی بابت وہ بار بار اعلان کر چکے ہیں اور اعلان کرتے رہتے ہیں۔ لیکن ان کے ہاتھ میں اقتدار دینے کے معنے یہ ہیں کہ جو کچھ مصر میں اخوان المسلمین کے ہاتھوں سے ہوا اور جو انڈونیشیا میں دار الاسلام کے ہاتھوں سے ہو رہا ہے، وہی کچھ یہاں ہوگا۔

خدا عدو کو بھی یہ خواب بد نہ دکھلائے
قفس کے سامنے جلتا تھا آشیاں اپنا

مراکشی مذاکرات

"آنچہ دانا کند کند ناداں" کے مصداق فرانس نے بالآخر مراکشی وطن پرستوں سے مذاکرات کی طرح ڈال دی ہے۔ اس مظلوم اور بدقسمت سرزمین میں گذشتہ تین سال سے جو خوں ریز ہنگامے ہو رہے ہیں اور ان میں ہزاروں مجاہدین آزادی کام آ چکے ہیں، ان کی علت اس سے زیادہ کچھ نہ تھی کہ فرانس نے مذاکرات پر فوجی قوت کو ترجیح دی۔ یہ درست ہے کہ مراکش پسماندہ ملک ہے اور اس کے باشندے بے دست و پا ہیں اور فرانس بڑی آسانی سے توپیں لے کر اُن پر چڑھ کے آ سکتا ہے لیکن قوموں کی قسمتوں کے آخری فیصلے توپوں سے نہیں ہوتے۔ جب غلام قوموں کا خون گرم ہونا شروع ہو جاتا ہے تو توپوں کی آگ اس کے سامنے ماند پڑ جاتی ہے۔ تاریخ انسانیت اس کی شہادت سے بھری پڑی ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فرانس نے یہ سبق قطعی طور پر سیکھ لیا ہے لیکن اسے اتنا پتہ ضرور چل گیا ہے کہ حریت اور بربریت سے ہر میدان نہیں جیتا جا سکتا۔ اگر وہ اس پر کاربند رہا تو اس کا نتیجہ مراکش کے حق میں بھی اچھا نکلے گا۔ اور اس کے اپنے حق میں بھی۔

مراکشی وطن پرستوں کا ایک اساسی مطالبہ یہ ہے کہ سابق سلطان بن یوسف کو جنہیں دو سال سے فرانس نے معزول کر رکھا ہے اور اب وہ مڈغاسکر میں نظربند ہیں، بحال کیا جائے اور اُن کی بحالی کے بعد مراکش کی آزادی کے لئے سلسلۂ مذاکرات شروع کئے جائیں۔ مراکش میں آباد فرانسیسیوں نے اس مطالبہ کی یہاں تک مخالفت کی کہ انہوں نے قانون تک کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اہلِ مراکش سے براہ راست جنگ چھیڑ دی۔ اس صورت حال کو موجودہ سلطان بن عرفہ نے یہ کہہ کر اور نازک بنا دیا ہے کہ وہ کسی کے حق میں تخت سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں۔ لیکن آزادی خواہوں کی استقامت اور پامردی کا یہ عالم رہا کہ حکومت فرانس بالآخر ان کے مطالبہ کے آگے جھک گئی اور مفاہمت کی یہ صورت ابھری کہ موجودہ سلطان ابن عرفہ کو ہٹا دیا جائے اور ان کے بجائے ایک ریجنسی کونسل قائم کی جائے جو ایک قومی حکومت مرتب کرے تاکہ وہ حکومت فرانس سے مناسب مذاکرات شروع کرے۔ نیز سابق سلطان بن یوسف کو مڈغاسکر سے لا کر پیرس میں رکھا جائے تاکہ ان سے صلاح مشورہ کیا جا سکے۔ ابتداءً اہلِ مراکش کو یہ مطالبہ منظور نہیں تھا کیونکہ وہ اس سابق سلطان کو تخت پر متمکن دیکھنا چاہتے تھے جو قومی مطالبات میں ان کا ساتھ دیتے تھے۔ لیکن اب انہوں نے اس مفاہمت کو منظور کر لیا ہے۔ خود ابن یوسف نے بھی اس صورتِ حال کو قبول کر لیا ہے۔ گویا اب کاوش کی صورت ابن عرفہ کی ضد ہے۔ لیکن فرانس اور مراکش دونوں ان کے خلاف ہوں تو ان کے تخت پر متمکن رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

یہ از بس غنیمت ہے کہ فرانس اور مراکش اس تجویز پر متفق ہو گئے ہیں اور مذاکرات کے لئے فضا سازگار ہو گئی ہے۔ حکومت فرانس اور وطن پرستوں کے نمایندے مڈغاسکر میں معزول سلطان سے ملاقاتیں بھی کر چکے ہیں۔ لیکن مذاکرات کی کامیابی کے لئے یہی کافی نہیں۔ اس سلسلہ میں وقت کا مسئلہ بڑا اہم ہے۔ وقت کی نزاکت کے پیش نظر وزیر اعظم نے از خود ۱۲ ستمبر کی حد مقرر کر دی تھی کہ اس تاریخ تک جملہ مبادیات طے کر لی جائیں گی۔ گویا فرانس کو اس کا احساس ہے لیکن یہ احساس کس حد تک ہے اس کا صحیح پیمانہ مذاکرات کی رفتار ہوگی۔ اگر فرانس نے نیک نیتی اور خلوص سے اہلِ مراکش سے تصفیہ کرنے کی کوشش کی تو امن و اطمینان سے جملہ مراحل طے ہو جائیں گے ورنہ اہلِ مراکش فرانس کے رویہ

اس قدر بددل ہو چکے ہیں کہ ذرا سی تاخیر روا رکھی گئی تو خطرہ ہے کہ ہنگامے شروع ہو جائیں گے اور اگر اب یہ سلسلہ شروع ہوا تو اس آگ کے شعلے فرانس کو اپنی لپیٹ میں لئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

لیکن مسلمانوں کی بے بسی (یا بے حسی) ملاحظہ ہو کہ ایک خطۂ زمین میں ان کے بے کس و مظلوم بھائیوں پر وحشیانہ مظالم ہوتے رہتے ہیں اور ان کی اتنی اتنی بڑی سلطنتیں بیٹھی منہ تکتی ہیں اور ان میں سے کسی کا ہاتھ بھی اُٹھ کر فرانس کے گلے تک نہ پہنچ سکا۔

پنڈت نہرو اور گوآ

گوآ پنڈت نہرو کے گلے میں کچھ اس طرح اٹک گیا ہے کہ نہ وہ اسے نگل سکتے ہیں نہ اگل سکتے ہیں۔ عین اس حال میں کہ انہیں یقین تھا کہ انہیں اشارہ کرنے کی ضرورت ہے کہ پرتگال ان کے سامنے گھٹنے ٹیک دے گا، پرتگال نے نہ محض انہیں مشکور کرنے سے انکار کر دیا بلکہ عیسائی دنیا جن میں برطانیہ اور امریکہ بھی شامل ہیں، کی رائے عامہ کو ہندوستانی استعماریت کے خلاف ابھار دیا۔ مزید برآں پرتگال نے ہندوستان کو یہاں تک کہہ دیا کہ چونکہ گوآ پرتگال کا حصہ ہے اس لئے نہ اس کے انتقال کا سوال پیدا ہوتا ہے نہ انتقال کے لئے باشندوں سے استصواب کرنے کا۔ پنڈت کو اس پر تاؤ آیا لیکن اقوامِ مغرب کے مقابلے میں وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ ان کے زرخیز دماغ نے پُرامن ستیہ گرہ کی تجویز سوچی۔ یہ تجویز انہوں نے فرقہ پرست "ہندو جماعتوں" کے سپرد کر دی اور خود پروپیگنڈہ کرنا شروع کر دیا کہ گوآ کے باشندے ہی پرتگال سے آزادی کے خواہشمند ہیں اور وہی گوآ پر پُرامن چڑھائی کر کے اسے آزاد کرائیں گے۔ اس کے مطابق ستیہ گرہ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ گذشتہ سال ہندوستان کی آزادی کے دن گوآ پر چڑھائی کی گئی۔ لیکن کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ اب کے پھر ۱۵ر اگست کو وہی کھیل کھیلا گیا۔ ہرچند پنڈت جی نے دنیا بھر کو یہ یقین دلایا تھا کہ ستیہ گرہ اہلِ گوآ کی طرف سے ہوگا، عملاً دنیا بھر نے دیکھ لیا کہ ہزاروں ہندو رضاکار ہندوستان کی سرحد پار کر کے گوآ میں داخل ہو گئے۔ اس سے پنڈت جی کے پروپیگنڈے کی قلعی کھل گئی۔

۱۵ر اگست سے پہلے پنڈت جی نے یہ بھانپ کر کمیونسٹ گوآ کی ستیہ گرہ کا فائدہ اٹھا رہے ہیں اور اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔ اس پر انہوں نے کانگریسیوں کو انفرادی حیثیت سے ستیہ گرہ میں شریک ہونے کی اجازت دیدی۔ لیکن جب ۱۵ر اگست کو یہ حقیقت دنیا بھر پر واضح ہو گئی کہ یہ سارا طوفان ہندوستان کا پیدا کردہ ہے اور اہلِ گوآ نے اس میں مطلقاً دلچسپی نہیں لی تو انہوں نے بدنامی سے بچنے کے لئے کانگرس سے ستیہ گرہ کی مذمت میں قرارداد منظور کرادی۔ یہ قرارداد منظور کرا کے انہوں نے یہ تاثر پیدا کرنا چاہا کہ ان کی حکومت اور ان کی پارٹی (کانگرس) ستیہ گرہ کی مؤید نہیں۔ البتہ غیر سرکاری طور پر کچھ لوگ ستیہ گرہ کر رہے ہیں۔ وہ نہ حکومت کے ایما پر ایسا کر رہے ہیں نہ حکومت انہیں اس سے باز ہی رکھ سکتی ہے۔ کانگرس کے اس فیصلے کے حق میں وہ یہ دلیل بھی پیش کر رہے ہیں کہ حکومت ہند نے گوآ کی سرحدوں کو بند کر رکھا ہے۔ لہٰذا ہندوستان کی طرف سے رضاکاروں کے گوآ میں داخل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پنڈت جی کے کردار کا یہ ایک اور تضاد ہے۔ انہوں نے ستیہ گرہیوں کی مدد کے لئے گوآ کی ناکہ بندی شروع کی۔ اور اس طرح جب سرحدات کے راستوں کو بند کر دیا تو اس سے یہ استنباط کیا کہ اب ستیہ گرہیوں کے گوآ میں داخل ہونے کا سوال پیدا نہیں ہوتا حالانکہ جو کام ستیہ گرہی نہیں کر سکے وہ پنڈت جی ناکہ بندی سے کرنا چاہتے ہیں۔ پوچھا جا سکتا ہے کہ اگر پنڈت جی ستیہ گرہ کے حق میں نہیں تو وہ کس بنا پر ناکہ بندی کو جائز سمجھتے ہیں۔ آخر گوآ کی ہندوستان سے لڑائی تو نہیں ہو رہی کہ نوبت ناکہ بندی تک پہنچ جائے؟

عالمگیر مخالفت کو دیکھ کر پنڈت جی طرح طرح کی مذبوحی حرکات کر رہے ہیں۔ پہلے وہ گوآ کو اس لئے آزاد کرانا چاہتے تھے کہ گوآ ہندوستان کا حصہ ہے اور اہلِ گوآ ہندوستان سے الحاق چاہتے ہیں۔ بعد میں انہوں نے اس مؤقف میں یہ تبدیلی پیدا کی کہ اگر گوآ ہندوستان سے الحاق کرلے تو گوآ کی خصوصی پوزیشن کا لحاظ رکھا جائے گا اور اہلِ گوآ کو مناسب مراعات دی جائیں گی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ہندوستان گوآ پر اپنا حق تو نہیں سمجھتا البتہ اسے پھانسنے کے لئے چکمے دے رہا ہے۔ اب وہ یہ نہیں کہتے کہ گوآ ہندوستان کا حصہ ہے لہٰذا اسے ہندوستان میں شامل ہو جانا چاہیئے۔ بلکہ ان کا یہ کہنا ہے کہ ہندوستان گوآ کو استعماریت سے نجات دلوانا چاہتا ہے۔ لہٰذا پرتگال کو گوآ سے نکلوا دینے کے بعد اہلِ گوآ خود فیصلہ کرلیں گے کہ انہیں کیا کرنا چاہیئے۔ یہ علانیہ اعتراف ہے اس حقیقت کا کہ ہندوستان کو اہلِ گوآ کی تائید حاصل نہیں۔ اس تائید کے بغیر ہندوستان کا پرتگال کے خلاف سارا مقدمہ ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن وہ پہلو بدل بدل کر اس کے خلاف کارروائی کر رہا ہے۔ آیا پرتگال کی گوآ میں موجودگی استعماریت ہے یا نہیں، اس کا فیصلہ اہلِ گوآ ہی کر سکتے ہیں ہندوستان کو یقیناً یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ گوآ کی طرف سے فیصلے کرے اور اس کی لڑائی لڑے۔

گوآ کے بارے میں ہندوستان کے لئے ایک اور مشکل آ پڑی ہے۔ وہ جس انداز سے گوآ کو "آزاد" کرا رہا ہے اس کا براہ راست اثر کشمیر پر پڑ رہا ہے۔ اگر گوآ کے خلاف ستیہ گرہ روا ہے اور حکومت ہندوستان ستیہ گرہیوں کو روکنے کی مجاز نہیں تو کشمیر کو ہندوستان کے چنگل سے چھڑوانے کا راستہ بھی صاف ہو جاتا ہے۔ پاکستانی آزاد کشمیر کے باشندے اور مقبوضہ کشمیر کے مہاجر (جو کہ مقبوضہ کشمیر کے باشندے ہیں) بھی کشمیر کو آزاد دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہندوستان کی مثال کو سامنے رکھ کر انہوں نے بھی سوچنا شروع کر دیا ہے کہ مقبوضہ کشمیر کے خلاف پُرامن تحریک جاری کی جائے۔ پاکستان کے اس اندازِ فکر سے پنڈت نہرو بوکھلا سے گئے ہیں۔ وہ پاکستان سے براہ راست تو درخواست نہیں کر سکتے کہ وہ گوآ سے نتائج مرتب کر کے کشمیر پر ان کا اطلاق نہ کریں، لیکن انہوں نے "بنڈونگ کانفرنس" کے شرکاء سے شکوہ کیا ہے کہ انہوں نے بنڈونگ کی روح کو نظر انداز کر دیا ہے اور گوآ کے معاملہ میں ہندوستان کا ساتھ نہیں دیا۔ یہ شکوہ دراصل پاکستان سے ہے۔ لیکن پنڈت جی کو یہ شکایت اپنے آپ سے کرنی چاہیئے۔ انہوں نے گوآ کی تحریک شروع کرا کے اور طرح طرح کے بیانات دے کر پاکستان کو کشمیر کو آزاد کرانے کا راستہ دکھا دیا ہے۔ اب ہندوستان کو ..... یہ فکر دامن گیر ہو گئی ہے کہ پاکستان کشمیر میں وہ کچھ نہ کر گزرے جو وہ گوآ میں کر رہا ہے۔ ایسا ہو گیا تو ہندوستان کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہوگا اور پاکستان کو سات سال کے کشمیری تعطل کو توڑنے کا عمدہ موقع مل جائے گا۔

لیکن اس میں اصل نقطہ یہ ہے کہ پنڈت جی کو گوآ میں وہ کچھ کرنے کی ہمت کیوں نہیں ہو رہی جو کچھ وہ جوناگڑھ، حیدرآباد، اور کشمیر میں کر گزرے تھے! اس لئے کہ گوآ کے پیچھے پرتگال ہے اور ان علاقوں کے پیچھے پاکستان تھا! اس میں ہمارے لئے سامانِ ہزار عبرت ہے۔

لیکن کیسے؟

محترم چوہدری محمد علی صاحب نے قائداعظم کی برسی کی تقریب پر ۱۱ر ستمبر کی شام (کراچی) کے ایک عام جلسہ میں تقریر فرمائی۔ جس وقت یہ پرچہ پریس میں جا رہا ہے اس وقت تک ہمیں اس تقریر کا اردو میں پورا متن نہیں مل سکا اس لئے اس وقت اس کے متعلق تفصیلی تبصرہ ممکن نہیں۔ البتہ اس میں ایک ٹکڑا ایسا ہے جو فوری توجہ کا محتاج ہے۔ انہوں نے عوام سے کہا کہ "انہیں اس قابل ہونا چاہیئے کہ وہ اقتدار کے بھوکے اور مفاد پرست لیڈروں کو نکال باہر کریں"۔ یہ تجویز بڑی معقول ہے کیونکہ عوام کے جذبات کی صحیح صحیح ترجمانی کرتی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ پبلک یہ کچھ کرے کس طرح؟ حکومت نے ایک مشینری وضع کر رکھی ہے جس کی رُو سے وہ جس لیڈر کو چاہے اقتدار کی کرسی پر بٹھا دیتی ہے لیکن پبلک کے پاس کوئی ایسی قوت نہیں جس سے وہ اس لیڈر کو مسندِ اقتدار سے الگ کر دے۔ مثال کے طور پر یہ مثال ہم محض اس لئے پیش کر رہے ہیں کہ یہ تازہ ترین واقعہ ہے اور خود چوہدری صاحب کے عہد حکومت میں ظہور پذیر ہوا ہے) حکومت نے چاہا کہ مسٹر چندریگر کو مرکزی کابینہ کا وزیر بنایا جائے۔ چنانچہ انہیں بلایا اور وزیر بنا دیا۔ پھر ضرورت محسوس ہوئی کہ انہیں مجلس دستور ساز کا رکن بھی بنایا جائے۔ اس کے لئے انہیں مسلم لیگ کا ٹکٹ دیدیا گیا اور اس طرح وہ مجلس آئین ساز کے رکن بن جائیں گے۔ یہ تو ہے لیڈروں کو بااقتدار بنانے کا طریقہ۔ اب آپ یہ فرمائیے کہ اگر پبلک سمجھے کہ ان میں سے فلاں فلاں لیڈر اقتدار کا بھوکا اور مفاد پرست ہے، تو وہ کیا طریقہ اختیار کرے جس سے وہ ان لیڈروں کو نکال باہر کرے؟ پبلک کو وہ طریقہ بتائیے اور پھر دیکھئے کہ موجودہ لیڈروں میں سے کتنے باہر نکالے جاتے ہیں۔ پبلک تو اس دن کا شدت سے انتظار کر رہی ہے جس دن اسے کوئی یہ بتائے کہ مفاد پرست

تاریخی شواہد

حضرت ابراہیم علیہ السلام

گذشتہ صفحات میں اُن انبیائے کرام (علیہم السلام) کا تذکرہ ہماری نگاہوں سے گزرا ہے جن کی دعوت رشد و ہدایت کا سلسلہ اپنی اپنی قوم تک محدود رہا۔ لیکن، جیسا کہ متعدد مقامات میں بیان کیا جا چکا ہے، اسلام تمام نوعِ انسان کا دین ہے۔ اس لئے اس کا حلقۂ تخاطب عالمگیر ہے۔ زیرِ نظر باب میں اس جلیل القدر ہستی کا تذکرہ جمیلہ ہمارے قلب و نگاہ کے لئے وجہ شادابی بنے گا جس کے مقدس ہاتھوں اسلام کی اس آفاقیت اور عالمگیریت کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔ یہ ذاتِ گرامی قدر، پیکرِ خلّت و صداقت، حضرت ابراہیمؑ کی ہے جنہیں مشیتِ ایزدی نے اس منصبِ جلیلہ کے لئے منتخب کیا کہ قیامت تک کے لئے نبوت و رسالت کی نعمتِ عظمیٰ آپ کی ذریت سے باہر نہ گئی۔ اس شجرِ مقدس کی ایک شاخِ طوبیٰ حضرتِ عیسیٰ تک منتج رہی تو دوسری شاخ سے وہ گُلِ سرسبد تبسم فشاں ہوا جس پر نور و نکہت کی تمام رعنائیاں اپنے اوجِ کمال تک پہنچ کر ختم ہو گئیں اور جس کی جلوہ فروشیاں اور عنبر فشانیاں زمان و مکان کی حدود و قیود سے بے نیاز ہو کر قیامت تک کے لئے زینت دو عالم قرار پائیں۔ (اس نبی آخرالزمان (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ملت، ملتِ ابراہیمی اور امتِ امتِ حنیف کے نام سے موسوم ہوئی۔ کیونکہ دنیا میں خاندان، توحید پرستی کے مؤسسِ اوّل اور مورثِ اعلیٰ حضرت خلیل اکبر (ابراہیمؑ) ہی ہیں۔

قرآن کریم نے بتایا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اس سلسلۂ نبوت و رسالت کی ایک برگزیدہ کڑی تھے جس کے تذکرہ کی ابتدا حضرت نوحؑ سے کی گئی ہے۔

وَ اِنَّ مِنْ شِیْعَتِہٖ لَاِبْرٰھِیْمَ (۳۷/۸۳)

اور یقیناً (نوح کے) گروہ میں سے ابراہیم بھی تھا۔

آپ کا زمانہ حضرت نوحؑ کے بعد اور حضرات اسحٰقؑ و یعقوبؑ سے پہلے ہے۔

وَ وَھَبْنَا لَہٗۤ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ ؕ کُلًّا ھَدَیْنَا ۚ وَ نُوْحًا ھَدَیْنَا مِنْ قَبْلُ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِہٖ دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ وَ اَیُّوْبَ وَ یُوْسُفَ وَ مُوْسٰی وَ ھٰرُوْنَ ؕ وَ کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۝ (۶/۸۵)

اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور (اسحاق کا بیٹا) یعقوب دیا۔ ہم نے سب کو راہ راست دکھائی (وہی راہ راست جو نوح کو دکھا چکے ہیں اور ابراہیم کی نسل میں سے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ، ہارون کو بھی یہی راہ دکھائی) ہم اسی طرح حسن عمل کرنے والوں کو ان کے حسن عمل کا بدلہ دیتے ہیں۔

اس لئے حضرت یوسفؑ سے بھی پہلے، چنانچہ حضرت یوسفؑ نے فرمایا۔

وَ اتَّبَعْتُ مِلَّۃَ اٰبَآءِیْۤ اِبْرٰھِیْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ ؕ (۱۲/۳۸)

میں نے اپنے باپ دادوں یعنی ابراہیم اور اسحٰقؑ اور یعقوب کی ملت کی پیروی کی ہے۔

توریت کا بیان ہے کہ حضرت نوحؑ کی آٹھویں[۱] پشت میں نحور پیدا ہوئے جو حضرت ابراہیمؑ کے دادا تھے ان سے یہ سلسلہ اس طرح آگے بڑھا۔

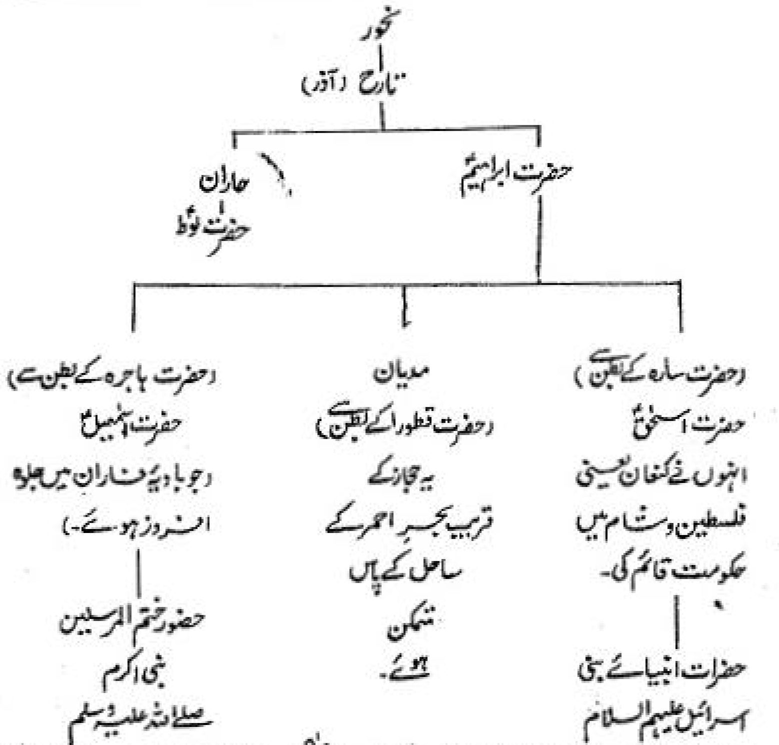

حضرت ابراہیمؑ کے والد کا خاندان، کلدانیوں کے شہر اُور[۲] میں آباد تھا۔ کلدانیوں (بابل) کا تمدن تاریخ کے اوراق پر ابھرے ہوئے حروف میں نظر آتا ہے۔ توریت میں حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں عراق اور شام کی باہمی جنگ کا قصہ مذکور ہے۔ جس میں شنعار (بابل) کے بادشاہ کا نام امرافیل درج ہے۔ قیاس ہے کہ یہ بادشاہ وہی ہے جو حمورابی کے نام سے مشہور ہے اور جس کے قوانین بابل کے مینارہ پر کندہ ملے ہیں اس قیاس کی رُو سے حضرت ابراہیمؑ کا عہد (۲۳۰۰ ق۔م) قرار دیا جا سکتا ہے ان کی قوم بُت پرستی اور ستارہ پرستی میں مشہور تھی۔ خود حضرت ابراہیم کے والد ایک بہت بڑے پجاری (آذر) تھے۔ لہٰذا جن موروثی اثرات کو لئے ہوئے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے اور جس ماحول میں آپ کی تعلیم و تربیت ہوئی، علم النفس (PSYCHOLOGY) کے اصول کی رُو سے آپ کو انہی معتقدات کا حامل ہونا چاہئے تھا۔ لیکن ایک نبی اور عام انسانی بچے میں بنیادی فرق ہوتا ہے۔ عام انسانی بچہ اپنے موروثی اثرات اور نقوش اور ماحول کی تعلیم و تربیت کی تخلیق ہوتا ہے لیکن جسے اللہ تعالیٰ مقام نبوت کے لئے مختص کرتا ہے وہ ان خارجی اثرات سے غیر متاثر رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بتوں کی آغوش کا پرورش یافتہ بچہ دُنیا میں سب سے بڑا بُت شکن ثابت ہوا۔ اور یہی بُت شکنی صرف مٹی اور پتھر کے محسوس و مرئی بتوں تک ہی محدود نہ رہی بلکہ ایک ایسے زمانہ میں، جبکہ انسانی نگاہ محسوسات کی چار دیواری سے باہر بمشکل جاتی تھی، تیشۂ ابراہیمی نے اعماقِ قلب میں چھپے ہوئے غیر محسوس و غیر مرئی بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے اور یوں دنیا میں خالص اور سچی توحید کے عملی پیکر کی حیثیت سے ملتِ موحدہ کے مؤسسِ اوّل قرار پائے۔ لیکن یہ دعوتِ توحید کچھ آسان کام نہ تھا اس میں تو۔ ع

صد منزل است و منزلِ اوّل قیامت است

اس دعوت کے معنی یہ تھے کہ ساری دنیا کی مخالفت مول لے لی جائے لیکن اس مخالفت سے ان کے جوہرِ خودی کی اور بیداری ہوتی تھی۔ یہ تصادم درحقیقت اس امر کے پرکھنے کے مواقع تھے کہ ان کی صلاحیتیں کس حد تک بیدار ہو چکی ہیں اور ان کے عزم میں کس حد تک پختگی آ چکی ہے۔ اس کے متعلق سورۂ بقرہ میں ہے۔

وَ اِذِ ابْتَلٰۤی اِبْرٰھِیْمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ ؕ (۲/۱۲۴)

جب اللہ نے ابراہیم کے لئے اس کی مضمر صلاحیتوں کے اظہار کے مواقع بہم پہنچائے تو معلوم ہوا کہ اس کی (یہ) صلاحیتیں تکمیل پا چکی ہیں۔

---

[۱] توریت کے بیان کے مطابق یہ سلسلہ یوں قائم ہوا تھا (حضرت) نوحؑ۔ سام۔ ارفکسد۔ سلح۔ عبر۔ فلج۔ رعو۔ سروج۔ نحور۔ تارح۔ حضرت ابراہیمؑ۔

[۲] خود اُور کے معنی شہر یا بستی کے ہیں۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ تورات کے اُور سے مراد بابل وغیرہ کوئی بڑا شہر ہو۔ کتاب پیدائش میں ہے۔ "اور تارح نے اپنے بیٹے ابرام اور اپنے پوتے لوط کو جو حاران کا بیٹا تھا اور اپنی بہو سری کو جو اس کے بیٹے ابرام کی جورو تھی ساتھ لیا اور وہ سب کسدیوں کے اُور سے روانہ ہوئے کہ کنعان کے ملک میں جائیں اور وہ حاران تک آئے اور وہاں رہنے لگے۔" (پیدائش ۱۱/۳۱)

اسلام کی سرگزشت

گذشتہ اشاعتوں میں عربوں کی حیات عقلیہ کے ضمن میں زبان، شعر اور ضرب الامثال سے گفتگو کی جا رہی تھی۔ ضرب الامثال سے متعلق گفتگو ہنوز جاری ہے ——————

اس کے بعد اگر ہم ان ضرب الامثال پر غور کریں جو جاہلی عربوں کی طرف منسوب کی جاتی ہیں تو ان میں بعض ضرب الامثال ایسی ملیں گی جو نہایت ہی بیہودہ ہوں گی ان کو سُن کر تمہارے ہونٹوں پر استہزاء کا تبسم کھیلنے لگے گا۔ مثال کے طور پر اپنی ضرب الامثال کو لے لیجئے جنہیں ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ جن میں سے بعض ضرب الامثال تو تعبیر کے لحاظ سے نہایت ہی کم درجہ کی ہیں اور بعض ضرب الامثال کے الفاظ قبیح بلکہ فحش ہیں۔ بعض ضرب الامثال میں زندگی کے متناقض نظریات بیان ہوتے ہیں مثلاً سَمِّنْ كَلْبَكَ يَأْكُلْكَ (کتے کو موٹا کرو تو وہ تمہیں ہی کھا جائے گا) اور سَمِّنْ كَلْبَكَ يَتْبَعْكَ (کتے کو موٹا کرو تو وہ تمہارے پیچھے پیچھے دوڑے گا)۔ زیادہ تر ضرب الامثال صحیح تجربہ کا اور حکیمانہ پُر اطمینان غور و فکر کا نتیجہ ہیں۔ مثلاً اَخُو الظَّلْمَاءِ اَعْشٰی (ہمیشہ تاریکی میں رہنے والا رات کو بھی چندھیا جاتا ہے) اور إِنَّ مِنَ الْحُسْنِ شِقْوَةً (حسن بعض مرتبہ بدبختی بن جاتا ہے) اور وَ اُمُّ الصَّقْرِ مِقْلَاتٌ نَزُورٌ (شکاری پرند (شکرا) کے بچے بہت ہی کم زندہ رہا کرتے ہیں) اور تَجُوعُ الْحُرَّةُ وَلَا تَأْكُلُ بِثَدْيَيْهَا (شریف عورت بھوکی رہ لیتی ہے مگر اپنے پستانوں کو ذریعہ معاش نہیں بناتی) اور التَّمْرَةُ إِلَى التَّمْرَةِ تَمْرٌ (کھجور کھجور کی طرف جائے تو کھجور ہی ہے) الثَّكْلَى تُحِبُّ الثَّكْلَى (مصیبت زدہ عورت مصیبت زدہ عورت ہی کو پسند کرتی ہے) اور الْحَرْبُ أَيِّمَةٌ (جنگ بیوہ عورت ہے) اور بِئْسَ الْعِوَضُ مِنْ جَمَلٍ قَيْدُهُ (اونٹ کے بدلے میں اس کی رسی رہ جانا کوئی اچھا معاوضہ نہیں) بَيْنَهُمْ دَاءُ الضَّرَائِرِ (ان کے درمیان میں سوکنوں کی بیماری ہے) .... اور تَرَى الْفِتْيَانَ كَالنَّخْلِ وَمَا يُدْرِيكَ مَا الدَّخْلُ (جوانوں کو تم کھجور کے درختوں کی طرح اونچے اونچے دیکھو گے مگر تمہیں کیا معلوم کہ ان میں عیب کیا ہوتا ہے) ...... الخ

واقعہ یہ ہے کہ ادب کی اس قسم میں عربوں نے بڑی عمدگی سے کام لیا ہے اور ہمارے لئے ایسی ایسی ضرب الامثال چھوڑ گئے ہیں جن سے ہمیں اشعار اور قصوں کہانیوں سے کہیں زیادہ ان کی عقلیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ بظاہر اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ضرب الامثال ان کے مزاج عقلی سے زیادہ مطابقت رکھتی تھیں۔ ان کا مزاج عقلی ہشیار اور مقامی حیثیت سے نظر ڈالتا ہوتا تھا نہ کہ کلی اور مجموعی حیثیت سے۔ ایک ضرب المثل کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی کہ وہ دنیا اور دنیوی حالات کے احاطہ کے بعد کہی جائے۔ نہ ہی اس کے لئے وسعت خیال اور عمیق غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے۔ بلکہ زندگی کے معاملات میں سے کسی خاص معاملہ کے متعلق محض ایک مقامی تجربہ درکار ہوتا ہے۔

ان ضرب الامثال سے ہمیں عربوں کی اجتماعی زندگی کے متعلق وہ چیزیں مل جاتی ہیں جن کا اجمالی تذکرہ ہم نے پہلے کر دیا ہے۔ ان ضرب الامثال کے مجموعہ پر نظر ڈالنے سے جو عورت کے بارہ میں کہی گئی ہیں ہمیں یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ ان کی نظروں میں عورت کا مرتبہ کس قدر پست ہوتا تھا۔ اقتصادی زندگی سے متعلق جو ضرب الامثال کہی گئی ہیں ان سے اس ملک کے فقر اور قحط زدگی کا پتہ ملتا ہے۔ اگر ہم تفصیل سے ان تمام ضرب الامثال کو بیان کریں جو ہر باب میں کہی گئی ہیں اور ان کے نتائج پر روشنی ڈالنا شروع کر دیں تو بات بہت لمبی ہو جائے گی اس لئے بہتر ہوگا کہ آپ ان ضرب الامثال کا مطالعہ "امثال المیدانی" اور ابوہلال عسکری کی "جمہرۃ الامثال" اور مفضّل ضبّی کی "الامثال" میں فرمالیں۔ یہ تو ہم نے آپ کو بتا ہی دیا ہے کہ ان ضرب الامثال پر کس جہت سے نظر ڈالنی چاہیئے۔

دو چیزیں اور بھی ہیں جو ضرب الامثال ہی کے حکم میں ہیں اور حیات عقلیہ کا پتہ لگانے میں ان کی بڑی قیمت ہے۔ لیکن بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنفین نے ان پر کافی توجہ نہیں دی۔ چنانچہ ضرب الامثال کی طرح نہ اُن کو انہوں نے جمع کیا اور نہ ترتیب دی بلکہ کتابوں میں ہمیں یونہی کہیں کہیں اِدھر اُدھر بکھری ہوئی مل جاتی ہیں۔

اول (پہیلیاں) اور چیستانیں۔ مثلاً لوگوں کا بیان ہے کہ ایک دن عبید بن الابرص اور امراؤ القیس جمع ہوئے تو عبید نے اس سے کہا کہ عجیب و غریب باتوں (اوابد) کے متعلق تمہاری پہچان کیسی ہے؟ امراؤ القیس نے کہا جو تمہارا جی چاہے کہو تم مجھے ویسا ہی پاؤ گے۔ جیسا کہ تم چاہتے ہو۔ چنانچہ عبید نے کہا ؎

وہ زندہ، مردہ چیز کونسی ہے جو اپنی مردہ نعش کو لیکر کھڑی ہو جاتی ہے۔ کھردری ہوتی ہے۔ نہ اس کے دانت ہوتے ہیں نہ ڈاڑھیں؟

تو امراؤ القیس نے جواب دیا۔

"یہ جو کا دانہ ہے جو اپنی بال میں نمی حاصل کرتا ہے، اور عرصہ تک رہنے کے بعد اپنے بھوسے کے پھونسڑے نکال دیتا ہے"

اس کے بعد عبید نے کہا ؎

وہ سفید چیزیں اور سیاہ چیزیں کونسی ہیں جن کا نام ایک ہی ہے لیکن آدمی ان کو چھو نہیں سکتے؟

تو امراؤ القیس نے جواب دیا

"یہ بادل ہیں جب خدا انہیں پیدا کر دے اور ان سے لاغر اور خشک زمینوں کو سیراب کر دے"

یہ قصہ بڑا لمبا ہے اور اس میں اسی طرح کے سوال جواب ہوتے چلے گئے ہیں۔

اور مثلاً وہ قصہ جو لوگ نقل کرتے ہیں کہ امرؤ القیس نے قسم کھائی تھی کہ وہ کسی عورت سے اس وقت تک شادی نہیں کرے گا جب تک اس سے یہ نہ پوچھے کہ آٹھ۔ چار اور دو کیا ہوتے ہیں۔ اس نے مختلف عورتوں کو پیغام دینے شروع کئے لیکن جب اُن سے یہ سوال کرتا تو وہ سب یہی جواب دیتیں کہ آٹھ۔ چار اور دو چودہ ہوتے ہیں۔ وہ ایک دن کہیں جا رہا تھا۔ رستہ میں ایک شخص سے ملاقات ہو گئی جو اپنے ساتھ اپنی ایک چھوٹی لڑکی کو سوار کئے ہوئے لیجا رہا تھا لڑکی نہایت ہی حسین تھی، ایسی جیسے چودھویں رات کا چاند ہو۔ یہ لڑکی امرؤ القیس کو بہت پسند آئی۔ اس نے اس لڑکی سے پوچھا۔ لڑکی! آٹھ، چار، دو کیا ہوتے ہیں؟ تو لڑکی نے جواب دیا کہ آٹھ کتیا کے تھن ہوتے ہیں۔ اور چار اونٹنی کے تھن ہوتے ہیں اور دو عورت کے پستان ہوتے ہیں۔" امرؤ القیس نے فوراً اس کے باپ کو شادی کا پیغام دے دیا۔

ہم نے یہ دونوں مثالیں اس لئے بیان نہیں کی ہیں کہ ہم ان کو صحیح سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اسلامی عہد کی بناوٹ کا اثر ان پر عیاں طور سے نظر آ رہا ہے۔ پہلی مثال میں یہ مصرعہ موجود ہے ؎

تِلْكَ السَّحَابُ إِذَا الرَّحْمٰنُ أَنْشَأَهَا

"یہ بادل ہیں جب خدا انہیں پیدا کر دے"

اور اس کے بعد یہ شعر بھی موجود ہے۔

تِلْكَ الْمَوَازِينُ وَالرَّحْمٰنُ أَرْسَلَهَا
رَبُّ الْبَرِيَّةِ بَيْنَ النَّاسِ مِقْيَاسًا

یہ اوزان ہیں جنہیں خدا نے بھیجا ہے جو ساری مخلوق کا پروردگار ہے تاکہ وہ لوگوں کے درمیان اندازہ کرنے کی چیز بن جائیں۔

(یہ الفاظ اپنے منہ سے پکار رہے ہیں کہ اسلامی عہد میں کہے گئے ہیں امرؤ القیس کے عہد سے ان کا کوئی تعلق نہیں) علاوہ ازیں اشعار نہایت کمزور اور پھسپھسے ہیں۔ بلکہ ان کو ذکر کرنے سے ہمارا مقصد صرف اتنا تھا کہ ہم یہ بتا دیں کہ پہیلیوں اور چیستانوں سے ہمارا مطلب کیا ہے؟ اس قسم کی پہیلیاں اکثر کتابوں میں بکھری ہوئی ملتی ہیں۔ مثلاً "امالی القالی" جاحظ کی "الحیوان" ابن الاثیر کی "المثل السائر" اور امثال المیدانی وغیرہ۔ اگر یہ تمام پہیلیاں اور چیستانیں جمع کر لی جائیں اور اُن پر غور کیا جائے تو عربوں کے تخیل کے گوشوں میں سے ایک خاص گوشہ پر کافی روشنی پڑ سکتی ہے۔

اسلامی معاشرت
قیمت دو روپے

مجلسِ اقبال

مثنوی اسرارِ خودی

باب دوم [مسلسل]

اس کے بعد ارشاد ہے ،

آرزو را در دلِ خود زندہ دار
تا نہ گردد مشتِ خاکِ تو مزار

اگر تو چاہتا ہے کہ تیری مشتِ خاک تیری زندگی کی موت کی مظہر نہ بن جائے تو اس کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ تو اپنے دل میں آرزو کو زندہ رکھ ۔ اس لئے کہ آرزو کے مرجانے سے دل مُردہ ہوجاتا ہے اور دل کی موت خودی کی موت ہے ۔ اس کے بعد انسان محض طبعی طور پر جیتا ہے لیکن وہ درحقیقت ایک چلتی پھرتی لاش سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا ۔

آرزو جانِ جہانِ رنگ و بواست
فطرتِ ہر شے امینِ آرزو است

یہ کائنات یہ جہانِ رنگ و بو ۔ یہ گوناگوں جاذبیتوں کی دنیا کیا ہے ! یہ سب آرزو کے مظاہر ہیں اور ہر شے کی فطرت درحقیقت آرزو کی امین ہے ۔

از تمنا رقصِ دل در سینہ ھا
سینہ ھا از تابِ او آئینہ ھا

یہ آرزو ہی کی حرارت ہے جس سے انسان کے سینہ میں اس کا دل رقصاں و جنباں رہتا ہے ۔ اور یہ آرزو ہی کی روشنی ہے جس سے انسان کا سینہ ، آئینہ بن جاتا ہے ۔ انسان کے جذبات کا سوز اور حرارت بھی آرزو سے ہے اور اس کی فکر و ادراک کی روشنی بھی آرزو ہی کی رہینِ منت ہے ۔

طاقتِ پرواز بخشد خاک را
خضر باشد موسیٔ ادراک را

آرزو انسان کے دل میں وہ توانائی پیدا کردیتی ہے کہ یہ مادہ کی چاردیواری سے اُڑ کر باہر جاسکتا ہے اور اس کی عقل و فکر کی رہنمائی بھی آرزو ہی کرتی ہے ۔

اس مقام پر حضرت علامہ نے ایک دوسرا نکتہ ارشاد فرمایا ہے ۔ یعنی انسان کی عقل اور اس کے جذبات کا تعلق ۔ عام طور پر سمجھا یہ جاتا ہے کہ انسان اپنی عقل کی رُو سے فیصلہ کرتا ہے ۔ لیکن یہ غلط ہے ۔ انسان کی عقل تو اس کے جذبات کی لونڈی ہوتی ہے ۔ جذبات تو فیصلہ کرتے ہیں اور عقل کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ اس فیصلے کو بروئے کار لانے کے لئے اسباب و ذرائع بہم پہنچائے اور اسے جائز کے لئے دلائل تراشے ۔ جوڈ کی مثال میں انسانی عقل اس کے جذبات کی اس طرح پیروی کرتی ہے جس طرح کتے کی ٹانگیں اس کی ناک کے پیچھے پیچھے چلتی ہیں ۔ انسان اپنے سامنے ایک نصب العین رکھتا ہے ۔ پھر اس نصب العین کے حصول کے لئے اس کے دل میں تڑپ پیدا ہوتی ہے اور عقل اس کے لئے اسباب و ذرائع فراہم کرتی ہے ۔ اس لئے حضرت علامہ نے کہا ہے کہ آرزو درحقیقت عقل کی رہنما بنتی ہے ۔ لہٰذا جس قدر کسی انسان کی آرزو صحیح ہوگی اسی قدر اس کی عقل صحیح سمت کی طرف قدم اٹھائے گی ۔ اگر اس کا مقصد غلط ہو تو اس کی عقل بھی غلط سمت کی طرف بھاجائے گی ۔

اس کے بعد کہتے ہیں

دل ز سوزِ آرزو گیرد حیات
غیرِ حق میرد چو او گیرد حیات

انسان کا قلب آرزو کی حرارت سے زندہ رہتا ہے اور جب انسان کا دل زندہ ہوجائے تو غیرِ حق پر موت طاری ہوجاتی ہے ۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ اسی صورت میں ہوگا جبکہ انسان کے سامنے مقصد ، حق ہو اور اس کے حصول کے لئے اس کے دل میں تڑپ پیدا ہو ۔ اگر مقصد غیرِ حق ہو تو اس مقصد کے حصول کے لئے جو آرزو پیدا ہوگی اس سے غیرِ حق کی موت نہیں ہوگی ۔ لہٰذا زندگی کا بنیادی نقطہ مقصد کا حق ہونا ہے ۔

بہرحال حضرت علامہ نے کہا یہ ہے کہ انسانی قلب سوزِ آرزو سے زندگی حاصل کرتا ہے

اور ،

چوں ز تخلیقِ تمنا باز ماند
شہپرش بشکست و از پرواز ماند

جب انسان کے دل میں آرزوئیں پیدا ہونا بند ہوجاتی ہیں تو اس کا بازو ٹوٹ جاتا ہے اور پھر وہ اڑنے کے قابل نہیں رہتا ۔ اس کی زندگی اس خاک کی زندگی رہ جاتی ہے اور اسی کا نام انسانیت کی موت ہے ۔

آرزو ہنگامہ آرائے خودی
موجِ بیتابے ز دریائے خودی

خودی کے ہنگامے آرزو کی بدولت ہیں ۔ آرزو درحقیقت ، دریائے خودی ہی کی ایک موجِ بیتاب کا نام ہے ۔

آرزو صیدِ مقاصد را کمند
دفترِ افعال را شیرازہ بند

آرزو وہ جال ہے جس سے انسانی مقاصد شکار ہوتے ہیں ۔ اور یہ وہی تاگا ہے جو انسانی اعمال کی شیرازہ بندی کرتا ہے ۔ اعمال اس صورت میں نتیجہ خیز ہوسکتے ہیں کہ ان میں باہمی ربط و ضبط ہو اور یہ ربط و ضبط تعینِ مقصد ہی سے ہوسکتا ہے ۔ مقصد کے بغیر جو سفر کیا جائے اسے آوارگی کہتے ہیں ۔ ایک پاگل کے اعمال اس لئے نتیجہ خیز نہیں ہوتے کہ ان میں باہمی نظم و ضبط نہیں ہوتا اور نظم و ضبط اس لئے نہیں ہوتا کہ اس کے سامنے کوئی متعین مقصد نہیں ہوتا ۔ اس لئے اعمال کی شیرازہ بندی مقصد اور اس کے حصول کے لئے آرزو ہی کی رہینِ منت ہوتی ہے ۔

زندہ را نفیٔ تمنا مردہ کرد
شعلہ را نقصانِ سوز افسردہ کرد

جس زندہ انسان کے دل میں کوئی تمنا باقی نہ رہے وہ مردہ ہوجاتا ہے ۔ اگر شعلہ کے اندر سے حرارت جاتی رہے تو وہ شعلہ نہیں رہتا راکھ کا ڈھیر بن جاتا ہے ۔

چیست اصلِ دیدۂ بیدار ما
بست صورت لذتِ دیدار ما

ہماری دیکھنے والی آنکھ کیا ہے ؟ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہماری اس آرزو نے کہ ہم کسی کو دیکھیں ایک محسوس سی شکل اختیار کرلی ہے

کبک پا از شوخیٔ رفتار یافت
بلبل از سعیٔ نوا منقار یافت

چکور کو ایسے سبک اور نازک پاؤں جن سے وہ اس خوبصورتی سے محوِ خرام ہوتا ہے کس چیز نے دیئے ! محض اس کے شوقِ رفتار نے ۔ اس کی اس آرزو نے کہ میری رفتار میں نزاکت اور ندرت ہونی چاہیئے اسی طرح بلبل کو اتنا خوبصورت گلا کس طرح مل گیا ؟ محض اس طرح کہ اس نے اپنے سوزِ عشق سے نالہ و فغاں کی کوشش کی ۔

نے برون از نیستاں آباد شد
نغمہ از زندانِ او آزاد شد

جب تک نے جنگل میں تھی اسے کوئی پوچھتا تک نہ تھا ۔ نموِ خودی کی آرزو اسے جنگل سے باہر لائی ۔ پھر اس کی موت ، حیات میں بدل گئی ۔ اس کی رگ و پے میں جو نغمہ محبوس تھا وہ آزاد ہوگیا ۔ اور اس نے فضائے عالم کو معمور کردیا ۔

اقبال اور قرآن ——— قیمت دو روپے

عورت کا قرآن

۲۶

اللہ تعالیٰ "نکاح" کے معاملے کو قطعی طور پر مستحکم بنانا اور اسے ہر زاویے سے ناقابلِ شکست معاہدہ بنانا چاہتا ہے۔ خدا کو یہ مطلق پسند نہیں کہ ایک "مرد" اور ایک "عورت" ایک بار جو عہدِ ازدواج کرلیں اس کو کسی معمولی سی فروگذاشت پر توڑ دیں۔ اسی لئے قرآن مجید نے "نکاح" کو "میثاق غلیظ" یعنی ایک "گاڑھا اقرار" ایک "پکا قول" اور ایک "مضبوط عہد" کہا ہے۔ اور اسی لئے طلاق کا "قرآن مجید" میں کہیں پر بھی حکم نہیں دیا گیا ہے، صرف ایسا ہونے پر اس کے قوانین کا ضمناً ذکر کیا گیا ہے۔

ایک غلط فہمی یہ پھیلی ہوئی ہے کہ "مرد" کی طرح "عورت" کو، یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ آزادانہ طور پر جب اور جہاں چاہے، اپنی مرضی اور اپنی پسند سے، بلا استصواب رائے والدین یا ولی، نکاح کرے، حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ قرآن "نکاح" کو جب معاہدہ قرار دیتا ہے اور اس معاہدہ کے فریق "مرد" اور "عورت" ہیں۔ تو کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ "مرد" کو تو کسی وساطت کا پابند نہ کرے مگر "عورت" کو کردے؟ بالخصوص جبکہ اُس نے ازدواجی حقوق دونوں کے بالکل مساوی قرار دیئے ہیں؟ قرآن جب خود "عورت" کی مرضی اور پسندیدگی کے بغیر والدین اور ولی کے اس حق کو تسلیم نہیں کرتا کہ وہ جہاں اور جس سے چاہیں، اپنی خواہش سے لڑکی کو بیاہ دیں تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ قرآن "عورت" کے اوپر یہ قید عائد کردے کہ وہ خود "نکاح" نہ کر سکے؟ ایسا سمجھنا قرآن کے حکم کے صریحاً خلاف ہے۔ قرآن جب یہ کہتا ہے کہ:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا (نساء)

اے مسلمانو! تم کو یہ بات حلال نہیں ہے کہ تم لوگ عورتوں کے زبردستی مالک بن جاؤ۔

تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ "عورت" اپنے نکاح کی آپ مختار نہ ہو؟ تب تو یہ آیت غلط ہوگی اور "مرد" کو یہ حق مل ہی گیا کہ وہ جس سے چاہے "عورت" کو وابستہ اور منسلک کردے؟ دراصل یہ شعبدہ بازی ہے اور قرآن غلط سمجھنے کا نتیجہ۔ "عورت" اپنے والدین اور ولی کی رضامندی اور مشورہ سے نکاح کرے، یہ انسب ضرور ہے مگر یہ سمجھنا قطعاً غلط ہے کہ "عورت" والدین اور ولی کے بغیر "نکاح" کر ہی نہیں سکتی۔ مالک رام نے یہ غلط سمجھا ہے کہ:

قرآن میں جہاں کہیں "مرد" کے نکاح کا ذکر ہوا ہے وہاں نَكَحَ، يَنْكِحُ کے صیغے استعمال ہوئے ہیں جس کے معنی ہیں اس نے نکاح کیا۔ مثلاً لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ (بقرہ ۲۷) "مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو"۔ دوسری جگہ لونڈیوں سے متعلق فرمایا فَانْكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ (نساء ۴) "ان سے، اُن کے سرپرستوں کی اجازت سے نکاح کرلو"۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مرد اپنے نکاح میں خود مختار ہے اور وہ اپنی مرضی سے اپنا نکاح کر سکتا ہے۔ لیکن اس کے بالعکس جہاں عورتوں کے نکاح کا ذکر ہے وہاں اِنْكَاحٌ (باب افعال کے صیغے) استعمال ہوئے ہیں مثلاً وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا (بقرہ ۲۷) اور اپنی عورتوں کے نکاح مُشرک مردوں سے نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ یا وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ (نور ۴) اس سے استنباط ہوتا ہے کہ اسلام نہیں چاہتا کہ "عورت" اپنی مرضی سے اور اپنے سرپرست یا ولی سے مشورہ کئے بغیر، نکاح کرلے۔ یہ ضروری نہیں کہ یہ شخص اس کا باپ یا دادا ہی ہو بلکہ اُس کے خاندان کا کوئی فرد ہو وہ اُس سے مشورہ کرے اور یہ شخص اس عورت کو کسی دوسرے مرد کے عقدِ نکاح میں دے۔"

مالک صاحب کا یہ شبہ محض باب افعال کے وجہ سے ہے جو سراسر غلط ہے۔ چونکہ قرآن کے اولین مخاطب عرب تھے اور عموماً وہاں ایسا ہی ہوتا تھا کہ "عورت" کی طرف سے کوئی "مرد" ہی وکالتاً عورت کا نکاح کراتا تھا۔ اس لئے قرآن نے بیان واقعہ کے طور پر باب افعال کے صیغے استعمال کئے ہیں۔ لیکن یہ قانون نہیں ہو گیا کہ اگر عورت بلا واسطہ ولی نکاح کرنا چاہے تو وہ کر ہی نہیں سکتی۔ ایسی ممانعت قرآن میں اشارۃً و کنایتاً بھی نہیں ہے صراحتاً کہاں سے ہوگی۔ اور جب تک اس کا ثبوت قرآن سے نہ ملے مالک رام یا کسی صاحب کا قیاس و خیال حجت نہیں ہو سکتا۔ مالک رام بھی غالباً شبہے میں تھے کیونکہ فرماتے ہیں:-

اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ "نکاح" کے معاملے میں "عورت" کو ولی کی رضامندی کا پابند بنا کے اسے کسی طرح کم درجہ دیا ہے۔ یہ محض انتظامی بات ہے اور اس کا مقصد طرح طرح کی خاندانی اور معاشرتی بدنظمیوں کا سدِباب ہے۔ عورت چونکہ بیشتر گھر کے اندر رہتی ہے، اس لئے اُسے بیرونی دُنیا کا تجربہ کم ہوتا ہے اور وہ کسی مرد سے متعلق ہر قسم کی معلومات خود حاصل نہیں کر سکتی اور تجربہ کم ہونے کے سبب یا حیا زیادہ رکھنے کی وجہ سے وہ مہر وغیرہ کی تفصیلات کا بھی فیصلہ نہیں کر سکے گی۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ جس مرد سے وہ شادی کرے گی وہ گویا اس کے خاندان کا فرد بن جائے گا، پس "عورت" کے خاندان کے "مردوں" کا حق ہے کہ وہ بہمہ وجوہ دیکھ لیں کہ "عورت" کس مرد کو ان میں شامل کرنے والی ہے"۔

(عورت اور اسلامی تعلیم صفحہ ۷۶)

یہی مفہوم ہے حضرت اقبال کے اس شعر کا ؎

نے پردہ، نہ تعلیم، نئی ہو کہ پُرانی
نسوانیتِ زن کا نگہباں ہے فقط مرد

یقیناً "عورت" "مرد" کے مقابلہ میں حیادار ہے اور یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ شائی کے ساتھ اُس مرد سے گفتگو کرکے ساری باتیں طے کرے جو اُس سے نکاح کرنے والا ہے۔ لہٰذا یہ ہونا مناسب ہے اور چاہیئے کہ "یہ اہم معاملہ" کسی "مرد" کے ذریعہ طے پائے۔ اور یہ "نکاح" ہی پر منحصر نہیں۔ ہر معاملہ میں فریقین جذباتی طور پر عین ممکن ہے کہ "معاملے" کو "معاملے" کے طور پر سلجھا نہ سکیں۔ اس لئے کسی کی وساطت واقعی مناسب ہے اور یہی وجہ ہے کہ میاں بیوی کی ناچاقی کی صورت میں بھی حکم ہے کہ:

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا (نساء ۲)

اگر تم لوگوں کو اندیشہ ہو کہ میاں بیوی میں تفرقہ پڑ جائے گا تو ایک پنچ شوہر کے خاندان سے مقرر کرو اور ایک پنچ بیوی کے خاندان سے۔ اگر وہ دونوں، ان میں صلح کرانے کی کوشش کریں گے تو اللہ ان دونوں میں موافقت کرا دے گا

مگر یہ سمجھنا صحیح نہیں ہے کہ "عورت" بلا وساطت ولی نکاح کر ہی نہیں سکتی۔

پسندیدگی کی اجازت دینے کے ساتھ ساتھ دونوں پر دو قیدیں اور پابندی بھی "قرآن مجید" نے لگائی ہے ایک قید مرد اور عورت دونوں کے لئے ہے۔ وہ یہ کہ ایک مومن یا مومنہ کا نکاح ایک مشرک یا مشرکہ سے نہیں ہو سکتا یا کیا جا سکتا اگرچہ بظاہر وہ مشرک یا مشرکہ کسی قدر بھی معقول اور پسندیدہ کیوں نہ ہو۔ یعنی پسندیدگی اور اس کے بعد نکاح کے لئے یہ مشترک لازمی اور قطعی شرط ہے کہ وہ "مومن" یا "مومنہ" ہو اگرچہ وہ "لونڈی" اور "غلام" ہی کیوں نہ ہو۔ مشرک یا مشرکہ سے نکاح نہ کرنے کی وجہ قرآن مجید نے یہ بتائی ہے کہ مشرک و مشرکہ تم مومنوں کو راہ حق سے برگشتہ کرکے جہنم کا کُندہ بنا دیں گے۔ ازدواجی تعلقات کی بنا پر واقعی یہ عین ممکن ہے کہ انسان اپنے مسلک یا راہ حق سے بھٹک جائے۔ دوسری پابندی صرف عورت کے لئے ہے وہ یہ کہ دوسرے اہل کتاب مثلاً یہود و نصاریٰ وغیرہ کی عورتوں سے "مسلمان مرد" تو نکاح کر سکتا ہے مگر "مسلمان عورت" کا نکاح کسی یہودی یا عیسائی مرد سے نہیں ہو سکتا یا کیا جا سکتا۔ "عورت" کی پسندیدگی میں گویا یہ لازمی شرط کردی گئی ہے کہ "مسلمان عورت" صرف مسلمان مرد ہی کو منتخب اور پسند کرے۔ یعنی ایک "مسلمان عورت" کا شوہر قطعی طور پر "مسلمان مرد" ہونا چاہیئے۔ اس کی مصلحت نہیں ظاہر کی گئی ہے۔ مگر غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ اس کی وجہ محض یہ ہے کہ "مرد" حاوی ہوتا ہے "عورت" پر۔ لہٰذا یہ عین ممکن ہے کہ وہ مسلمان عورت کو دین اسلام سے ہٹا کر اپنے مذہب پر لے آئے۔

قرآن کی تفسیر احادیث کی رُو سے

ہمیں اکثر ایسے خطوط موصول ہوتے رہتے ہیں جن میں کہا یہ جاتا ہے کہ طلوعِ اسلام کے مخالفین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ احادیث، قرآن کریم کی تفسیر بیان کرتی ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ قرآن کی جو تفسیر خود رسول اکرمؐ نے فرمائی ہو اس سے بہتر تفسیر کوئی اور ہو نہیں سکتی۔ اس کے بعد ان کا تقاضا ہوتا ہے کہ ہم قرآن کریم کی چند ایک آیات کی وہ تفسیر طلوعِ اسلام میں درج کریں جو احادیث میں مذکور ہے۔ تاکہ یہ دیکھا جاسکے کہ حضورؐ نے قرآن کریم کی کیا تفسیر بیان فرمائی ہے۔ ہم نے ان میں سے کئی ایک سے کہا کہ یہ آسان بات ہے۔ امام بخاریؒ کے مجموعۂ احادیث میں ایک الگ باب کتاب التفسیر کے نام سے موجود ہے جس میں انھوں نے ان روایات کو جمع کیا ہے جن میں قرآنی آیات کی تفسیر آتی ہے آپ اس باب کو دیکھ لیں۔ لیکن ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ ہمارے پاس بخاری نہیں اور بعض نے کہا ہے کہ ہم عربی نہیں جانتے۔ لہٰذا ان کا تقاضا ہے کہ ہم اس باب کی چند ایک احادیث طلوعِ اسلام میں شائع کریں۔ ان کے اس تقاضے اور مذکورہ صدر اعتراض کے پیشِ نظر بخاری شریف کی کتاب التفسیر سے چند آیات کی تفسیر ذیل میں شائع کی جاتی ہے۔ ہم نے پہلے آیت اور اس کا ترجمہ دیدیا ہے اور اس کے بعد وہ حدیث نقل کردی ہے جو امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر میں درج کی ہے۔ اور اس پر ایک لفظ کا بھی اضافہ اپنی طرف سے نہیں کیا۔ نہ ہی ہم نے بخاری شریف کی احادیث کا ترجمہ اپنی طرف سے کیا ہے بلکہ "مرزا حیرت دہلوی" مرحوم کا ترجمہ نقل کیا ہے جو حال ہی میں کراچی کے ایک کتب فروش نے شائع کیا ہے۔ آپ آیات اور ان کی وہ تفسیر ملاحظہ فرمایئے جو بخاری شریف میں درج ہے:-

(۱) وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (بقرہ)

اور خدا نے آدم کو تمام اسمار (ناموں) کی تعلیم دی

حضرت انس ابن مالکؓ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن سب مسلمان جمع ہو کر مشورہ کریں گے کہ آج کے دن ہم کسی کو اپنا شفیع بنائیں اور آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ آپ سب کے باپ ہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے سجدہ کرایا ہے۔ اور آپ کو تمام نام سکھائے ہیں۔ آپ ہماری شفاعت کریں۔ تاکہ ہم آج اس جگہ کی تکلیف سے راحت پائیں وہ کہیں گے آج میں اس قابل نہیں اور اپنا گناہ یاد کریں گے (خلافِ حکم درخت کا پھل کھا لیا تھا) اور اللہ سے شرمائیں گے۔ اور کہیں گے تم نوحؑ کے پاس جاؤ۔ ان کو اللہ نے سب سے پہلا نبی بنا کر زمین پر بھیجا تھا۔ سب آدمی ان کے پاس آئیں گے وہ کہیں گے آج میں اس قابل نہیں اور اپنا گناہ یاد کر کے شرمائیں گے اور کہیں گے تم ابراہیم خلیل اللہ کے پاس جاؤ۔ سب کے سب ان کے پاس آئیں گے یہ بھی ایسے ہی کہیں گے اور کہیں گے تم موسیٰ کے پاس جاؤ۔ اللہ نے ان سے باتیں کی ہیں اور توریت عطا فرمائی ہے۔ وہ ان کے پاس آئیں گے یہ بھی کہیں گے میں آج کے دن تمہارا شفیع نہیں ہو سکتا اور اپنا گناہ یاد کر کے اللہ سے شرمائیں گے اور کہیں گے کہ تم عیسیٰ کے پاس جاؤ وہ رسول اللہ اور کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں جب ان کے پاس آئیں گے یہ بھی ایسے ہی کہدیں گے اور کہیں گے محمدؐ کے پاس جاؤ جس کے اللہ نے اگلے پچھلے سارے گناہ بخش دیئے ہیں وہ اس وقت میرے پاس آئیں گے میں ان کو اللہ کے پاس بخشوانے لے جاؤں گا۔ اور اللہ کے حضور میں (داخلہ کی) اجازت طلب کروں گا تو مجھ کو (آنے کی) اجازت ملیگی تو جس وقت میں اپنے رب کو دیکھوں گا تو سجدے میں گر پڑوں گا۔ اور اللہ جو بات میرے دل میں ڈالے گا وہ کہوں گا۔ پھر (اللہ کی طرف سے) کہا جائے گا (اے محمد) سر کو اٹھا اور سوال کر تاکہ عطا کیا جائے اور کہہ تیرا کہا سنا جائیگا اور شفاعت کر قبول کی جائے گی۔ اس وقت میں سر اٹھاؤں گا۔ اور جیسے اللہ نے مجھے تعلیم دی تھی۔ ویسے ہی اس کی تعریف بجا لاؤں گا۔ پھر شفاعت کروں گا۔ اس دفعہ ایک گروہ بخشا جائے گا (یعنی مہاجرین و انصار اور بڑے بڑے نیک بندے اولیاء اللہ شہداء) اور ان کو جنت میں بھجوا دوں گا۔ پھر اللہ کی طرف آؤں گا اور دیکھ کر سجدے میں جاؤں گا۔ اور شفاعت کروں گا۔ اس مرتبہ بھی ایک گروہ بخشا جائے گا۔ اسی طرح تیسری دفعہ پھر چوتھی دفعہ ایسے ہی شفاعت کروں گا۔ پھر اللہ سے کہوں گا کہ کوئی باقی نہیں رہا۔ سوائے ان کے جن کو قرآن نے روکا ہے۔ اور ان پر ہمیشہ کے لئے دوزخ میں رہنے کا حکم ہے۔ ابوعبداللہ بخاری کہتے ہیں یعنی جن کے بارے میں یہ آیت خالدین فیہا ہے۔

(۲) نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ (بقرہ)

تمہاری بیویاں تمہارے لئے کھیتی ہیں۔ جب جی چاہے ان کے پاس آؤ اور اپنی نسلوں کا ذخیرہ جمع کرو۔

نافع مولیٰ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ عبداللہ ابن عمر قرآن پڑھتے ہیں کسی سے کلام نہیں کرتے تھے ایک روز قرآن پڑھتے میں میں ان کے پاس چلا گیا۔ جب وہ سورۂ بقر پڑھتے میں اس آیت (نسآؤکم) پر پہونچے تو مجھ سے کہا تجھے معلوم ہے یہ آیت کب نازل ہوئی۔ میں نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ انھوں نے اس کا شانِ نزول بیان کیا اور پھر آگے پڑھنے لگے۔ عبدالصمد کہتے ہیں ابن عمر سے یہ بھی روایت پہونچی ہے کہ بعض آدمی عورتوں سے اغلام کرتے تھے ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ جابرؓ سے روایت ہے کہ یہودی کہا کرتے تھے کہ جو شخص اپنی عورت سے الٹا لٹا کر جماع کرے اس کی اولاد بھینگی پیدا ہوگی۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ یہ قول غلط ہے عورتوں سے جس ہیئت سے چاہو۔ جماع کرو۔

(۳) وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (آل عمران)

ان لوگوں کے اس بخل کو جو وہ اس مال کے ساتھ کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے عنایت کیا ہے بہتر مت سمجھو بلکہ وہ بخل ان کے لئے بہت برا ہے (اس لئے کہ) اس بخل کی وجہ سے اس مال کے طوق بنا کر ان کی گردنوں میں ڈالے جائیں گے۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا اس نے زکوٰۃ مفروضہ ادا نہ کی تو قیامت کے دن اس کا مال اس شخص کے لئے ایک ایسا سانپ بن جائے گا۔ جس کے سر پر بال نہ ہوں گے اور جس کی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہوں گے اور اس کی گردن میں بطور طوق کے ڈالا جائے گا۔ اور وہ سانپ یہ دو کلمے کہے گا۔ (۱) میں تیرا مال ہوں (۲) میں تیرا خزانہ ہوں۔ پھر آنحضرت نے یہ آیت پڑھی۔

(۴) اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آل عمران)

وہ لوگ جو اللہ کو اٹھتے بیٹھتے اور کروٹیں بدلتے اللہ کو یاد رکھتے ہیں اور (اللہ کی حکمتوں میں) زمین و آسمان کی پیدائش سے غور کرتے ہیں۔

ابن عباس راوی ہیں کہ (ایک دفعہ) رات کو میں اپنی خالہ میمونہ کے گھر رہ گیا اور اپنے دل میں یہ کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز دیکھوں گا (کہ آپ شب میں کیسے نماز پڑھتے ہیں) آپ کے سونے کے لئے وسادا (چادر) ڈالا گیا۔ آپ اس کے طول میں سو گئے اور میں عرض میں سو گیا جب آدھی رات گذری تو بیدار ہوئے اور منہ پر ہاتھ ملنے لگے۔ پھر آل عمران کے آخر کی دس آیتیں پڑھیں (جن میں یہ آیت شامل ہے) اور سورت ختم کی۔ پھر آپ اٹھے اور ایک پرانے مشکیزہ میں سے (جو وہاں لٹکا ہوا تھا) پانی لے کر وضو کیا اور نماز کے لئے کھڑے ہوگئے۔ اس وقت میں بھی اٹھا اور جو کچھ آپ نے کیا تھا وہی میں نے کیا۔ اور پھر آپ کے پاس ایک پہلو میں کھڑا ہو گیا تو میرے سر پر دست شفقت رکھا اور (شفقت سے) میرا کان اینٹھا۔ پھر آپ نے دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر دو۔ پھر دو۔ پھر دو۔ پھر دو پڑھیں۔ پھر وتر پڑھے (کل تیرہ رکعتیں)

(۵) اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ

وَاَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ (مائدہ)

جو لوگ خدا اور اس کے رسول سے جنگ کرتے، اور زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی سزا یہ ہے کہ ان کو قتل کر دیا جائے یا سولی پر لٹکا دیا جائے یا سیدھے اور الٹے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں یا ان کو ملک بدر کر دیا جائے۔

عبداللہ بن زید ابی قلابہ کہتے ہیں کہ میں عمر بن عبدالعزیز کے پیچھے بیٹھا تھا۔ اور ان کے پاس کے آدمیوں نے قسامت کے بارے میں ذکر کیا کہ قصاص ہونا چاہیئے اور خلفاء نے بھی قصاص کا حکم دیا ہے۔ اس وقت عمر بن عبدالعزیز میری طرف متوجہ ہوئے اور مجھ سے کہا تمہاری کیا رائے ہے؟ میں نے کہا جہاں تک میرا خیال ہے کوئی شخص اسلام کی حالت میں سوائے ان تین آدمیوں کے واجب القتل نہیں جس نے بعد الاحصان زنا کیا ہو۔ دوسرے جس نے بلا بدلے کسی کو مار دیا ہو۔ تیسرے جس نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا (یعنی قسامت میں قصاص نہیں) اس وقت عنبسہ بن سعید بولے کہ انس بن مالک نے تو مجھ سے ایسی ایسی حدیث (جو آگے آئے گی) بیان کی ہے۔ یعنی قصاص ہونا چاہیئے۔ میں نے کہا مجھ سے بھی انھوں نے یہ حدیث بیان کی ہے۔ ایک قوم آپ کے پاس آئی اور کچھ باتیں کہیں اور کہا کہ یہاں تو ہمارے پیٹوں میں بدہضمی ہو گئی (کیا علاج کریں) آپ نے فرمایا کہ ہمارے اونٹ ہیں۔ ان میں جاؤ اور دودھ اور پیشاب ان کا پیو۔ وہ سب آئے اور دودھ اور پیشاب اونٹوں کا پیا۔ اور صحیح ہو گئے اور چرواہے پر حملہ کر دیا اور اسے مار ڈالا اور اونٹ لے گئے اب ان کے مارنے میں کیوں دیر کی جائے۔ اس لئے کہ انھوں نے ایک خون بھی کر دیا۔ اور رسول اللہؐ کے ساتھ لڑائی کی اور آنحضرت کو (یہ فعل کر کے) ڈرایا۔ یہ سن کر عنبسہ نے سبحان اللہ کہا۔ میں نے کہا کیا میری اس حدیث کو جھوٹ سمجھتے ہو۔ اور تہمت لگاتے ہو۔ عنبسہ نے کہا یہی حدیث مجھ سے بھی انس نے بیان کی ہے اور پھر یہ کہا کہ لوگو! جب تک تم میں یہ (ابو قلابہ) یا اس کا مثل کوئی شخص رہے گا۔ تم ہمیشہ خیر و برکت میں رہو گے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبَاتِ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ۔ (مائدہ)

اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں کو جنھیں خدا نے تمہارے لئے حلال کیا ہے حرام نہ ٹھہراؤ۔

عبداللہ بن مسعود راوی ہیں کہ ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد میں شریک تھے اور ہمارے ساتھ عورتیں نہ تھیں (اور عورتوں سے جدائی کی برداشت نہ ہوتی تھی بوجہ حرارت اور قوت کے) تو ہم نے عرض کیا آیا ہم خصی ہو جائیں۔ آپ نے منع فرمایا اور پھر اجازت دیدی کہ عورت سے تھوڑے یا زیادہ دن مقرر کر کے جس میں عورت راضی ہو نکاح کر لو (تاکہ اس فعل یعنی خصی ہونے سے بچو) اور گناہ و بدکاری پر نہ پڑے اور پھر آیت پڑھی۔

وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (مائدہ)

(حضرت عیسیٰ اللہ سے عرض کریں گے) جب تک میں ان میں رہا ان کا نگران رہا لیکن جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو خود ہی ان پر نگراں تھا۔ اور تو تو ہر چیز پر گواہ ہے۔

ابن عباس راوی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خطبہ پڑھا۔ اے لوگو تم اللہ کی طرف ننگے پیر، ننگے بدن، بلا ختنہ اٹھائے جاؤ گے۔ پھر آپ نے یہ آیت كَمَا بَدَاْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ وَعْدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فَاعِلِيْنَ پڑھی (یعنی جیسے تمہیں پیدا کیا ہے۔ اسی حالت میں قیامت کے دن اٹھائیں گے بوجہ اس وعدے کے جو ہم نے کیا ہے۔ اس کے کام کرنے والے ہم ہیں) پھر آنحضرت نے فرمایا سب سے پہلے ابراہیم کو کپڑے پہنائے جائیں گے اور ہشیار ہو کہ چند آدمی میری امت کے لائے جائیں گے۔ اور فرشتے ان کو دوزخ کی طرف لے جائیں گے۔ اس وقت میں کہوں گا اے رب یہ تو میرے صحابی ہیں (اللہ کی جانب سے) ندا آئے گی تو نہیں جانتا انھوں نے تیرے بعد کیا کیا۔ اس وقت میں بھی عیسیٰ کی طرح کہوں گا (وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا) (الآیۃ) پھر اللہ کی طرف سے ندا ہو گی کہ یہ لوگ تیرے (محمد کے) جدا ہونے کے بعد ہی مرتد ہو گئے تھے۔

اَلَا اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (ہود)

یاد رکھو وہ لوگ اپنے سینوں کو اس لئے موڑتے ہیں کہ اس طرح خدا سے چھپ جائیں۔ مگر یاد رہے کہ جب وہ اپنے کپڑوں میں ڈھک جاتے ہیں خدا اس وقت بھی ان تمام باتوں کو جانتا ہے جو وہ خفیہ یا علانیہ کرتے ہیں۔ یقیناً خدا دلوں کی باتوں کو بھی جانتا ہے

محمد ابن عباد بن جعفرؓ نے کہا کہ میں نے ابن عباس کو یوں پڑھتے ہوئے سنا اَلَا اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ میں نے اس آیت کی بابت ان سے پوچھا۔ انھوں نے کہا بعض آدمی پہلے کھلی جگہ پاخانہ پیشاب پھرنے اور اپنی عورتوں سے فعل کرنے سے شرماتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کھلی جگہ ہم ایسا کریں اور اس کی خبر آسمان تک پہنچے اور اللہ کو معلوم ہو جائے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی

محمد بن عباد ہی سے مروی ہے کہ ابن عباس نے تثنونی صدورہم پڑھا۔ میں نے اس کے متعلق دریافت کیا۔ انھوں نے اس کے متعلق جواب دیا کہ بعض لوگ کھلی جگہ جماع کرنے اور حاجت رفع کرنے سے شرماتے تھے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی (اور اس غلط فہمی کو دور کر دیا)۔

فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَاسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ۔ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ۔ (یوسف)

جب یوسف کے پاس (بادشاہ کا) ایلچی آیا (کہ اسے قید سے نکال دیا جائے) تو اس نے کہا اپنے مالک بادشاہ کے پاس جا کر پوچھ کہ ان عورتوں کا کیا معاملہ ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے۔ یقیناً میرا پروردگار ان کے مکر کو خوب جانتا ہے

ابو ہریرہؓ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ لوطؑ پر رحم کرے (جب ان کی امت نے ان کو ایذا دی تو) انھوں نے رکن شدید (محفوظ جگہ) کی طرف پناہ مانگی۔ اور جتنے دنوں یوسفؑ

اُردو ادب میں عظیم نفسیاتی کتابوں کا اضافہ

آپ بھی خوش رہیئے مصنفہ:- برٹرینڈ رسل مترجمہ شفیع الدین

آج کی دنیا اضطراب و بےچینی کی دنیا ہے۔ ہم طرح طرح کی ذہنی، روحانی اور تخیلاتی اذیتوں کا شکار ہیں۔ برٹرینڈ رسل نے ان نفسیاتی بیماریوں اور کمزوریوں کا تجزیہ کرتے ہوئے ان کا علاج تجویز کیا ہے۔ جن پر عمل کرنے سے ہم ان ذہنی بیماریوں سے نجات حاصل کر کے صحت مند تخیل اور خوشی کے جذبات و احساسات سے اپنے دل و دماغ کو لبریز کر سکتے ہیں۔

جب ہمارا دل و دماغ خوشی و مسرت کے جذبات سے معمور ہو گا تو یاس و قنوطیت، افسردگی و پژمردگی اور رنج و الم جس کے پہاڑوں تلے ہم برسوں سے سسک رہے ہیں روئی کے گالوں کی طرح اڑتے ہوئے نظر آئیں گے اور ہمارے چاروں طرف مسرت و شادمانی اور کامیابی و کامرانی رقص کرتی ہوئی نظر آئے گی۔ صفحات ۲۶۰۔ مجلد رنگین گردپوش۔ قیمت پانچ روپیہ

سوچیئے اور دولت کمایئے مصنفہ نپولین ہل مترجمہ غوث صدیقی ایم اے

یہ کتاب مشہور ماہر نفسیات نپولین ہل کا وہ شاہکار ہے جس نے لاکھوں انسانوں کی ناکام زندگی اور غربت و افلاس کو کامیاب زندگی اور دولت و امارت سے بدل دیا۔ یہ کتاب نہایت قیمتی معلومات کا خزانہ ہے۔ اور اس کے مطالعے سے انسانی ذہن میں ایک ایسی قوت پیدا ہوتی ہے جو مایوسی اور تاریکی کے جذبات کو ہمیشہ کے لئے ختم کر کے ترقی کی راہیں کھولتی ہے۔ ہر وہ انسان جو اپنی افلاس کی زندگی سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لئے یہ کتاب شمع راہ کا کام دے گی۔ صفحات ۴۰۰۔ مجلد رنگین گردپوش۔ قیمت پانچ روپے آٹھ آنے

نفیس اکیڈیمی بلاسس اسٹریٹ کراچی

قید میں رہے اگر میں رہتا تو رہائی کے حکم کو ضرور قبول کر لیتا۔ اور ابراہیمؑ سے زیادہ میں (خدا کے دوبارہ زندہ کرنے میں) شک کا مستحق ہوں جب کہ انھوں نے کہا تھا کہ اے رب تو مجھے دکھا دے کہ تو کیسے مردہ کو زندہ کرتا ہے تو ان سے اللہ نے کہا کہ کیا تو اس پر ایمان نہیں لایا، ابراہیمؑ نے کہا بیشک ایمان تو لایا ہوں۔ مگر اطمینان قلب کے لئے پوچھتا ہوں۔

كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ
تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ (ابراہیم)

اس کی مثال ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑیں پاتال میں ہوں اور شاخیں آسمان سے باتیں کر رہی ہوں۔ اور ہر موسم میں پھل دیتا ہو۔

ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہؐ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا کوئی ایسا درخت بتاؤ جو مسلمان آدمی کے مشابہ ہو۔ جس کے پتے نہ گرتے ہوں۔ اور جس کا پھل ہمیشہ آتا ہو۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میرے دل میں آیا کہ یہ درخت کھجور کا ہے (چونکہ کم عمر تھا اور) میں نے دیکھا کہ ابوبکرؓ اور میرے والد عمرؓ کچھ نہیں بولتے۔ لہٰذا میں نے اپنے بولنے کو اچھا نہ سمجھا۔ جب کسی نے کچھ نہ کہا تو آپ نے (خود ہی) فرمایا ایسا درخت کھجور کا ہے۔ پھر جب میں وہاں سے اٹھا تو راستے میں والد سے کہا واللہ میرے دل میں یہی آیا تھا (جو حضورؐ نے فرمایا) والد (عمرؓ) نے فرمایا کہ تو بولا کیوں نہیں میں نے کہا کہ تمہیں خاموش دیکھ کر میرے بولنے کو اچھا نہ جانا۔ میرے والد عمرؓ نے کہا کہ اگر تو یہ کہہ دیتا (تو میرے نزدیک بہت اچھا تھا (میں اس سے بہت خوش ہوتا)

وَيُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ

خدا ایمان والوں کو پکی اور پختہ بات کے ساتھ ثابت قدم رکھتا ہے

براء بن عازبؓ سے نقل ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مسلمان سے قبر میں سوال کیا جائے گا تو وہ گواہی دے گا کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (خدا کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں اور محمد خدا کے رسول ہیں) اس آیت میں قولِ ثابت سے یہی کلمہ مراد ہے جس پر کہ اللہ ایمان والوں کو دنیا اور آخرت میں ثابت قدم رکھے گا۔

وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا (بنی اسرائیل)

اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی

ابوہریرہؓ سے نقل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ داؤد علیہ السلام پر زبور کی قرأت ایسی آسان ہو گئی تھی کہ آپ گھوڑے کو کسنے کا حکم دیتے۔ آدمی کس نہ چکتا جو آپ تمام کر دیتے۔ اور قرأت سے فارغ ہو جایا کرتے۔

وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ
اللّٰهِ شَدِيْدٌ (حج)

لوگ ایسے نظر آئیں گے جیسے نشہ میں ہوں۔ حالانکہ نشہ میں نہیں ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب ہی سخت ہوگا۔

ابوسعید خدریؓ نے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ آدم کو بلائے گا آدم یہ کہتے ہوئے آئیں گے لبیک ربنا وسعدیک اے پروردگار میں حاضر ہوں۔ پھر (فرشتہ) ندا دے گا کہ اللہ تم (آدمؑ) کو حکم دیتا ہے کہ اپنی اولاد میں سے چند کو دوزخ کی طرف لاؤ۔ آدم کہیں گے کتنے آدمی۔ فرشتہ کہے گا ایک ہزار میں سے نو سو ننانوے [۹۹۹]۔ (اس وقت خوف کے مارے) حاملہ عورتوں کے حمل گر جائیں گے اور جوان آدمی بوڑھے ضعیف ناتواں ہو جائیں گے اور پھر آپ نے یہ آیت پڑھی (وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ) یعنی اے محمد اس وقت تم آدمیوں کو بیہوش دیکھو گے جیسے کہ وہ نشہ میں ہوں حالانکہ وہ نشہ پیے ہوئے نہ ہوں گے بلکہ (اس خوف سے کہ اللہ کا عذاب سخت ہے (بیہوش ہو جائیں گے) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سن کر آدمیوں کے رنگ فق ہو گئے تو آپ نے فرمایا یہ مقدار دوزخیوں کی یاجوج ماجوج کے آدمیوں کی ہے۔ اور تم میں سے ایک ہزار میں سے کل ایک آدمی دوزخی ہوگا۔ اور تم تو ان آدمیوں میں ایسے ہو گے جیسے ایک سیاہ بال سفید بیل کے پہلو میں یا ایک سیاہ بیل کے پہلو میں ایک سفید بال (یہ شک راوی ہے) پھر آپ نے فرمایا میں امید کرتا ہوں کہ تم (یعنی امت محمدیہ کے لوگ) اہل جنت کے چوتھائی ہوں گے۔ راوی کہتے ہیں ہم حاضرین نے اس کو بھی بہت غنیمت سمجھا۔ پھر فرمایا تم اہل جنت کے ثلث ہو گے۔ ہم نے اس کو بہت جانا پھر فرمایا تم اہل جنت کے نصف ہو گے۔ میں نے اس کو بہت ہی بڑا جانا۔ ابومعاویہ کی روایت میں بجائے لفظ سکاریٰ وماہم بسکاریٰ کے مفرد لفظ سکریٰ وماہم بسکریٰ ہے۔

اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ شَرٌّ مَّكَانًا
وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا (فرقان)

جن لوگوں کو جہنم کی طرف ان کے مونہہ کے بل جمع کیا جائے گا۔ وہ بدترین مقام پر ہوں گے اور راہ کے سب سے زیادہ بھٹکے ہوئے ہوں گے۔

انس بن مالکؓ نے روایت کی کہ ایک شخص آنحضرت کے پاس آ کر کہنے لگا کہ یا نبی اللہ قیامت کے روز کافر سر کے بل دوزخ میں جمع کئے جائیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ جو آدمیوں کو دنیا میں پیروں سے چلاتا ہے وہ اس بات پر کیا قادر نہیں کہ قیامت کے روز ان کو سر کے بل چلائے۔ قتادہ نے کہا بے شک اللہ قادر ہے۔

تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ وَتُؤْوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ۭ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ
مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ (احزاب)

(اے رسول) جس بیوی کو آپ چاہیں مؤخر کر دیں۔ اور جسے چاہیں اپنے پاس بلا لیں پھر اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ جس بیوی کو آپ نے چھوڑ رکھا تھا اس کو طلب کر لیں۔

حضرت عائشہؓ نے کہا کہ میں ان عورتوں پر (جنھوں نے اپنے آپ کو رسول کے لئے ہبہ کر دیا تھا) غیرت اور شرم کرتی تھی۔ پھر جب یہ آیت اتری تو میں نے آنحضرت سے کہا کہ میں دیکھتی ہوں کہ اللہ آپ کی خواہش کے مطابق کرتا ہے۔

حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوا
الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ (سبا)

حتیٰ کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جائے گی۔ اور وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھیں گے کہ خدا نے کیا فرمایا تھا۔ تو وہ جواب میں یہی کہیں گے کہ خدا نے تو حق بات ہی فرمائی تھی۔ وہ بلند مرتبہ اور عظیم الشان ہستی ہے۔

ابوہریرہؓ سے نقل ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ آسمانوں میں کوئی حکم بھیجتا ہے تو فرشتے اپنے بازو پھٹ پھٹا کر ڈھیلے چھوڑ دیتے ہیں۔ اور جب ان پر سے ہیبت دور ہو جاتی ہے تو ایک دوسرے سے کہتا ہے کہ اللہ میاں نے کیا حکم دیا۔ دوسرا کہتا ہے کہ جو کچھ کہا حق کہا۔ اور شیطین بھی زمین سے آسمان تک ایک کے اوپر ایک ہو کر پہنچ جاتے ہیں۔ اور اس حکم کو سن کر اوپر والا نیچے والے سے کہہ دیتا ہے۔ علیٰ ہٰذا وہ اپنے نیچے والے سے حتیٰ کہ جو زمین پر ہے اس تک خبر پہنچ جاتی ہے۔ وہ ساحروں اور کاہنوں کے کانوں میں یہ بات کہہ دیتا ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اوپر والا نیچے والے سے کہنے نہیں پاتا کہ شہاب اس کے لگ جاتا ہے اور اس کو جلا دیتا ہے۔ اور کبھی وہ نیچے والے سے کہہ چکتا ہے تب آ کر لگتا ہے۔ اب شیطان اس ایک بات میں سو باتیں ملا کر کاہنوں سے کہتا ہے اور کاہن لوگ اس ایک سچی بات کے طفیل اور باتوں میں بھی سچے بن جاتے ہیں۔ سفیان نے شیطانوں کی ترتیب ہاتھوں کی انگلیوں کو نیچے اوپر کر کے اور کشادہ کر کے بتائی۔

وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (یٰسین)

آفتاب اپنے مستقر کی طرف چلا جا رہا ہے۔ یہ غالب اور جاننے والی ہستی کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے۔

ابوذرؓ نے کہا میں (ایک روز) مغرب کے وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسجد میں تھا آپ نے فرمایا کہ اے ابوذر تجھے معلوم ہے کہ یہ سورج (ڈوبنے کے بعد) کہاں چلا جاتا ہے۔ میں نے کہا اللہ اور رسول ہی خوب جانتا ہے۔ فرمایا یہ عرش کے نیچے جاتا ہے اور وہاں سجدہ کرتا ہے اور اس آیت کے یہی معنی ہیں۔

وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ
الْوَهَّابُ (ص)

اور مجھے ایسی حکومت عطا فرما جو میرے بعد کسی کے لئے سزاوار نہ ہو۔ یقیناً تو بہت کچھ بخشنے والا ہے۔

ابوہریرہ سے منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج کی رات میرے پاس ایک جن آیا یا کچھ

ایسا ہی لفظ کہا۔ تاکہ نماز میں خلل ڈالے۔ اللہ نے مجھے اس پر قدرت دی (میں غالب آیا) اور میں نے ارادہ کیا کہ مسجد کے کسی ستون سے اس کو باندھ دوں۔ تاکہ تم سب لوگ صبح کو دیکھ لو۔ اس وقت (جب میں اس پر غالب آیا) بھائی سلیمان کا یہ مقولہ یاد آیا۔ رَبِّ هَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي روحؓ نے کہا حضورؐ نے اس جن کو خوار کر کے چھوڑ دیا۔

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ (زمر)

ان لوگوں نے خدا کے متعلق جیسا کہ اندازہ کرنا چاہیئے تھا۔ صحیح اندازہ ہی نہیں کیا۔

عبداللہ ابن مسعودؓ نے کہا کہ علماء یہود میں کا ایک عالم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ اے محمد! ہم توریت میں یہ لکھا دیکھتے ہیں کہ اللہ تمام آسمانوں کو ایک انگلی پر رکھ لے گا۔ اور ایک پر تمام زمینوں کو۔ اور ایک پر تمام درختوں کو اور ایک پر تمام پانی کو اور ایک پر تمام خاک کو اور ایک پر تمام مخلوقات کو اور پھر کہے گا کہ "میں بادشاہ ہوں"۔ رسول اللہ یہ سن کر ایسے مسکرائے کہ دانت ظاہر ہو گئے۔ یہ اس لئے کہ اس کا یہ کہنا سچا تھا۔ پھر آپؐ نے یہ آیت آخر تک پڑھی (ماحصل یعنی اللہ کی قدرت بے حد ہے اور اس کا کچھ اندازہ نہیں)

وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ (محمد)

اور کیا تم سے قطع رحمی کرنے کا بھی امکان ہے

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ مخلوق پیدا کرنے سے فارغ ہوا تو رحم (رشتہ ناطہ) نے کھڑے ہو کر اپنے پروردگار کے دامن کو پکڑا۔ اللہ نے کہا رک جا۔ پھر رحم نے کہا کہ یہ مقام میرے توڑنے سے تیری پناہ مانگنے والے کا ہے۔ اللہ نے کہا کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ جو تجھے جوڑے میں اسے جوڑوں (یعنی جو تیرے رشتہ کا حق ادا کرے۔ اس پر میں مہربانی کروں اور جو تجھے توڑے میں اس کو توڑوں (یعنی جو تیرے رشتہ کا حق ادا نہ کرے اس پر میں مہربانی نہ کروں۔ رحم نے کہا ہاں (مجھ سے ایسا ہی کر) اللہ نے فرمایا (تجھ سے) ایسا ہی کیا۔ ابوہریرہؓ نے کہا کہ اگر تم اس کی تصدیق چاہو تو یہ آیت۔ فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِن تَوَلَّيْتُمْ أَن تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ پڑھو۔ اس میں اسی بیان کی طرف اشارہ ہے۔

هُوَ الَّذِي أَنزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ (فتح)

خدا نے ہی تو مسلمانوں کے دلوں میں سکون و اطمینان نازل کیا تھا۔

براء ابن عازبؓ سے مروی ہے کہ ایک صحابی قرآن پڑھ رہے تھے۔ اور اس گھر میں ان کا گھوڑا بندھا ہوا تھا۔ وہ یکایک کودنے بدکنے اور رسی تڑانے لگا۔ وہ صحابی قرآن پڑھتے پڑھتے باہر گئے دیکھا تو وہاں کوئی چیز نہیں تھی بس گھوڑا بدک رہا تھا۔ جب صبح ہوئی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام قصہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا گھوڑا اس سکینہ کو دیکھ کر بدک رہا تھا۔ جو تمہارے قرآن پڑھنے سے نازل ہوا تھا۔

وَتَقُولُ هَلْ مِن مَّزِيدٍ (ق)

اور وہ (جہنم) کہے گی کہ کیا کچھ اور بھی ہے!

انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخی دوزخ میں ڈالے جائیں گے اور دوزخ کہے گی کیا کچھ اور بھی ہے (یعنی اور ڈالو۔ اور ڈالو) حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس پر اپنا قدم رکھ دے گا (بعض کہتے ہیں کہ اس کے یہ معنی کہ اللہ اس کو اس کہنے پر خوار اور ذلیل کرے گا) تو دوزخ کہے گی بس بس۔

ابوہریرہؓ سے مرفوع طور پر روایت ہے کہ اللہ کی طرف سے جہنم کو کہا جائے گا (جب دوزخی ڈالے جائیں گے) کہ آیا تو بھر گئی۔ تو جہنم کہے گی کیا کچھ اور بھی ہے (یعنی اور ڈالو) اس وقت اللہ تعالیٰ اس پر اپنا قدم رکھے گا تو دوزخ کہے گی بس بس۔

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ اور جنت آپس میں جھگڑا کریں گے۔ دوزخ کہے گی میں متکبر اور ظالم لوگوں کو عذاب دینے کے لئے مخصوص کر دی گئی ہوں اور جنت کہے گی مجھے کیا ہوا۔ میرے اندر صرف ضعیف لاچار، گرے پڑے، حقیر اور خاکسار لوگ داخل ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جنت سے فرمائے گا کہ تو میری رحمت ہے، اپنے نیک بندوں میں سے جس کو چاہوں گا تیرے ذریعہ رحمت سے فیض یاب کروں گا۔ اور دوزخ سے فرمائے گا کہ تو عذاب کی جگہ ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہوں گا تیرے ذریعہ عذاب دوں گا۔ اور ہر ایک ان دونوں میں سے دوزخ و جنت کے بھرنے کی ایک حد مقرر ہے۔ لیکن دوزخ نہ بھرے گی جب تک کہ اللہ اس پر اپنا قدم نہ رکھے گا تو اس وقت دوزخ کہنے لگے گی کہ بس بس بس۔ اور اس وقت بھر جائے گی اور سمٹ جائیگی اور رہی جنت تو خداوند تعالیٰ اس کے لئے ایک اور مخلوق پیدا کرے گا۔ تاکہ اس سے جنت کو بھر دے)

وَمِن دُونِهِمَا جَنَّتَانِ (رحمٰن)

اور ان دونوں کے ورے دو باغ اور بھی ہیں

عبداللہ ابوموسیٰ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چاندی کی دو جنتیں ہیں ان کا سارا سامان چاندی کا ہے اور سونے کی بھی دو جنتیں ہیں ان کا سارا سامان سونے کا ہے اور جنت عدن میں اللہ کا دیدار ہوگا۔ اس طرح کہ لوگ دیکھیں گے اور اللہ کے منہ پر صرف جلال و عظمت کا پردہ ہوگا

وَظِلٍّ مَّمْدُودٍ (واقعہ)

اور لمبے لمبے سائے ہوں گے۔

ابوہریرہؓ سے مرفوع طور پر روایت ہے کہ جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ اگر گھوڑے سوار اس کے سائے میں سو برس تک چلے تو بھی اس کو طے نہ کر سکیگا۔ اور چاہو تو اس آیت مذکورہ بالا کو پڑھو (اس میں اسی کی طرف اشارہ ہے)

يَوْمَ يُكْشَفُ عَن سَاقٍ (قلم)

جس دن مصیبت اپنی انتہا کو پہنچ جائے گی۔

ابوسعیدؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارا اللہ جب اپنی پنڈلی کھولے گا تو تمام مرد و عورت مومن سجدہ کریں گے۔ مگر جو دنیا میں ریا کی نماز پڑھتا تھا۔ وہ سجدہ کرنے کے لئے جگہ ڈھونڈھتا پھرے گا اور سجدہ کے واسطے اس کی کمر نہ مڑ سکیگی بلکہ تختہ بن جائے گی۔

سورۂ جن کا شان نزول

ابن عباسؓ راوی[1] ہیں کہ حضرت اپنے اصحاب کے ساتھ عکاظ نامی بازار کا قصد کر کے چلے اور شیطان یعنی جن جو آسمان سے خبر سن کر دنیا میں لاتے تھے ان پر خبر معلوم ہونی بند ہو گئی۔ اور ان کے چنگاریاں ماری جانے لگیں تو جو جنات آسمان پر خبر لینے کو گئے تھے اپنی قوم کے پاس واپس آ گئے انھوں نے پوچھا کیا ہوا؟ کیا خبر لائے انھوں نے کہا کہ آسمان پر پہنچنے کا راستہ بند ہو گیا ہے اور وہاں کوئی مانع ہو گیا ہے جب ہم اوپر جاتے ہیں تو ہمیں چنگاریاں ماری جاتی ہیں۔ ان لوگوں نے کہا یہ مانع تو کوئی جدید پیدا ہوا ہے۔ اور ضرور کوئی نہ کوئی نیا واقعہ پیش آ گیا ہے۔ جاؤ تم زمین کے چاروں طرف تلاش کرو، کیا بات ہے۔ وہ تمام زمین پر ڈھونڈھنے لگے جو جنات کہ تہامہ کی طرف ڈھونڈنے نکلے تھے۔ انھوں نے نخلہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور انکی طرف بڑھے۔ اس وقت آپؐ کا عکاظ نامی بازار کی طرف قصد تھا۔ اور آپ صحابہ کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے۔ جب ان جنوں نے قرآن سنا تو غور سے کان لگائے۔ اور آپس میں کہا کہ یہی سبب ہے جو ہم آسمان پر نہیں پہنچ سکتے اور پھر اسی وقت اپنی قوم کی طرف گئے اور کہا کہ اے قوم ہم نے ایک عجیب قرآن سنا جو نیکی کی طرف ہدایت کرتا ہے لہذا ہم اس پر ایمان لائے اور ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کبھی کسی کو شریک نہ کریں گے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر سورۂ جن اتاری کہ قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ (یعنی آپ پر جنوں کا مقولہ قالوا انا سمعنا قرآناً (الخ) وحی کیا گیا۔

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ (کوثر)

یقیناً اے پیغمبر اسلام! ہم نے تمہیں خیر کثیر عطا کی ہے

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم آسمان پر چڑھائے گئے (یعنی آپ کو معراج ہوا) آپ نے فرمایا کہ میں ایک نہر پر گیا۔ جس کے دونوں طرف کھوکھلے موتیوں کے قبے تھے۔ میں نے جبرئیل سے پوچھا۔ یہ کیا ہے۔ انھوں نے جواب دیا یہ کوثر ہے۔

یہ ہیں ان آیات قرآنی کی وہ تفسیر جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ تمہیں ماننا پڑے گا کہ یہ تفسیر رسول اللہؐ نے بیان فرمائی تھی۔ اور تمہیں قرآن کی ان آیات کا مطلب یہی سمجھنا ہوگا۔ جو ان روایات میں بیان ہوا ہے۔ اگر کسی کو ان میں کوئی ایسی بات دکھائی دے جس سے وہ سمجھے کہ اس سے رسول اللہ کی ذات اقدس پر اعتراض وارد ہوتا ہے اور وہ کہہ دے کہ یہ تفسیر رسول اللہ کی نہیں ہو سکتی (یعنی یہ روایت صحیح نہیں ہے) تو اسے منکر حدیث اور منکر شانِ نبوت قرار دے کر اسلام اور رسول اللہ کا (معاذ اللہ) بدترین دشمن قرار دیا جاتا ہے۔

[1] راوی کا نام ہے

حقائق و عبر

نادان دوست

امریکہ کی ایک خبر کے مطابق وہاں کی ایک طیارہ ساز کمپنی کے پروپرائٹر مسٹر پینڈنے توقع ظاہر کی ہے کہ مستقبل میں انسان فضائی لہروں میں تحلیل ہو کر برقی تشریہ کی صورت میں سفر کر سکے گا۔ یعنی اس طرح انسان پلک جھپکانے میں طویل بین سفر کر سکے گا۔

اس خبر کو درج کرنے کے بعد صدق لکھنؤ کے ایڈیٹر عبدالماجد دریابادی صاحب فرماتے ہیں۔

> معراج جسمانی کے امکان پر اس سے زیادہ پرزور دلیل قدیم علماء بیچاروں کے خیال میں بھی کب آئی ہوگی۔

اس قسم کے دلائل سے یہ حضرات بزعم خویش سمجھتے ہیں کہ ہم نے اسلام کی بڑی خدمت کی ہے۔ لیکن انھیں کون بتلائے کہ اسلام کو جس قدر نقصان اس قسم کی مضحکہ انگیز باتوں سے پہنچا ہے غیر مسلم معاندین کے پروپیگنڈے سے بھی نہیں پہنچا۔ جب ان حضرات کی اس قسم کی باتیں دنیائے علم و بصیرت میں پہنچتی ہیں تو وہ لوگ ان پر ہنستے ہیں۔ اول تو یہ دیکھئے کہ مولانا دریابادی صاحب سند کہاں سے پیش کر رہے ہیں؟ ایک طیارہ ساز کمپنی کا پروپرائٹر! سوچئے کہ سائنس کی دنیا میں ایک طیارہ ساز کمپنی کے مالک کا مقام کیا ہو سکتا ہے؟ پھر یہ سوچئے کہ معراج کی جو تفصیل ہماری کتب روایات میں آئی ہے۔ انھیں اس 'امکانی صورت' سے کوئی واسطہ بھی ہے کہ انسان کا مادی جسم فضا کی لہروں میں تحلیل ہو جائے گا! ان روایات میں یہاں تک موجود ہے کہ براق کو دیکھ کر فلاں قبیلہ کا اونٹ بدک کر بھاگ اٹھا۔ اور جب حضور (صلعم) فلاں قبیلہ پر سے گذرے تو لوگ سو رہے تھے۔ لیکن آپ نے ان کے مٹکے سے پانی پیا۔ کیا فضا میں تحلیل شدہ لہریں مٹکے سے پانی پیا کرتی ہیں۔

نبی اکرم کی جسمانی معراج کے خلاف جو سب سے بڑا اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب یہ تسلیم کیا جائے کہ حضور جسمانی طور پر خدا سے ملنے کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی خاص مقام میں مکین ہوں۔ خدا کے متعلق یہ تصور کہ وہ مکان (SPACE) کی حدود کے اندر محصور ہو دین کے سارے تصور کو ختم کر کے رکھ دیتا ہے۔ اس بات کی طرف ان لوگوں کا کبھی خیال نہیں جاتا۔ اس کے برعکس یہ اس قسم کے تنکے اکٹھے کرتے رہتے ہیں۔ تاکہ ان کا پل بنا کر اپنے غلط تصورات کا ہاتھی ان پر سے گذاریں۔ اور اس طرح دنیا کو بتائیں کہ دیکھو ہمارے معتقدات کی تائید تمہاری سائنس کی طرف سے بھی ہو رہی ہے؟ خدا اسلام کو اس قسم کے نادان دوستوں سے محفوظ رکھے۔

تعدد ازواج

ملتان کے ایک صاحب نے مولانا دریابادی صاحب سے دریافت کیا کہ کیا یہ حدیث صحیح ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت بی بی فاطمہؓ کی موجودگی میں دوسری شادی کی خواہش ظاہر کی تو رسول کریمؐ نے سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ ایک جائز رعایت سے محروم کرنے کی کیا وجہ تھی؟

دریابادی صاحب تعدد ازواج کے بڑے حامی ہیں مستفسر کا یہ سوال ایسا تھا جس کے صحیح اور سیدھے جواب سے دریابادی صاحب کے اپنے مسلک پر زد پڑتی تھی۔ لہٰذا دیکھئے وہ جواب کیا دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

> روایت کس درجہ کی ہے اس کی تحقیق تو طلبائے حدیث ہی کر سکتے ہیں۔ باقی اگر مسلّم اور مستند ہے تو اصلی وجہ تو خود روایت ہی میں موجود ہے۔ یعنی ابوجہل جیسے معاند کی لڑکی کا رسول اسلام کی بیٹی کے ساتھ ایک گھر میں جمع ہونا۔

یہ حدیث بخاری کی ہے جسے یہ حضرات اس آسمان کے نیچے کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب مانتے ہیں۔ لیکن دریابادی صاحب پہلے تو اس میں بھی ایک شک کا پہلو پیدا کرتے ہیں اور صاف صاف نہیں کہتے کہ یہ حدیث بخاری کی ہے۔ اس لئے اس کے مسلّم اور مستند ہونے میں کیا شبہ ہے۔ اس اگر اور مگر کے بعد دلیل یہ دی جاتی ہے کہ ابوجہل جیسے معاند اسلام کی بیٹی رسول اسلام کی بیٹی کے ساتھ ایک گھر میں کیسے جمع ہو سکتی تھی! ان سے کوئی پوچھے کہ اگر ابوسفیان جیسے معاند اسلام کی بیٹی دیگر امہات المومنین کے ساتھ خود رسول اللہ کے گھر میں آسکتی تھی تو ابوجہل کی لڑکی کے حضرت علی کے گھر میں آجانے پر کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔

لیکن دریابادی صاحب دل میں خود بھی اس جواب سے مطمئن نہیں۔ کیونکہ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ

> بہرحال اس کے علاوہ اور جو بھی تاویل ممکن ہو وہ خود اس حدیث ہی میں کیجئے۔ نہ کہ اس کی بنا پر ایک قطعی اور منصوص شرعی حق میں کوئی شک و شبہ پیدا کیا جائے۔

کیا ہم پوچھ سکتے ہیں کہ قرآن کا وہ کون قطعی منصوص حکم ہے جس نے ایک مرد کو حق دیا ہے کہ وہ جب جی چاہے ایک بیوی کے ہوتے ہوئے دوسری بیوی کو گھر لے آئے۔ ایک سے زیادہ بیوی کی اجازت سارے قرآن میں ایک مقام پر ہے۔ اور اس اجازت کی ابتداء اس طرح ہوتی ہے کہ اگر تمہیں ڈر ہو کہ تم یتامیٰ کے ساتھ عدل نہیں کر سکو گے تو . . . . . . جیسا کہ طلوع اسلام میں متعدد بار لکھا جا چکا ہے۔ قرآن کی اس اجازت کا صاف اور صریح مفہوم یہ ہے کہ اگر معاشرہ میں کبھی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ بلا شوہر عورتوں کی تعداد بہت زیادہ بڑھ جائے اور بیواؤں اور یتیم بچوں کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہ ہو سکتا ہو تو اسلامی نظام کو اس کی اجازت دی گئی ہے کہ وہ اس ہنگامی حالت سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اس کی اجازت دیدے کہ لوگ اپنی پہلی بیوی کی موجودگی میں ان عورتوں سے شادی کر لیں۔ اس صورت حالات کے علاوہ قرآن میں ایک وقت میں ایک سے زیادہ بیوی کی اجازت کسی شکل میں بھی نہیں ہے۔ اگر آپ کو اس میں کوئی شبہ ہو تو اس کے خلاف قرآن کی سند پیش کیجئے۔ وادعوا شھداءکم من دون اللہ ان کنتم صادقون۔

احساس کمتری

بھارت میں جب سے ہندوؤں کو حکومت ملی ہے۔ ان کے دل میں رہ رہ کر یہ خواہش پیدا ہو رہی ہے کہ کسی نہ کسی طرح یہ ثابت کیا جائے کہ وہ ایک عظیم تہذیب کے وارث ہیں۔ اور ان کی روایات بڑی شاندار ہیں۔ ان کا ماضی بڑا درخشندہ ہے۔ حتیٰ کہ وہ انگریزوں کی غلامی سے آزادی حاصل کرنے کے لئے شروع ہی سے لڑائیاں لڑتے چلے آرہے ہیں وغیرہ وغیرہ اپنی اس خواہش کی تسکین کے لئے وہ عجیب عجیب قسم کے ثبوت اور دلائل تلاش کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ حال ہی میں انھیں مرہٹوں کے آخری پیشوا، نانا صاحب کا ایک خط کہیں سے مل گیا ہے جو اس نے ہندوستان کے گورنر جنرل، لارڈ کیننگ کو ۱۸۵۸ء

(باقی [illegible])

بی پی
ڈبل وی
جسم کو
توانائی
بخشتی ہے

یں لکھا تھا۔ اس خط کے متعلق ان کا فیصلہ ہے کہ ہندوستان میں "تحریک آزادی کی تاریخ" سے متعلق جو کتاب مرتب ہو رہی ہے اسے اس میں شامل کیا جائے۔ تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ ۱۸۵۷ء کا غدر تنہا مسلمانوں کی طرف سے تحریک آزادی کی تمہید نہیں تھا۔ بلکہ اس میں ہندوؤں کا بھی بڑا حصہ ہے۔ لیکن آپ کو معلوم ہے کہ نانا صاحب نے اس خط میں گورنر جنرل کو لکھا کیا تھا؟ اس میں لکھا تھا کہ میرے حق پیشوائیت کو واپس کیا جائے اور مجھے آٹھ کروڑ روپیہ بطور ہرجانہ دیا جائے۔ اگر حکومت برطانیہ نے ان مطالبات کو تسلیم نہ کیا تو نتائج کی ذمہ داری اسی پر عاید ہوگی۔

ذرا غور کیجئے کہ نانا صاحب کے اس مطالبہ کا تحریک آزادی سے کیا واسطہ تھا۔ اس نے اپنے ایک خالص ذاتی مقصد کے لئے خط لکھا۔ لیکن ہندو والے لئے لئے پھر رہے ہیں کہ یہ تحریک آزادی میں ہندوؤں کی حصہ داری کی سند ہے!

اسی طرح وشو بھارتی کے سوامی شنکرانند صاحب کے دماغ میں یہ خیال گھوم رہا ہے کہ کسی نہ کسی طرح یہ ثابت کیا جائے کہ ہندوستان میں ہندو باہر سے نہیں آئے بلکہ یہیں کے اصلی باشندے ہیں۔ اور یہ غلط ہے کہ انھوں نے ایران کی طرف سے ہندوستان پر حملہ کیا تھا۔ اس کے برعکس صحیح یہ ہے کہ انھوں نے ہندوستان سے ایران پر حملہ کیا تھا اور ایران کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے کہ اس پر بھارت ورش کے آریاؤں نے حملہ کیا تھا۔ سوامی صاحب نے دعویٰ کیا ہے کہ ہڑپا کے کھنڈرات سے جو مہریں برآمد ہوئی ہیں۔ انھوں نے اس پر ہریائی قبائل کے نام پڑھے ہیں۔ انھوں نے یہ نہیں بتایا کہ انھوں نے ان مہروں کے الفاظ کو پڑھ کیسے لیا ہے۔ کیونکہ یہ اس زبان میں لکھے ہوئے ہیں جو صدیوں سے مردہ ہو چکی ہوئی ہے لیکن وہ یہ ثابت کر سکیں یا نہ کر سکیں دعویٰ تو انھوں نے سہی کر دیا ہے۔

اصل یہ ہے کہ جب کسی قوم کو قوت حاصل ہو جاتی ہے تو اس کا دماغ ہر قسم کے خیالات کی آماجگاہ بن جاتا ہے اور پھر وہ جو کچھ بھی کہے کمزور قومیں اس پر آمنا و صدقنا کہنے کے لئے آمادہ ہو جاتی ہیں

بین الاقوامی جائزہ

جنیوا کانفرنس کا ایک بظاہر خوشگوار نتیجہ یہ نکلا کہ تحدید اسلحہ سے متعلق مذاکرات میں جان سی آگئی تھی۔ اور نئی امیدیں بیدار ہو گئی تھیں یہ مذاکرات کم و بیش دس سال سے جاری ہیں۔ اور ہر چند جانبین اس پر متفق ہیں کہ ایٹمی اسلحہ کو ممنوع قرار دیا جا سکے۔ اور غیر ایٹمی اسلحہ میں تدریجی کمی کی جائے لیکن وہ کسی عملی تجویز پر متفق نہیں ہو سکے۔ اب نیویارک میں مذاکرات کا جو نیا سلسلہ شروع ہوا تو اس میں صدر آئزن ہاور کی تجویز زیر بحث آئی۔ تجویز مختصراً یہ ہے کہ روس اور امریکہ ایک دوسرے کو فوجی قوت کے ضروری اعداد و شمار مہیا کریں گے۔ یہ معلومات اسلحہ، فوجی مواصلات، افواج ان کی تعداد اور ان کے مقامات تعین سے متعلق ہوں گی۔ ان معلومات کی جانچ پڑتال کے لئے ایک ملک کے مبصر دوسرے ملک میں متعین ہوں گے اور وہ اپنے ملک کے ہوائی جہازوں میں بیٹھ کر متعلقہ مقامات تک جا کر دیکھ بھال کریں گے۔ روس اس تجویز کو مانتا نظر نہیں آتا۔ وہ کم و بیش اپنے سابقہ موقف پر قائم ہے کہ ایٹمی اسلحہ کو ضائع کر دیا جائے۔ اور موجودہ غیر ایٹمی اسلحہ اور افواج میں اس کی تجویز کردہ تعداد کے مطابق کمی کر دی جائے امریکہ اس تجویز کا موید نہیں۔ اور اس کا اعتراض یہ ہے کہ جب تک ایک دوسرے ممالک کی فوجی قوت کے بارے میں صحیح صورت حال کا پتہ نہیں چلتا۔ اس میں تخفیف یا اس کے تعین کا فیصلہ ممکن نہیں۔ اسی سلسلہ میں یہ سوال بھی سامنے آیا کہ ایک دوسرے ملک کی فوجی قوت کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ دوسرے ملک کے مبصر وہاں جا کر تحقیق حال کریں۔ اب تحدید اسلحہ سے متعلق مذاکرات کا محور یہ تجویز ہو گئی ہے۔ دس سال کی مسلسل ناکامی کے بعد پہلی مرتبہ یہ واضح تجویز زیر بحث آگئی ہے۔ روس نے اب تک امن اور تخفیف اسلحہ پر زور دیا ہے۔ اس کے پیش نظر اس کے لئے اس تجویز کو رد کرنا آسان نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ اپنے نقطۂ نظر سے اس میں مناسب ترمیم و اصلاح کرالے۔ لیکن روس نے اپنے ملک کے دروازے ایسے بند کر رکھے ہیں۔ کہ وہ انہیں کھولنے کے لئے تیار نہیں۔ اس کا نتیجہ ہے کہ تخفیف اسلحہ کے مذاکرات میں تعطل پیدا ہوتا نظر آتا ہے۔ اگر ان میں تعطل پیدا ہو گیا تو یہ ۲۷ اکتوبر کو شروع ہونے والی وزرائے خارجہ کی کانفرنس کے لئے اچھا فال نہیں ہوگا۔

جرمنی کا مسئلہ بھی عالمی سیاست کا سنگین مسئلہ ہے۔ جو ایک نئے دور میں داخل ہو گیا ہے۔ روس کی دعوت پر مغربی جرمنی کے چانسلر ڈاکٹر ایڈینار ماسکو پہونچ گئے ہیں۔ روس نے انھیں اس کے لئے دعوت دی تھی کہ باہمی ثقافتی، تجارتی اور سفارتی تعلقات استوار کئے جائیں۔ لیکن جرمنی کا مسئلہ ایسا ہے کہ یہ ناممکن ہے کہ ڈاکٹر ایڈینار ماسکو جائیں اور اس مسئلہ کے تمام پہلو زیر بحث نہ آئیں۔ ڈاکٹر موصوف مغرب کے حلیفوں میں سے ہیں۔ اور انھوں نے بڑی محنت اور جانفشانی سے اسلحہ بندی کی اجازت اور ناٹو کی رکنیت حاصل کی ہے۔ انھوں نے دعوت (باقی صفحہ ۱۸ پر)

قرآنی انقلاب کا لٹریچر

معراج انسانیت (از پرویز) سیرت صاحب قرآن علیہ التحیۃ والسلام کو قرآن کے آئینے میں دیکھنے کی پہلی اور کامیاب کوشش۔ مذاہب عالم کی تاریخ اور تہذیبی پس منظر کے ساتھ ساتھ حضور سرور کائنات کی سیرت اور دین کے متنوع گوشے نکھر کر سامنے آگئے ہیں۔ بڑے سائز کے قریباً نو سو صفحات۔ اعلیٰ ولایتی گلیزڈ کاغذ مضبوط حسین جلد مع گرد پوش قیمت بیس روپے

ابلیس و آدم (از پرویز) سلسلۂ معارف القرآن کی دوسری جلد جسے نظر ثانی کے بعد شائع کیا گیا ہے۔ انسانی تخلیق۔ قصۂ آدم جنت ملائکہ۔ وحی وغیرہ جیسے اہم مباحث کی حامل۔ بڑی تقطیع کے ۴۰۰ صفحات قیمت آٹھ روپے

قرآنی دستور پاکستان اس میں پاکستان کے لئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ہے اور حکومت علماء اور اسلامی جماعت کے مجوزہ دستور پر تنقید کی گئی ہے۔ دو سو چوبیس صفحات قیمت دو روپے آٹھ آنے

اسلامی نظام اسلامی مملکت کے بنیادی اصول کیا ہیں، اور اسلامی نظام کیسے قائم ہو سکتا ہے؟ اس کے جواب میں پرویز اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات جنہوں نے فکر و نظر کی نئی راہیں کھول دی ہیں۔ ۱۰۰ صفحات۔ قیمت دو روپے

سلیم کے نام (از پرویز) نوجوانوں کے دل میں اسلام سے متعلق جو شکوک پیدا ہوتے ہیں ان کا شگفتہ مدلل اور اچھوتا جواب بڑے سائز کے ۴۰۰ صفحات قیمت چھ روپے

قرآنی فیصلے روز مرہ کی زندگی کے ساتھ اہم مسائل و معاملات پر قرآن کی روشنی میں بحث ۴۰۰ صفحات قیمت چار روپے

اسباب زوال امت (از پرویز) مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہمارا مرض کیا ہے اور علاج کیا؟ ایک سو اٹھائیس صفحات قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

جشن نامے ایسے عنوانات میں جنہیں پڑھ کر ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی ہو اور آنکھوں میں آنسو۔ طنز اور تنقید کے گہرے نشتر۔ سات سالہ دور آزادی کی سمٹی ہوئی تاریخ ۲۷۰ صفحات قیمت دو روپے آٹھ آنے

تمام کتابیں مجلد ہیں اور گرد پوش سے آراستہ۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ:- ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳ کراچی

عورت کا قرآن

(صفحہ ۱۰ سے آگے)

اس طور پر نہ صرف "عورت" کا دینی نقصان ہو جائے گا بلکہ اس کا اثر اس کی اولاد پر بھی پڑے گا۔ اور اگر مسلمان کسی اجنبی عورت کو بہلا کے اسلام پر لے آئے گا تو وہ اس عورت کے لئے باعث سعادت ہوگا۔ کیونکہ اسلام سب سے آخری اور اللہ کے نزدیک پسندیدہ تر دین ہے۔

مطبوعات طلوع اسلام
ڈیرہ اسماعیل خان میں
راجہ برادرز نیوز ایجنٹ سے مل سکتی ہیں

عالم اسلامی

غازہ کی جنگ تو ختم ہوگئی ہے۔ لیکن اس سے جو سوال پیدا ہوگیا ہے اس کا جواب مصر کو بہرحال تلاش کرنا ہوگا۔ یہ سوال اسرائیلی جارحیت کی مدافعت ہے۔ یہ سوال یہودی سلطنت کے معرض وجود میں آجانے سے ہی پیدا ہوگیا تھا۔ لیکن ۱۹۴۹ء کے متارکے کے بعد جس طرح وقتاً فوقتاً یہودیوں اور عربوں کے درمیان تصادم بلکہ خوں ریز جنگیں ہوجاتی رہیں۔ اس سے یہ سوال ابھر کر اور سامنے آگیا۔ غازہ کے حالیہ تصادم نے جو اس سلسلہ کا سنگین ترین تصادم تھا۔ رہی سہی کسر پوری کردی ہے۔ یہودی علاقے میں آبادی کا دباؤ بہت ہے۔ وہ اس دباؤ کے ہاتھوں مجبور ہیں کہ اپنے علاقوں میں توسیع کریں۔ یہی ایک عنصر یہودی عرب کشیدگی کے لئے کچھ کم نہیں۔ لیکن یہودیوں کا یہ بھی خیال ہے کہ اگر وہ سرحدوں پر فتنہ انگیزیاں کرکے عربوں کو پریشان کرتے رہے تو وہ ایک نہ ایک دن ان سے مصالحت کے لئے تیار ہوجائیں گے۔ اور ان کی حکومت کو تسلیم کرلیں گے۔ اندریں حالات یہ توقع عبث ہے کہ جنگ بند ہوگئی تو کشیدگی بھی ختم ہوجائے گی یا تصادم کا خطرہ باقی نہ رہے گا۔

پہلے بھی دیکھا گیا ہے۔ اور اب بھی یہی دیکھنے میں آیا ہے کہ جب یہودیوں نے کسی ایک سرحد پر لڑائی کی طرح ڈالی تو اس کے مقابلہ میں وہی ملک آیا۔ جس پر اس جارحیت کی براہ راست زد پڑتی تھی۔ دوسرے عرب ممالک نے زبانی جمع خرچ تو بہت کیا لیکن اپنے بھائی کی مدد کو نہیں پہنچے۔ یہ بلا وجہ نہیں۔ عرب ممالک اول تو عسکری طور پر کمزور ہیں۔ اور دوسرے ان میں اتنا باہمی اتحاد نہیں کہ وہ مصیبت میں ایک دوسرے کے کام آسکیں۔ یہی نہیں بلکہ وہ ایسا کوئی مشترکہ ادارہ قائم نہیں کرسکے جو ایسی مشکل کے وقت حرکت میں آئے اور ان کے کام آسکے۔ کہنے کو ان کے پاس عرب لیگ جیسی تنظیم موجود ہے اور پچھلے دنوں اس نے اپنا فریضہ ادا کرنے کی بھی کوشش کی۔ لیکن معاملہ لیگ کونسل کی اس لفظی قرارداد سے آگے نہ بڑھ سکا کہ ممالک عربیہ متحدہ طور پر مصر کا ساتھ دیں گے۔ وہ مصر کا ساتھ کیسے دیں؟ اس کا جواب نہ عرب لیگ کے پاس ہے۔ نہ کسی عرب ملک کے پاس۔ دیکھا جائے تو عرب ممالک دلی خواہش کے باوجود کسی عرب ملک کو مؤثر فوجی مدد نہیں دے سکتے کیونکہ ان کی اپنی عسکری تنظیم جنگی تقاضوں کو پورا کرنے کے قابل نہیں۔ عربوں نے آج تک اس اساسی کمزوری کو دور کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اسے رفع کرنے کے لئے انھیں کسی بڑی قوم سے رجوع کرنا چاہیئے تھا۔ لیکن انھوں نے کوئی قابل ذکر کوشش نہیں کی۔ ان کی اس کمزوری کا یہودی بھی فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور ان کے بعض "دوست"۔ مثلاً ہندوستان بھی۔ ہندوستان نے مصر کی دکھتی رگ پر ہاتھ دھرا اور اسے غیر جانبداری کا سراب دکھایا۔ یہ جادو اس پر ایسا چلا کہ وہ نہ کسی بڑی قوم سے مطلوبہ مدد ہی لے سکا ہے۔ اور نہ عرب ممالک کو متحد کرسکا ہے۔ عرب لیگ نے ایک کاغذی مشترکہ دفاعی معاہدہ تیار کیا لیکن اس کا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ اس کے مقابلہ میں ترکی، عراق اور پاکستان نے ایک مشترکہ معاہدے کے ذریعہ متزلزل مشرق وسطیٰ میں استواری پیدا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن مصر نے اس کی مخالفت شروع کردی۔ وہ سعودی عربیہ کی رفاقت سے زیادہ سے زیادہ شام کو اپنے ساتھ ملا سکا۔ لیکن اب شام بھی الگ سا ہوگیا ہے گویا عرب لیگ نے جس تنظیم کا خواب دیکھا وہ شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا۔ مصر نے جو دفاعی سلسلہ قائم کرنا چاہا وہ منڈھے نہ چڑھ سکا۔ اس کے مقابلہ میں ترکی عراق اور پاکستان نے جو اقدام کیا۔ اور جس میں بہرحال آگے بڑھنے اور کامیاب ہونے کی گنجائش تھی۔ اس کی مخالفت شروع کرکے اسے ناکام بنانے کی کوشش کی گئی۔ ان حالات میں تشتت اور کمزوری کے علاوہ اور کچھ حاصل نہیں ہوسکتا۔ اور جب تک یہ صورت حال ہے عربی ممالک اتحاد یا ترقی کا نام بھی نہیں لے سکتے۔

مشرق وسطیٰ کی اس ناستواری سے فائدہ اٹھانے کے لئے روس نے بازی لگا دی ہے۔ اس نے مصر کو اسلحہ مہیا کرنے کی پیشکش کی ہے۔ اس سے پہلے کرنل ناصر کو ماسکو آنے کی دعوت مل چکی ہے اور وہ آئندہ سال موسم بہار میں روس جانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ مصری وزیر جمال الدین سالم نے اعلان کیا ہے کہ انھیں اگر روس غیر مشروط طور پر اسلحہ مہیا کرے اور اقوام مغرب سے انھیں اسلحہ نہ ملے تو اس پیشکش کو منظور کرنے میں مصر کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

اس سے مترشح ہوتا ہے کہ مصر کو فوجی اسلحہ کی ضرورت ہے اور وہ اس ضرورت کو اقوام مغرب کے ذریعہ پورا کرنا چاہتا ہے۔ لیکن اگر اسے مغرب سے اسلحہ میسر نہ آسکے تو وہ روس سے اسلحہ لینے کے لئے تیار ہوجائے گا بشرطیکہ یہ سودا غیر مشروط ہو۔ یہ بات معقول نظر آتی ہے لیکن اسے کہنے کے لئے بہت کچھ سوچنے کی ضرورت تھی مصر دیگر ممالک مشرق وسطیٰ اور ایشیا کی طرح اقوام مغرب سے متعلق رہا ہے۔ اس لئے اس کے ہاں کی فوجی تنظیم مغربی انداز کی ہے اور اسلحہ بھی مغربی ممالک کے ہیں۔ لہٰذا اسے اسلحہ کی مزید فراہمی کے لئے اقوام مغرب کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ یہ درست ہے کہ اس قسم کی رسد کے راستے میں بعض رکاوٹیں ہیں۔ لیکن سب سے بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ خود مصر نے اپنا موقف واضح نہیں کیا۔ اس نے اغیار کے کہنے میں آکر غیر جانبداری کا تصور پیدا کیا اور اقوام مغرب سے کٹنے اور ہٹنے کی کوشش کرتا رہا۔ حالانکہ اس کے مرشد پنڈت نہرو خود مغرب سے معاشی اور فوجی امداد لے رہے ہیں۔ اب بھی امریکہ نے مشرق وسطیٰ سے متعلق ایک تجویز پیش کر رکھی ہے۔ (اس تجویز پر سابقہ اشاعت میں تبصرہ کیا جا چکا ہے) اس میں کئی نقائص ہیں لیکن جیسا کہ ہم نے لکھا تھا۔ اگر مسلمان ممالک متحد ہوجائیں اور اپنا لائحہ عمل متعین کرلیں تو وہ امریکہ سے معقول سودا کرسکتے ہیں۔ اس وقت اسی کی ضرورت ہے لیکن چونکہ ایسا نہیں کیا گیا۔ روس نے اس تذبذب سے فائدہ اٹھانے کے لئے اسلحہ کی پیشکش کردی ہے روس مصر کو مطلوبہ امداد ہرگز نہیں دے سکتا۔ وہ اس پیشکش سے مصر کا تذبذب بڑھانا چاہتا ہے اور اسے مغرب سے ہٹا کر اشتراکیت کی آغوش میں لانا چاہتا ہے۔ یہ ایسا امکان ہے جسے مصر کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ اس کی زد اسی پر نہیں پڑے گی بلکہ اس کا خمیازہ عالم عرب بلکہ سارے عالم اسلامی کو بھی بھگتنا پڑے گا۔ ہم پھر اس حقیقت کو دہرانا چاہتے ہیں کہ کشود کار صرف اسی میں ہے کہ تمام اسلامی ممالک باہم متحد ہوجائیں اور پھر روس یا اقوام مغرب سے یک زبان ہوکر معاملہ کریں۔ اس سے یہ بہت سی رسوائیوں اور

بزمِ طلوعِ اسلام

مظفر گڑھ عبدالغفور چغتائی صاحب ترجمان، تحریر کرتے ہیں کہ ۲۰ اگست کو بزم کا اجلاس منعقد ہوا جس میں بیس ارکان کے علاوہ دیگر اہلِ علم اور صاحبِ ذوق حضرات نے بھی شرکت کی۔ اس میں مندرجہ ذیل قرار دادیں منظور ہوئیں۔

(۱) مجلس دستور ساز سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ رزق کے سرچشموں کو انفرادی ملکیت سے نکال کر اجتماعی تحویل میں دے دے اور کوشش کی جائے کہ حدودِ مملکت میں بسنے والا کوئی فرد ضروریاتِ زندگی سے محروم نہ رہے۔

(۲) گداگروں کی بڑھتی ہوئی تعداد کی روک تھام کے لئے موثر اقدام کیا جائے۔

(۳) طلوعِ اسلام میں تاریخی شواہد کے عنوان سے جو سلسلہ مضامین شائع ہو رہا ہے اس سے متعلق ممکن ہو تو تاریخی مقامات کے نقشے بھی شائع کئے جائیں۔

جب یہ مضامین کتابی شکل میں سامنے آئیں گے تو اسوقت نقشے دینے کی بھی کوشش کی جائیگی

طلوعِ اسلام

(۴) پنجاب ٹرانسپورٹ کے سلسلے میں مسافروں کو مقامی طور پر جو دقتیں پیش آتی ہیں ان کا ازالہ کیا جائے۔

راولاکوٹ آزاد کشمیر ریاض احمد خاں صاحب رتق، موضع دبارہ، ڈاکخانہ راولاکوٹ۔ پونچھ، آزاد کشمیر اطلاع دیتے ہیں کہ وہ راولاکوٹ میں جو آزاد کشمیر کا ایک معمولی سا قصبہ ہے بزم کی تشکیل کی کوشش کر رہے ہیں۔ علاقے کے قارئین سے التماس ہے کہ وہ ان سے رابطہ پیدا کریں اور بزم کی تشکیل میں ان کا ساتھ دیں۔ ریاض صاحب کا خیال ہے کہ مقامی حالات کے مطابق مہینہ میں صرف ایک بار مجوزہ بزم کا اجلاس ہو سکیگا۔

جلال پور جٹاں غلام حسین صاحب جلال پور جٹاں ضلع گجرات سے تحریر فرماتے ہیں کہ تمام بزم ہائے طلوعِ اسلام کو اس طرف متوجہ کرنے کی ضرورت ہے کہ ہر بزم اپنا شائع کردہ لٹریچر تمام بزموں کو ایک ایک کاپی ارسال کر دیا کریں تاکہ ہر بزم کا حوصلہ بڑھ سکے اور وہ مختلف بزموں کی کارگذاری سے کسی حد تک مطلع رہ سکیں۔

بین الاقوامی جائزہ

(صلا سے آگے)

کے بعد بھی یہ واضح کر دیا کہ وہ بدستور مغرب سے متعلق رہنا چاہتے ہیں۔ اس کے برعکس روس کی کوشش یہ ہے کہ انھیں مغرب سے علیحدہ کر کے غیر جانبدار بنائے۔ ڈاکٹر ایڈینار نے ماسکو جانے سے پہلے امریکہ اور مغربی دوستوں سے مناسب بات چیت بھی کر لی اور ان پر اچھی طرح واضح کر دیا کہ وہ ان کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ ماسکو پہنچ کر انھوں نے جو بیان دیا ہے۔ اس میں انھوں نے وحدت جرمنی کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور ان بیس ہزار جرمنوں کی رہائی کا بھی جو روسی قید میں ہیں انھوں نے مذاکرات کو ان مسائل کے حل سے مشروط نہیں کیا۔ البتہ یہ ضرور کہا ہے کہ ان نفسیاتی مسائل کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ روس اس نفسیات کا فائدہ اٹھانے کی کوشش ضرور کریگا۔ کیونکہ جرمنی اس کے لئے بہت بڑی بازی ہے گو ڈاکٹر ایڈینار بھی اپنے موقف میں کم متشدد نہیں بہرحال یہ دیکھنا ہے کہ وہ ان نفسیاتی مسائل کے حل کا چکمہ دے کر مغربی جرمنی سے کیا قیمت وصول کرے گا۔ اقوام مغرب کے لئے اس میں تشویش کا پہلو ضرور ہے لیکن یہ غنیمت ہے کہ جرمنی کا مسئلہ تنہا مغربی جرمنی اور روس کے مابین طے نہیں ہو گا۔ بلکہ آخر کار ان تک آئے گا انھیں یہ بھی اعتماد ہے کہ ڈاکٹر ایڈینار ان کا ساتھ نہیں چھوڑینگے

امریکہ اور چین کے مابین جو براہ راست مذاکرات شروع ہوئے تھے وہ کسی نتیجہ تک نہیں پہنچے اس اثنا میں چین نے چند امریکی قیدی رہا کر دیئے ہیں اور کچھ عجب نہیں کہ وہ رفتہ رفتہ وہ تمام امریکی آزاد کر دے جن کی وجہ سے امریکہ کا رویہ زیادہ متشدد ہو گیا تھا اور جن کے لئے اقوامِ متحدہ کے سکریٹری جنرل کو چین کا سفر اختیار کرنا پڑا تھا۔ اگر ایسا ہو گیا تو چین کو امریکہ سے دیگر اور اہم تنازعات سے متعلق سودا کرنے کی زیادہ مہلت مل جائیگی بظاہر اس کی کوشش یہی نظر آتی ہے۔

ابلیس و آدم

سب سے پہلا انسان کس طرح معرض وجود میں آیا؟ آدم اور خلافت آدم کا مفہوم کیا ہے۔ ابلیس کیا ہے اور آویزش ابلیس و آدم کیا؟ وحی کیا ہے اور وحی نے انسان کو کیا عطا کیا؟ ان سوالات کے قرآنی جوابات اس کتاب میں دیکھئے۔

صفحات ۳۷۶　قیمت آٹھ روپے

اقبال اور قرآن

اقبال نے قرآنی انقلاب کی آواز سے فضا کو معمور کیا۔

قرآن کیا کہتا ہے اور اقبال کا پیغام کیا ہے؟

ان کے جوابات مفسر قرآن اور ترجمان اقبال پرویز سے سنئے۔

ضخامت ۲۵۶ صفحات　قیمت دو روپے

تاریخ الاُمّت

علامہ اسلم جیراجپوری مدظلہ کی تاریخ کی وہ بے مثل کتاب جو تقسیم سے پہلے بیشتر درسگاہوں میں بطور نصاب شامل تھی۔ اب مولف کی اجازت سے طلوع اسلام نے اسے دوبارہ چھاپا ہے۔

قیمت حصہ اول (سیرت رسول اللہ صلعم) دو روپے۔

قیمت حصہ دوم (خلافت راشدہ) دو روپے آٹھ آنے۔

کتاب آٹھ حصوں پر مشتمل ہے۔ باقی حصے عنقریب شائع ہو جائینگے۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳ - کراچی - ۳

کمیونزم

انسان کے معاشی مسئلہ کا وہ حل ہے جسے تنہا عقل نے دریافت کیا۔

لیکن اس میں انسانی زندگی اور حیوانی زندگی میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا۔ دونوں کی زندگی طبعی ہے۔ جس کا خاتمہ موت کر دیتی ہے۔

قرآن

اس مسئلہ کا جو حل دیتا ہے اس سے انسان اس زندگی کی خوشگواریاں بھی حاصل کرتا ہے اور اگلی زندگی میں ارتقا کی منازل طے کرنے اور آگے بڑھنے کے قابل بھی ہو جاتا ہے۔

یہ حل کیا ہے

اس کا جواب آپ کو

☆ نظام ربوبیت ☆

(از۔ پرویز)

میں ملے گا۔

قسم اول۔ کاغذ سفید کرنا فلی۔ جلد مضبوط مع گرد پوش چھ روپے۔

قسم دوم۔ کاغذ میکانیکل۔ صرف ڈسٹ کور کے ساتھ چار روپے۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۱۰۲۸۔ کراچی۔۳

Title ... Art Press, Thathai Compound, Bunder Road, Karachi. Text at Javed Press, Mafaool Road, Karachi. Published by ... from Tolu-e-Islam Office, 20/1 ... Karachi. Editor: ...

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ہفتہ وار طلوع اسلام کراچی

جلد نمبر ۸ شمارہ ۳۹ | کراچی: ہفتہ - ۲۴ - ستمبر ۱۹۵۵ء | قیمت چھ آنہ سالانہ پندرہ رو۔

قرآن نے کیا کہا؟

جنتی معاشرہ کے متعلق یہ بتایا جاچکا ہے کہ اس کی پہلی خصوصیت یہ ہوگی کہ اس میں ہر جگہ نہایت افراط سے کھانے پینے کا سامان ہوگا۔ لیکن یہ نہیں کہ چنے کھانے کو مل جائیں اور چیتھڑے پہننے کو۔ اس معاشرہ میں دنیا کے بہترین آسائش و آرائش کے سامان میسر ہونگے۔ سونے کے کنگن، جو اس زمانے میں عزت اور سرداری کے نشان ہوتے تھے۔ یحلون فیھا من اساور من ذھب اور گوہر آبدار۔ ولؤلؤا۔ اور حریر و اطلس کا لباس۔ ولباسھم فیھا حریر (۲۲/۲۳)۔ رہنے کے لئے بڑے بڑے شاندار محلات۔ ویجعل لک قصورا (۲۵/۱۰)۔ بیٹھنے کے لئے نہایت پر تکلف تخت۔ فی ظلال علی الارائک متکئون (۳۶/۵۶)۔ یہ سب کچھ اس معاشرہ میں ملیگا۔

قرآنی حقائق کا بیان

(محترم پرویز صاحب)

اتوار صبح ۹ بجے

۲۳/۱ - فاؤلرز لائن - نیپئر بارکس - کراچی

طلوع اسلام کا مسلک اور مقصد

ہمارا مسلک یہ ہے کہ ....

۱۔ تنہا انسانی عقل زندگی کے مسائل حل کرنے کے لئے کافی نہیں۔ اسے اپنی راہنمائی کیلئے اسی طرح وحی کی ضرورت ہے جس طرح آنکھ کو سورج کی روشنی کی۔

۲۔ یہ وحی اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآن کریم میں محفوظ ہے۔ اس لئے نوع انسانی [illegible] منزل مقصود تک [illegible]۔

۳۔ حق اور باطل کا معیار قرآن ہے۔ جو بات قرآن کے خلاف ہو گی وہ [illegible] غلط ہے۔

۴۔ حضور نبی اکرم [illegible] کا مکمل ضابطہ خود قرآن کریم ہے۔

۵۔ قرآن کی رو سے دنیا کے تمام انسان ایک عالمگیر برادری کے افراد ہیں [illegible] نظام کے مطابق زندگی بسر کرے۔

۶۔ اس عالمگیر نظام زندگی کی تشکیل کی صورت یہ ہے کہ ہر زمانے کے انسان اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق قرآن کے غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں باہمی مشاورت سے جزئی قوانین خود مرتب کریں۔ [illegible] یہ جزئی قوانین حالات کی تبدیلی سے بدلتے رہیں گے لیکن قرآن کے اصول ہمیشہ غیر متبدل رہیں گے۔

۷۔ اس نظام کی رو سے قرآن ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کرتا ہے جس میں تمام افراد کی مضمر صلاحیتوں کی کامل نشوونما ہو جاتی ہے اور کوئی فرد معاشرہ [illegible] تمام نوع انسانی کی پرورش سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۸۔ ربوبیت عامہ کے مقصد عظیم کے حصول کے لئے قرآن کی رو سے ضروری ہے کہ رزق کے سرچشمے افراد کی ملکیت کے بجائے معاشرے کی تحویل میں رہیں تاکہ رزق کی تقسیم [illegible] ضرورت کے لحاظ سے ہوتی رہے اور اس طرح کوئی انسان دوسرے انسان کا محتاج نہ رہے۔ اسے قرآنی نظام ربوبیت کہا جاتا ہے۔

ہمارا مقصد یہ ہے کہ ....

اسلام [illegible] پاکستان میں اور اس کے بعد ساری دنیا میں [illegible] قرآنی نظام ربوبیت قائم ہو جائے [illegible]۔

اگر آپ طلوع اسلام کے اس مسلک اور مقصد سے متفق ہیں تو اس پیغام کو عام کرنے میں طلوع اسلام کا ساتھ دیجئے

اس شمارے میں

★ خوش و حشیہ ★ چند حقائق ★ امید کی کرن ★ تضیع اوقات ★ تاریخی شواہد
★ اسلام کی سرگزشت ★ مجلس اقبال ★ عورت کا قرآن ★ قرآن و حدیث
★ اندرونِ ھند ★ باب المراسلات ★ عالم اسلامی ★ بین الاقوامی حالات

اسلامی نظام

اسلامی مملکت کا بنیادی اصول کیا ہے اور اسلامی نظام کیسے قائم ہوسکتا ہے؟ اسکے جواب میں محترم پرویز صاحب اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات جنہوں نے فکر و نظر کی نئی راہیں کھولدی ہیں۔ قیمت دو روپے۔

اسباب زوال امت

مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہمارا مرض کیا ہے اور علاج کیا۔

ضخامت ۱۵۰ صفحات قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے۔

قرآنی دستور

اس میں پاکستان کیلئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ہے اور حکومت، علماء اور اسلامی جماعت کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ہے۔

ضخامت دو سو چوبیس صفحات
قیمت دو روپے آٹھ آنے۔

اسلامی معاشرت

مسلمان کے عادات و اخلاق کا خاکہ، رہنے سہنے کا ڈھنگ۔ سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر اسلوب قرآنی آئینے میں۔

ضخامت ۱۹۲ صفحات قیمت دو روپے۔

سلیم کے نام خطوط

ان خطوط میں ملت کے اس نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کو مخاطب کیا گیا ہے جو مشرق و مغرب کے تصادم کے بعد ملوکیت کے وضع کردہ غلط مذہبی تصورات سے متنفر ہوتے ہوتے اسلام اور اسکے سرچشمۂ حیات قرآن ہی سے ہاتھ دھو چلا تھا۔ عقائد و نظریات جیسے خشک اور نازک مسائل پر اس عمدگی سے بحث کیگئی ہے کہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ ہم کسی خشک فلسفیانہ بحث کو پڑھ رہے ہیں۔ باتوں باتوں میں وہ دقیق اور معرکہ آرا مسائل حل کرکے رکھ دئے گئے ہیں جنہیں ضخیم مجلدات میں بھی حل نہیں کیا جاسکا تھا۔ یہ خطوط ملک کے گوشہ گوشہ سے خراج تحسین وصول کرچکے ہیں۔ قرآن کی روشنی اور محترم پرویز صاحب کا بصیرت افروز قلم۔ بڑا سائز ضخامت سوا چار سو صفحات۔ کتابت و طباعت دیدہ زیب کاغذ سفید گرد پوش مصور مشرق جناب چغتائی کے قلم کا حسین مرقعہ۔ قیمت چھ روپے علاوہ محصولڈاک۔

فردوس گم گشتہ

جناب پرویز کے ان مضامین کا مجموعہ جنہوں نے قوم کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہوں کا زاویہ بدل دیا ہے۔ مفہوم کے علاوہ اگر خالص ادبی نقطۂ نگاہ سے بھی دیکھئے تو اردو زبان کی بہت کم کتابیں اس پایہ کی دکھائی دینگی۔

بڑا سائز۔ ضخامت قریب چار سو صفحات کتابت و طباعت دیدہ زیب کاغذ سفید جلد مضبوط۔ گرد پوش حسین۔
قیمت چھ روپے۔ علاوہ محصولڈاک۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳ء۔ کراچی۔۳

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ہفتہ وار

طلوعِ اسلام

جلد ۸ | ہفتہ - ۲۴ ستمبر ۱۹۵۵ء | نمبر ۳۴

خوش درخشید

آخری کاپی پریس میں جا رہی تھی کہ یہ تاسف انگیز اطلاع ملی کہ محترم غلام محمد صاحب اپنی خرابیٔ صحت کی بنا پر اپنے منصب سے مستعفی ہونے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ (معدودے چند افراد کے سوا) تمام ملک میں اس خبر کو رنج اور تاسف کے ساتھ سنا گیا ہوگا۔

یوں تو کائنات میں ہر واقعہ کسی نہ کسی قانون کے تابع ظہور پذیر ہوتا ہے لیکن بعض ایسے واقعات بھی سامنے آتے ہیں کہ ہماری موجودہ علمی سطح ان کے اسباب و علل کی مختلف کڑیوں کا احاطہ نہیں کر سکتی، اس لئے ہم انہیں مجبوراً "اتفاق" سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہندوستان جیسے ملک میں اقبال جیسے دیدہ ور کا پیدا ہو جانا اسی قسم کے اتفاقی واقعات میں سے تھا وہ بھی اس زمانہ میں جب قوم صدیوں سے

ترس رہی تھی کسی مردِ راہ داں کیلئے

لیکن کسی مردِ راہ داں کا غبارِ ناقہ تک دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اقبال کی دیدہ وری نے مسلمانوں کے منتشر قافلے کو پاکستان کا تصور دیا۔ اس کے بعد اس تصور کو عملاً مشہود بنانے کے لئے، جناح جیسا مخلص، قابل اور دیانتدار وکیل آگے بڑھ آیا جس کے متعلق کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ وہ مذہب کی بنا پر مسلمانوں کی جداگانہ قومیت اور ان کی الگ مملکت کا کبھی خیال بھی کرے گا۔ اسی سلسلہ کی تیسری کڑی محترم غلام محمد کی سیادت تھی۔ محترم موصوف "انڈین آڈٹ اینڈ اکاؤنٹس سروس" سے متعلق تھے۔ ہندوستان میں آئی سی ایس کا طبقہ نظم و نسق کا ماہر اور اکاؤنٹ سروس کے لوگ حساب کتاب کے حامل سمجھے جاتے تھے اور اسی بنا پر آئی سی ایس والے انہیں بالعموم "منشی جی" کہہ کر پکارتے تھے۔ لیکن حیرت ہے کہ اسی "منشی جی" کے طبقہ کا ایک فرد اتنی بڑی مملکت کے زمامِ اقتدار کو اپنے ہاتھ میں لیتا ہے اور اس کے بعد اس کشتی کو ان طوفانوں سے بچا کر صاف نکال لے جاتا ہے جن کے تصور سے بڑے بڑے شناور لرزہ براندام تھے۔ اگر اقبالؒ پاکستان کا بانی اور جناحؒ اس کا معمار ہے، تو غلام محمد کو بجا طور پر اس کا محافظ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اگر آپ کے ذہن سے ماضی کے نقوش بالکل مٹ نہیں گئے تو ذرا تصور میں لائیے اس فضا کو جو ناظم الدین وزارت کے زمانہ میں یہاں عام ہو چکی تھی۔ غور کیجئے کہ اس وقت ملک کس تباہی و بربادی کے جہنم کی طرف کشاں کشاں چلا جا رہا تھا۔ ملک میں تخریبی قوتیں اس طرح بدلگام ہو رہی تھیں گویا جہنم کے شیاطین ہیں جو اپنی زنجیریں تڑوا کر سرکش و بے باک چاروں طرف بھاگ نکلے ہیں۔ جاہل اور تنگ نظر "مسجدوں کے امام" جن کی سمجھ میں ہی نہیں آ سکتا تھا کہ:

قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے

خواجہ صاحب کے مشیر اور صلاح کار بن چکے تھے۔ ملک میں ہر طرف تشتت و انتشار کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ مرکز کمزور سے کمزور تر ہوتا جا رہا تھا۔ عوام پر عرصۂ حیات تنگ ہو رہا تھا۔ ایسا نظر آتا تھا گویا پاکستان مغلیہ سلطنت یا وزیرانِ اودھ کی حکومت کا آخری ٹمٹماتا چراغ ہے۔ ایسے نازک اور پُر آشوب وقت میں غلام محمد کا آہنی بازو آستین سے باہر نکلا، اپنی بطشِ شدید سے ان تمام تخریبی عناصر کا گلا گھونٹ کر رکھ دیا۔ اور اس طرح اس نوزائیدہ مملکت کو تباہی اور بربادی کے جہنم میں گرنے سے بچا لیا۔ اس کے بعد، سابقہ مجلسِ آئین ساز ملک کے ساتھ جس قسم کا مذاق کر رہی تھی اس سے یہ مملکت غیروں کی نگاہ میں اضحوکہ بن چکی تھی۔ وہ آئین سازی جیسے اہم فریضہ سے جس بُری طرح بے اعتنائی برت رہی تھی اس سے قوم پر انتہائی افسردگی اور ناامیدی چھا چکی تھی۔ کہ ایسے میں اسی آہنی ہاتھ نے پھر اپنی ضربِ کاری کا مظاہرہ کیا اور اس عفریت کا بوس کو سینۂ ملت سے الگ کرکے رکھ دیا۔ لیکن اس سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ غلام محمد آئین شکن تھا اور قوم کو آمریت کی طرف لئے جا رہا تھا۔ مفاد پرست گروہ نے، جسے اپنی گرفت میں لیا تھا، اس کے خلاف اسی قسم کا پروپیگنڈہ شروع کیا تھا اور وہ پروپیگنڈہ آج تک جاری ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے جو کسی کے مٹائے مٹ نہیں سکتی کہ جب عدالتِ عالیہ نے یہ بتایا کہ ان معاملات میں آئینی پوزیشن کیا ہے تو اس کے بعد اسی غلام محمد نے اپنے اختیاراتِ خصوصی کا کبھی استعمال نہیں کیا بلکہ اپنی گردن آئین کے سامنے جھکا دی۔ اگرچہ وہ جانتا تھا، اور بعد کے واقعات نے اُسے ثابت بھی کر دیا کہ آئینی پوزیشن کچھ ہی کیوں نہ ہو، ملک کی سلامتی اسی میں تھی کہ گورنر جنرل اپنے اختیاراتِ خصوصی کے ماتحت وہ سب کچھ کر دیتا جسے اب "جمہوریت کے نمایندوں" کے ہاتھ میں دے کر بازیچۂ اطفال بنا دیا گیا ہے، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔

ہمیں افسوس ہے کہ خرابیٔ صحت نے محترم غلام محمد کو اتنی مہلت نہ دی کہ وہ اپنے عزائم کو اپنے ہاتھوں بروئے کار لا سکیں۔ اگر انہیں اتنی مہلت مل جاتی تو ہمیں یقین تھا کہ وہ اس ملک کو اس پٹڑی پر ڈال دیتے جس سے یہ سیدھا خوشگواریوں کی آخری منزل تک پہنچ جاتا۔ کم از کم وہ اسے رجعت پسند تخریبی قوتوں کی دست بُرد سے تو یقیناً بچا لیتے۔ مسلمانوں کی تاریخ نے اُن کے سامنے اس حقیقت کو بے نقاب کر دیا تھا۔ ملوکیت اور مذہبی پیشوائیت وہ تخریبی عناصر ہیں جنہوں نے اس ملتِ شریفہ کو آسمان کی بلندیوں سے زمین کی پستیوں پر دے پٹکا ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ اس حقیقت سے بھی باخبر تھے کہ شجرِ ملت کو اس "اکاس بیل" کے زہریلے چنگل سے چھڑانے کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ یہ کہ مسلمانوں کے معاشرہ کو قرآنی اقدار کے مطابق از سرِ نو متشکل کیا جائے۔ قارئین کو ان کا وہ حقیقت کشا اور بصیرت افروز بیان یاد ہوگا جو انہوں نے ۱۹۵۲ء میں دیا تھا۔ اور اس میں انہوں نے کہا تھا کہ:

> گذشتہ ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ میں اسلام نے استبداد کے ہاتھوں بڑا نقصان اٹھایا ہے۔ ہوا یہ کہ ان مستبد حکمرانوں نے اسلام کو بطور ایک آلۂ کار کے استعمال کیا۔ مفاد پرست گروہ ان کے ساتھ تھے اور مذہبی پیشوا (علما) ملوکیت اور مفاد پرستی کے منشا کے مطابق اسلام کی تاویلیں کرتے جاتے تھے اور چونکہ یہ سمجھا جاتا تھا کہ یہ مذہب کے واحد ٹھیکیدار ہیں اس لئے جو کچھ یہ کہتے تھے وہ مذہب بن جاتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام ایک کھلی ہوئی کتاب ہے، جسے ہر شخص خواہ

وہ مولوی ہو یا سرکاری دفتر کا ملازم ہو، بلا کسی روک ٹوک کے از خود پڑھ سکتا ہے۔ خدا کا احسان ہے کہ ہمارے ہاں ذات پات کی کوئی تمیز نہیں۔ نہ ہی ہمارے ہاں پنڈتوں کا کوئی گروہ ہے۔ نہ ہی اس قسم کا تصور کہ اس گروہ کے باہر باقی لوگ ذہنی طور پر اچھوت ہیں.... اب کرنے کا کام یہ ہے کہ اس ہزار سالہ عرصہ میں اسلام مستبد ملوکیت اور مفاد پرستانہ پیشوائیت کے جس ملبہ کے نیچے دب چکا ہے اسے وہاں سے نکالا جائے .... پاکستان میں اس قسم کی ملوکیت کی استبداد یا پیشوائیت کی خدائی کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ ہم حریت فکر و نظر کے قائل ہیں اور تمام انسانوں کے لئے زندگی کے ہر شعبہ میں یکساں مواقع بہم پہنچانے کے حامی ہیں۔ ہمارے تعلیم یافتہ طبقہ کا کام یہ ہے کہ وہ لوگوں میں بلند اقدار کی روح پھونک دے جنہیں قرآن پیش کرتا ہے اور جن کے بغیر کوئی قیادت اخلاقی اور روحانی ترقی نہیں کر سکتی۔

ظاہر ہے کہ جو شخص اس قسم کے خیالات رکھتا ہو وہ ملک کے مفاد پرست گروہ اور مذہبی رہنماؤں کی نگاہ میں سخت مبغوض اور مغضوب علیہ قرار پا جائے گا۔ چنانچہ اس کا نتیجہ تھا کہ اس مفاد پرست گروہ، بالخصوص ملک کے مذہبی اجارہ داروں نے قوم کے اس محسن کے خلاف بڑا زہریلا پروپیگنڈا شروع کیا اور، جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے، اُن کی یہ مہم ابھی تک جاری ہے۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ غلام محمد صاحب کے استعفےٰ سے ان لوگوں کے گھروں میں گھی کے چراغ جلیں گے۔ ہم محترم غلام محمد صاحب کی کمزوریوں سے بھی واقف ہیں۔ اور ہم میں کون ایسا ہے جس میں کمزوریاں نہیں۔ لیکن قرآن کا فیصلہ ہے اور اس کی صداقت پر کائنات کا طبعی قانون شاہد ہے۔ کہ حسنات کی اکثریت سیئات کے مضر اثرات کو مٹا دیا کرتی ہے۔ ہمارا اندازہ یہ ہے کہ محترم غلام محمد صاحب نے مملکت پاکستان کی بہبودی اور ملت کے تحفظ کے لئے جو کچھ کیا ہے اس کے خوشگوار نتائج ان کی بعض کمزوریوں کے مضر اثرات پر غالب رہیں گے۔ خود میزانِ خداوندی میں بھی یہی دیکھا جاتا ہے کہ پلڑا حسنات کا بھاری ہے یا سیئات کا۔ کس کا تعمیری کام زیادہ ہے یا تخریبی کوششیں "ومن ثقلت موازینہ فھو فی عیشۃ راضیۃ"۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کی طرف خود غلام محمد صاحب نے قوم کے نام اپنے الوداعی پیغام میں اشارہ کیا ہے جہاں وہ کہتے ہیں کہ:-

تمام نو عمر اقوام کو اپنی زندگی کے ابتدائی ایام میں ایسی پُرخطر گھاٹیوں سے گزرنا پڑتا ہے جو ان کی فنا اور بقا کے لئے فیصلہ کن مراحل ہوتی ہیں۔ میں اس بات پر فخر محسوس کرتا ہوں کہ مبداء فیض کی کرم گستری نے مجھے ایسے مواقع بہم پہنچائے کہ میں ملتِ پاکستانیہ کا سفینہ برگِ گل ان خطرناک گھاٹیوں سے بحسن و خوبی بچا کر لے گیا۔ اگرچہ اس کے لئے بعض اوقات مجھے ایسے اقدامات کرنے پڑے جنہیں سخت گیری سے تعبیر کیا جائے گا۔ میں نے جو کچھ کیا اس کا آخری فیصلہ تو ماضی کی تاریخ ہی دے گی لیکن اس کے چند نتائج جو اس وقت تک برآمد ہو چکے ہیں وہ آپ کے سامنے ہیں۔ میرا ضمیر پاک اور صاف ہے کہ میں نے جو کچھ کیا اس کا جذبۂ محرکہ قوم اور ملت کی بہبود اور مرفہ الحالی کے سوا کچھ نہ تھا ...... میرے سامنے ہمیشہ یہی حقیقت رہی کہ ہماری موت اور حیات پاکستان کے ساتھ وابستہ ہے۔ یہ زندہ ہے تو ہم موت کے چنگل سے آزاد ہیں لیکن اگر یہ نہ رہے تو ہم میں سے کوئی بھی زندہ نہیں رہ سکتا.... .... ہماری آنے والی نسلوں کا ہم پر یہ تقاضا ہے کہ ہم اس ملک کو ماضی کی روایات کا مظہر اور مستقبل کی شاندار امیدوں کا مرکز بنا کر جائیں۔

آپ غلام محمد کے اس الوداعی پیغام کی گہرائیوں میں جا کر دیکھیں تو صاف نظر آ جائے گا کہ یہ چند ڈھلے ہوئے فقرے نہیں جنہیں ایسے مواقع پر مشین کی طرح دُہرا دیا جاتا ہے۔ ان الفاظ میں خلوص اور جذبات کی شدت جھلکتی نظر آ رہی ہے۔ اور اس پیغام کا آخری ٹکڑا تو ایسا ہے کہ ممکن نہیں کہ اسے دیانتدارانہ طور پر پڑھا جائے اور انسان کی آنکھوں میں آنسو نہ آ جائیں۔ اس میں کہا گیا ہے کہ......

میں جب آپ کو یہ مخلصانہ الوداعی سلام کر رہا ہوں تو میرے قلبِ حزین کو اس یقین سے بے حد تقویت پہنچ رہی ہے کہ جب میں مکافات کے دن خدا کے تختِ اجلال کے سامنے کھڑا ہوں گا تو میں نہایت عجز و انکسار کے ساتھ یہ کہنے کے قابل ہوں گا کہ میں نے کوشش کی کہ اپنی انسانی توانائیوں اور صلاحیتوں کی آخری حد تک اپنے ملک کی خدمت خلوص اور دیانتداری سے کروں۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ محترم غلام محمد صاحب کو اتنی صحت اور توانائی عطا فرمائے کہ وہ ملک کی جس مرفہ الحالی کے لئے اس قدر جگر کاوی سے کوشاں رہے ہیں اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

چند حقائق

پچھلے دنوں پاکستان کی مجلس دستور ساز میں جس ہڑبونگ اور چھچھورا پن (بلکہ بالفاظ صحیح، شہدہ پن) کا مظاہرہ ہوتا رہا ہے اس میں کسی شخص کا اپنے عقل و دماغ کے توازن کو قائم رکھنا من عزم الامور تھا۔ لیکن ہمیں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اس اسمبلی میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اس قسم کے "اضطراب موج" میں "سکونِ گہر" کی صلاحیت اپنے اندر رکھتے ہیں۔ ان میں محترم مشتاق احمد گورمانی کا نام ہمیں سرفہرست نظر آتا ہے۔ ان کی وہ تقریر جو انہوں نے وحدتِ مغرب کی تائید میں کی، ایک پُرشور اور متلاطم سمندر میں روشنی کے مینارہ کی طرح دکھائی دیتی ہے

بحُودِ خزیدہ و محکم چو کوہساراں

واضح، مدلل، صاف، سلجھی اور نکھری ہوئی، یکسر حقائق پر مبنی۔ اور اس کے ساتھ ہی نہایت شگفتہ و شاداب، تقریر سن کر بے ساختہ کہنا پڑتا تھا کہ

دیدہ ام مردے دریں قحط الرجال

اس تقریر کو یقیناً دنیا کے بہترین پارلیمانی مباحثات اور مذاکرات میں بطور نظیر پیش کیا جا سکتا ہے۔ مسٹر گورمانی نے جس محنت اور کاوش سے اپنے دعوے کی تائید میں حقائق فراہم کئے اور جس نظم و ربط اور اطمینان و سکون سے انہیں پیش کیا اس کے لئے وہ یقیناً مستحقِ تبریک و تہنیت ہیں۔ یہ تقریر اس قابل ہے کہ اسے غور سے پڑھا جائے اور بطور تاریخی یادداشت محفوظ رکھا جائے۔ طلوعِ اسلام کی تنگ دامانی گلہ سنج ہے کہ اس میں پوری تقریر کو سمیٹا نہیں جا سکتا ہے۔ ہم اس میں پیش کردہ چند حقائق دہراتے ہیں جن میں سے بعض ایسے ہیں جو غالباً پہلی مرتبہ پبلک کے سامنے آئے ہیں اور جو اس موضوع کے بڑے اہم گوشوں کو تاریکی سے روشنی میں لاتے ہیں۔

۲- انہوں نے اپنی تقریر کی ابتدا اس بصیرت افروز حقیقت سے کی کہ ہم نے جب ہندوستان میں اپنی جداگانہ قومیت کا دعویٰ کیا تھا تو اس دعوے کی بنیاد نہ جغرافیائی حدود پر تھی نہ وحدتِ نسل پر۔ نہ اشتراکِ زبان پر اور نہ وحدتِ رسوم و معاشرت پر۔ اس دعوے کی بنیاد اس اخوتِ اسلامی پر تھی جس کی رُو سے تمام مسلمان ایک دوسرے کے بھائی بن جاتے ہیں۔ یہ ہماری قومیت کا مدار تھا اور اسی کو مدار رہنا چاہیئے۔

اصل یہ ہے۔ جیسا کہ ہم طلوع اسلام میں دُہراتے رہتے ہیں، اگر اہلِ پاکستان کے سامنے صرف یہی ایک حقیقت رہے اور ملک کے رہنما اپنے قول و عمل سے اس حقیقت کو بار بار اجاگر کرتے رہیں تو ملت کی وحدت اور پاکستان کے استحکام کے لئے اس سے بڑی قوت کوئی اور نہیں ہو سکتی۔ ہم نے پاکستان کا مطالبہ اسی بنیاد پر کیا اور اسی بنیاد پر اسے حاصل بھی کیا۔ لیکن جب یہ حاصل ہو گیا تو ہم نے (قرآن کی مثال میں) اس بڑھیا کی طرح جو دن بھر سوت کاتتی رہتی ہے

اور شام کو اس سوت کی انٹی کو خود بکھیر کر رکھ دیتی ہے۔ اس بنیادی وحدت کو خود اپنے ہاتھوں سے پارہ پارہ کر کے رکھ دیا۔ اور اس کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ ہمارے نزدیک مغربی پاکستان کی وحدت کی تجویز اس ٹوٹتے ہوئے رشتے کو پھر سے جوڑنے کی طرف پہلا قدم ہے۔ خدا کرے ہمیں اس میں کامیابی ہو۔ اور یہ پہلا قدم اس حسین عمارت کی تکمیل کا سنگِ بنیاد ثابت ہو۔

۳۔ مشرقی بنگال میں ہندوؤں کے زہریلے پروپگنڈے نے اس خیال کو عام کر رکھا ہے کہ بنگال کا صوبہ کمانے والا صوبہ ہے اور اس کی ساری کمائی مغربی پاکستان کی طرف چلی جاتی ہے۔ چنانچہ آپ وہاں جائیے تو آپ کو ہر جگہ یہ گلہ شکوہ سنائی دے گا کہ مغربی پاکستان ہمیں لوٹ کھسوٹ کرے گیا ہے۔ محترم گورمانی صاحب نے اعداد و شمار سے یہ بتایا کہ یہ پروپگنڈہ کس قدر حقیقت کے خلاف ہے۔ انہوں نے کہا کہ ۱۹۴۸ء۔ ۱۹۴۹ء کے بجٹ میں کیفیت یہ تھی کہ مشرقی بنگال کا خرچ ۱۶ کروڑ تھا اور اس کی آمدنی قریب آٹھ کروڑ کے قریب۔ بقایا کمی مرکز کی طرف سے پوری ہوئی۔ اور اب بھی وہاں یہی حالت ہے کہ ان کی آمدنی کا پچاس فی صدی حصہ مرکز کی طرف سے جاتا ہے۔ اور اس طرح وہاں کا خرچ پورا ہو رہا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ مرکز کے پاس یہ روپیہ کہاں سے آتا ہے؟ مسٹر گورمانی نے بتایا کہ مرکز میں اسی فی صدی روپیہ مغربی پاکستان سے جاتا ہے اور صرف بیس فی صدی مشرقی بنگال سے آتا ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ یہ اعداد و شمار سرکاری طور پر شائع شدہ ہیں۔ لیکن اگر اس پر بھی کسی کو ان کے متعلق کوئی شک و شبہ ہو تو وہ اس کے لئے ایک کمیشن مقرر کرا لیں جو جانچ پڑتال کر لے کہ یہ اعداد و شمار صحیح ہیں یا نہیں۔

مشرقی بنگال کے بعد وحدتِ مغرب کے خلاف سب سے زیادہ شور صوبہ سرحد کی طرف سے اٹھ رہا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ صوبہ سرحد کے ۱۹۴۸ء۔ ۱۹۴۹ء کے بجٹ کی یہ کیفیت تھی کہ وہاں کا خرچ ساڑھے تین کروڑ تھا اور ان کی آمدنی اسے کسی طرح بھی پورا نہیں کر سکتی تھی۔ چنانچہ مرکز نے قریب ایک کروڑ پندرہ لاکھ روپیہ دیا تو ان کا گزارہ ہوا۔

ایک گھر کے اندر کبھی یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ فلاں نے کیا کمایا اور فلاں نے کتنا کھایا۔ کمانے والا کما کر لاتا ہے اور اس کمائی کو مختلف افراد کی ضروریات پوری کرنے کے لئے خرچ کر دیا جاتا ہے۔ اس میں سے سب سے زیادہ خرچ اس نوزائیدہ بچے پر ہوتا ہے جو ایک پیسہ بھی کما کر نہیں لاتا۔ لہٰذا جب زندگی ایک گھر کی سی ہو تو پھر اس قسم کی تفریق اور تقسیم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پاکستان بنایا ہی اس لئے گیا تھا کہ ہم ایک گھر کی سی زندگی بسر کریں۔ لیکن جب کسی گھر میں ایسے لڑکے پیدا ہو جائیں جو کمائیں تو بہت کم لیکن احسان سب سے زیادہ جتلاتے رہیں اور بات بات پر یہ کہہ اٹھیں کہ ہمیں الگ کر دو کیونکہ ہماری کمائی دوسرے کھا جاتے ہیں تو اس وقت یہ بتانا ہی پڑتا ہے کہ برخوردار! ذرا سمجھ سوچ کر بات کرو۔ دیکھو تو سہی تمہاری کمائی کتنی ہے اور خود تم پر کتنا خرچ آتا ہے۔

محترم گورمانی صاحب نے ان اعداد و شمار سے اس تلخ فریضہ کو یوں مشفقانہ طور پر ادا کیا۔ خدا کرے کہ اس گھرانے کے سرکش بچوں کی سمجھ میں یہ بات آجائے۔

۴۔ اس کے بعد محترم گورمانی صاحب نے بتایا کہ یہ جو شور مچایا جا رہا ہے کہ صوبہ سرحد پٹھانوں کا ہے۔ بلوچستان بلوچیوں کا ہے۔ اگر ان تمام صوبوں کو اکٹھا کر دیا جائے تو ان سب پر پنجابی چھا جائیں گے۔ یہ کس قدر غلط اور زہریلا پروپگنڈہ ہے۔ انہوں نے بتایا کہ صوبہ سرحد میں صرف چالیس فی صدی پٹھان بستے ہیں اور وہاں کے ایک تہائی باشندوں کی زبان پنجابی ہے۔ بلوچستان میں بلوچیوں کی تعداد قریب ۲۵ فی صدی ہے۔ اس سے دگنے بلوچی سندھ میں بستے ہیں۔ اور اکیلے پنجاب میں اتنے بلوچ ہیں جتنے کل باقی مغربی پاکستان میں ہیں۔ ان حقائق کی روشنی میں انہوں نے کہا کہ ذرا سوچئے کہ ان صوبوں کے متعلق یہ سمجھنا کہ ان میں خالصتاً الگ الگ نسل کے لوگ آباد ہیں کس قدر حقیقت کے خلاف ہے۔

جیسا کہ طلوع اسلام پہلے دن سے لکھتا چلا آیا ہے مسلمان کہلانے کے بعد اپنے آپ کو پنجابی، سرحدی، سندھی، بلوچی، یعنی نسلی امتیازات سے ممیز کرنا اسلام کی بنیادی تعلیم کے خلاف ہے۔ لیکن بدبختی سے یہاں ایسے عناصر موجود ہیں جو اسلام کے بعد بھی ہمیں دورِ جاہلیت کی طرف کھینچ کر لیجانا چاہتے ہیں۔ ان کے غلط پروپگنڈے کی نقاب کشائی کے لئے ضروری ہے کہ ان اعداد و شمار سے بتایا جائے کہ تمہارے یہ دعاوی کس قدر غلط ہیں کہ سرحد میں پٹھان بستے ہیں اور بلوچستان میں صرف بلوچ۔

۵۔ اس کے بعد محترم گورمانی صاحب تاریخ کی طرف آئے اور انہوں نے بتایا کہ ان صوبوں کی موجودہ تقسیم کس طرح عمل میں آئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ انگریزوں کی عملداری میں شروع میں پنجاب اور سرحد ایک ہی صوبہ تھے ۱۹۰۱ء میں خالصتاً استعماری مفاد کی بنا پر انہیں دو الگ الگ صوبے کیا گیا۔ اس تقسیم سے صوبہ سرحد پر کس قدر مضر اثر پڑا۔ اس کے لئے انہوں نے صاحبزادہ سر عبد القیوم مرحوم کے بعض بیانات اور تقاریر کا اقتباس پیش کیا جن میں انہوں نے خود صوبہ سرحد کے باشندوں کو بتایا تھا کہ اس علیحدگی سے انہیں کتنا نقصان پہنچا ہے اور پنجاب علیحدہ ہو کر کس قدر آگے بڑھ گیا ہے۔ اس طرح انہوں نے سندھ کے متعلق بتایا کہ انگریزوں نے ۱۸۴۳ء میں اسے ہتھیایا اور بمبئی کے ساتھ ملا دیا۔ اس لئے کہ اس وقت ابھی پنجاب انگریزوں کی عملداری میں نہیں آیا تھا اگر اس وقت پنجاب انگریزوں کے پاس ہوتا تو سندھ کو پنجاب کے ساتھ ملایا جاتا نہ کہ بمبئی کے ساتھ۔

مشرقی بنگال کے متعلق انہوں نے کہا کہ تقسیم کے وقت مشرقی بنگال تین مختلف علاقوں پر مشتمل تھا یعنی سلہٹ کا ضلع جو آسام سے الگ ہوا تھا۔ چٹاگانگ کا کوہستانی علاقہ اور بقیہ مشرقی بنگال۔ ان تینوں کو مدغم کر کے مشرقی بنگال کا صوبہ بنایا گیا۔ اس کے خلاف نہ کوئی شور اٹھا نہ احتجاج کی صدائیں بلند ہوئیں۔ نہ کسی نے رائے عامہ کے استصواب کا مطالبہ کیا۔ نہ اسمبلی میں دھواں دھار تقریریں ہوئیں۔ آٹھ سال سے یہ ادغام چلا آ رہا ہے اور وہاں نہایت حسن و خوبی سے کام ہو رہا ہے۔

۶۔ انہوں نے ایک اور دلچسپ بات یہ بتائی کہ جب سابقہ مجلس دستور ساز کی بنیادی اصولوں کی کمیٹی نے اپنی رپورٹ مرتب کی تو اس کے خلاف مسٹر عطاء الرحمان اور شیخ مجیب الرحمان نے دسمبر ۱۹۵۲ء میں اخبارات میں ایک بیان دیا جس میں انہوں نے کہا کہ یوں تو مشرق اور مغرب میں مساوات کا شور مچایا جاتا ہے لیکن اس رپورٹ میں تجویز یہ کی گئی ہے کہ مشرقی بنگال تو ایک وحدت رہے اور مغربی پاکستان میں کم از کم نو وحدتیں ہوں۔ انہوں نے اپنے اس بیان میں کہا کہ صحیح طریق کار یہ ہے کہ مغربی پاکستان کی ان وحدتوں کو مٹا کر ایک وحدت بنا دی جائے اور اس طرح مشرقی اور مغربی پاکستان میں صحیح مساوات قائم کی جائے۔

خدا کی شان۔ اب وہی عطاء الرحمان اور مجیب الرحمان صاحب ہیں جو مغربی پاکستان کو ایک وحدت بنانے کے خلاف اس طرح نعل بر آتش ہو رہے ہیں۔

۷۔ مسٹر سہروردی کے ان متبعین کے بعد انہوں نے خود مسٹر سہروردی کے متعلق ایک ایسی بات کہی جو اس باب میں قول فیصل کا حکم رکھتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ابھی مارچ ۱۹۵۵ء کی بات ہے کہ مسٹر سہروردی مرکزی حکومت کے وزیر قانون تھے۔ ان کے مشورہ سے گورنر جنرل نے ایک حکمنامہ صادر کیا جس کی رو سے مغربی پاکستان کی مختلف وحدتوں کو ملا کر ایک وحدت بنا دیا گیا تھا۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ فیڈرل کورٹ نے یہ کہا کہ گورنر جنرل از خود اس قسم کا حکمنامہ جاری نہیں کر سکتے۔ یہ چیز پہلے مجلس دستور ساز میں پیش ہونی چاہیئے۔ اسی بنا پر وحدت مغرب کی تجویز التوا میں پڑ گئی اور اب وہ مجلس دستور ساز کے سامنے پیش ہوئی ہے۔ لیکن جہاں تک مسٹر سہروردی کا تعلق ہے یہ حقیقت اپنی جگہ پر موجود ہے کہ وحدتِ مغرب کے متعلق ان کے مشورے سے ان کے احکام بھی جاری ہو چکے تھے۔ لیکن اب وہی مسٹر سہروردی ہیں کہ اس کی مخالفت میں ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگا رہے ہیں۔

ہمارا خیال ہے (اور آنے والا مورخ یقیناً اس کی تصدیق کرے گا) کہ مسٹر سہروردی نے اپنی وزارت کے زمانہ میں اپنے طرزِ عمل سے لوگوں کے دل میں ایک مقام حاصل کر لیا تھا۔ لیکن جب انہیں وزیر اعظم نہیں بنایا گیا تو اس کے بعد انہوں نے جس قسم کی حرکتیں کی ہیں اس سے انہوں نے سیاسی خودکشی کر لی ہے۔ اس وقت، ان کی پارٹی کے چند افراد کے سوا، ملک میں شاید ہی کوئی شخص ایسا ہو جو ان کے متعلق بہتر رائے رکھتا ہو۔ اگر وہ وزیر اعظم نہ بننے کے

باوجود حزب اختلاف کی صفوں میں کھڑے ہو کر اس بل کی تائید کرتے تو وہ دیکھتے کہ ان کا مقام کتنا اونچا ہو جاتا۔

۸۔ بہرحال یہ ہیں وہ چند حقائق جنہیں ہم نے محترم گورمانی صاحب کی اس ٹھوس اور وزندار تقریر سے پیش کیا ہے جو مدتوں تک بھلائی نہیں جاسکے گی۔ آپ ان حقائق کی روشنی میں اندازہ لگائیے کہ وحدت مغرب کی اسکیم کی مخالفت کرنے والے کس قدر حق بجانب ہیں اور ان کا یہ طرزِ عمل کس حد تک مملکت اور ملت کے لئے مفید قرار پا سکتا ہے

اُمید کی کرن

پاکستان اور افغانستان کے مابین تصفیہ ہو جانے پر ان دونوں ممالک میں ہی نہیں بلکہ عالم اسلامی میں بالخصوص اور باقی دنیا میں بالعموم قلبی اطمینان کا اظہار کیا جائے گا۔ کابل کا وہ ہنگامہ جس نے ان دو ہمسایہ ملکوں کے تعلقات کو اس قدر خراب کر دیا تھا کہ معاشی مقاطعہ تک کا خدشہ پیدا ہو گیا تھا۔ بین الاقوامی سیاست میں ایک بڑا ناخوشگوار قضیہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کابل میں مقیم تمام غیر ملکی سفیروں نے اس کی مذمت کی تھی۔ پاکستان اس اشتعال انگیزی پر بین الاقوامی ضابطہ کے مطابق انتہائی اقدام کرنے میں بھی حق بجانب ہوتا لیکن ایسا نہیں کیا گیا اور ضبط و تحمل سے کام لیتے ہوئے افغانستان کو پورا موقع دیا گیا کہ وہ اپنے کئے پر پشیمان اور آئندہ کے لئے محتاط ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ پاکستان اس بردباری کا ثبوت نہ دیتا تو یہ مسلمان ہمسائے اچھے ہمسائے نہ رہتے۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہوتا تو اس کا فائدہ انہیں کو پہنچتا جو دونوں کے بدخواہ تھے۔ ان بدخواہوں نے اس کے باوجود ناجائز فائدہ اٹھانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ چنانچہ یہاں تک کہا گیا کہ افغانستان پاکستان کے قدرتی رستوں کو ترک کر کے اور چھوڑ کر روس کے لمبے اور دشوار گذار رستوں کے ذریعہ بیرونی دنیا سے تجارت کر سکتا ہے۔ گو اس سلسلہ میں معاہدے بھی ہوئے لیکن پاکستان کی آسان اور قدرتی شاہراہوں کا کوئی جواب نہ مل سکا۔ گویا یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس میں قدرت کا یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ افغانستان اور پاکستان کی نگاہوں کے زاویئے اور نظروں کی سمت مختلف نہیں ایک ہیں۔

اب ہرچند سفینہ کنارے پر آلگا ہے اور دونوں ملکوں میں سابقہ تعلقات بحال ہو گئے ہیں اور توقع کی جاسکتی ہے کہ جیسا کہ دونوں ممالک نے ایک دوسرے کے خلاف پروپیگنڈہ نہ کرنے اور تعلقات باہمی کو بہتر بنانے کا عہد کیا ہے، یہ فتنہ پھر سے سر نہیں اٹھا سکے گا۔ لیکن جو کچھ ہوا اسے بآسانی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ وہ تباہ کن ممکنات کا حامل تھا۔ اگر اس سے عبرت حاصل نہ کی گئی تو کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ مستقبل میں اس کا کیا نتیجہ نکلے گا۔

تاریخ و جغرافیہ کے اعتبار سے دیکھا جائے تو پاکستان اور افغانستان ایک ہی ملک نظر آتے ہیں۔ مسلمان ہونے کے اعتبار سے دونوں کے باشندوں میں گہرا قلبی رشتہ پایا جاتا ہے اس کے ساتھ قدرت نے بیرونی دنیا کا دروازہ افغانستان کا بجانب پاکستان کی طرف کھولا ہے اور اب اس کے لئے باہر آنے کا راستہ صرف پاکستان ہے۔ یہ دو عوامل انہیں ایک کرنے اور ایک رکھنے کے لئے کافی ہونے چاہئیں تھے۔ لیکن سوء اتفاق سے قیام پاکستان کے بعد ان کے تعلقات میں بھی مطلوبہ گرم جوشی پیدا نہیں ہوسکی۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ان میں کوئی شدید اختلافات پیدا ہو گئے تھے بلکہ پاکستان کے معرض وجود میں آجانے سے عالم اسلامی میں اتحاد و استحکام کے جو آثار پیدا ہو گئے تھے ....

.... انہیں کم کرنے کے لئے اعدائے اسلام نے موہوم خطرات پیدا کئے اور انہیں بڑھا چڑھا کر کے پیش کیا اور اس طرح ان دونوں میں غلط فہمی اور بداعتمادی کی ایک ناگوار شکل پیدا کر دی۔ پانچ ماہ پیشتر کابل میں جو ہنگامہ ہوا وہ اس تصادم کا منطقی نتیجہ تھا۔ لہٰذا جو تصفیہ ہوا ہے اسے صلابت مرض کا علاج تو کہا جاسکتا ہے لیکن یہ کہنا قبل از وقت ہے کہ اس سے علت مرض بھی رفع ہو جاتی ہے۔ مکمل علاج کے لئے ضرورت ہے کہ اس کانٹے ہی کو نکال پھینکا جائے جس کی چبھن سارے جسم کو مضطرب و بے چین بنائے رکھتی ہے۔ جیسا کہ لکھا گیا ہے۔ افغانستان اور پاکستان میں کوئی تنازعہ نہیں اور دونوں کے مفاد مشترک ہیں۔ افغانستان معاشی طور پر پاکستان کا محتاج ہے کیونکہ اس کی معیشت کی فراخی کا دارومدار پاکستان سے اچھے تعلقات رکھنے پر ہے۔ یہ احتیاج مذکورہ صدر مشترک عوامل کے ساتھ دونوں ممالک کے تعلقات کو استوار کر سکتی ہے بشرطیکہ یہ اجنبی اثرات سے پاک رہے۔ اجنبی اثرات کا رد و قبول ہمارے بس میں ہے۔ ہم ان کے قبول کرنے پر یقیناً مجبور نہیں۔ ان کو قبول کرنے کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ اس سے نہ محض افغانستان اور پاکستان کے درمیان مسلسل کشیدگی چلی آرہی ہے۔ بلکہ یہ کشیدگی عالم اسلامی کے اتحاد میں زبردست رکاوٹ ثابت ہو رہی ہے، اگر یہ دو ملک اس کشیدگی سے پاک ہوتے تو اتحاد عالم اسلامی کی رفتار اتنی سست اور صبر آزما نہ ہوتی جتنی آج ہے۔

لیکن کیا یہ تصفیہ اس اتحاد کی تمہید ثابت ہوسکے گا؟ ظاہر ہے کہ اس کا جواب دونوں ممالک اور دیگر ممالک اسلامیہ کے رویہ پر منحصر ہے۔ لیکن ایسے آثار ضرور نظر آتے ہیں جن سے خوش فہمی وابستہ کی جاسکتی ہے۔ پاکستان اور افغانستان کی آٹھ سال کی کشیدگی کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ دیگر ممالک اسلامیہ نے محسوس کیا کہ ان کے تعلقات کی ناستواری مستحسن نہیں اور اس کا ازالہ ہونا چاہیئے، ان ممالک نے اس کا خالی احساس ہی نہیں کیا بلکہ اس کے لئے فوری عملی اقدام بھی کیا۔ مثلاً سعودی عرب کے نمائندے شاہزادہ عبدالرحمٰن بن مساعد نے بڑے خلوص اور تحمل سے مصالحت کی کوشش کی۔ انہیں مصر کے وزیر کرنل انور سادات کی رفاقت بھی حاصل ہو گئی اور دونوں نے مل کر ان ممالک کے اختلافات کو کم کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ وہ اصولی طور پر کامیاب بھی ہو گئے۔ دراصل موجودہ تصفیہ ان کی مساعی کے بغیر ممکن نہ ہوتا۔ ان سے جو کسر رہ گئی تھی اسے ترکی نے پورا کیا۔ مساعی مصالحت میں ایران نے بھی دلچسپی لی۔ اس طرح کل پانچ مسلمان ملکوں نے مصالحت کے لئے خدمات پیش کیں یا باقاعدہ کوشش کی یہ صورت بڑی خوش آیند ہے۔ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ ممالک اسلامیہ کے دل کی گہرائیوں میں اتحاد اسلامی کا خوابیدہ جذبہ بیدار ہو کر لباس عمل اختیار کرتا جا رہا ہے۔ اسی بیداری کا نتیجہ ہے کہ مشرق وسطیٰ کے دفاع کا ہیولیٰ تیار ہو رہا ہے۔ اگر اس کے خدوخال پوری طرح ابھر آئیں اور تمام متعلقہ مسلمان ممالک اس سے وابستگی کا اظہار کر دیں تو وحدت اسلامیہ کی داغ بیل پڑ جائے گی۔ جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں عالم اسلامی کے مصائب کا واحد حل اتحاد میں مضمر ہے۔ اگر پاکستان اور افغانستان کا تصفیہ اس منزل کی طرف قدم اول ثابت ہو تو یہ عالم اسلامی کی تاریخ میں اہم سنگ میل ثابت ہوگا۔ اس سنگ میل تک پہنچنے کی ذمہ داری صرف پاکستان اور افغانستان پر ہی نہیں بلکہ ان ممالک پر بھی ہے جنہوں نے اس تصفیہ کو چکانے کے لئے خدمات پیش کیں یا عملی کارروائی کی۔ درحقیقت ان کی پیش کش یا کوشش کا مضمر تقاضا یہی ہے۔

ماہنامہ طلوع اسلام کے

پرانے پرچے

ماہنامہ طلوع اسلام کے جو پرانے پرچے دفتر میں موجود ہیں اُن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۹۴۹ء اگست، ستمبر، نومبر، دسمبر

۱۹۵۱ء جون، ستمبر، اکتوبر، نومبر

۱۹۵۲ء اگست تا نومبر

۱۹۵۳ء جنوری و اکتوبر کے علاوہ سب

۱۹۵۴ء پورے سال کے

یہ پرچے بزم ہائے طلوع اسلام کو چوتھائی قیمت پر اور دیگر اصحاب کو آدھی قیمت پر دیئے جائیں گے۔ خواہشمند حضرات اپنی فرمائشیں جلد بھیجیں۔ مدت ختم ہو جانے کا احتمال ہے۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ کراچی

تاریخی شواہد

(۳۱)

اس پر کہا گیا کہ جس کی صلاحیتیں اس حد تک تکمیل پا چکی ہوں اسے حق حاصل ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کے لئے صلاحیتوں کے پرکھنے کا معیار بن جائے۔

قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ‌ (۲/۱۲۴)

(جب ایسا ہوا، تو) خدا نے فرمایا (اے ابراہیم!) میں تجھے انسانوں کے لئے امام بنانے والا ہوں۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ معماروں کے پاس ایک چھوٹا سا اوزار ہوتا ہے۔ یعنی پتیل کے ایک چھوٹے سے لٹو کے ساتھ ایک لمبا دھاگا بندھا ہوتا ہے۔ اس سے وہ دیکھتا ہے کہ دیوار سیدھی اٹھ رہی ہے اور چنائی ہموار ہو رہی ہے۔ اسے امام کہتے ہیں۔ ایک بلند سیرت کا انسان (نبی) دوسروں کے لئے امام کا کام دیتا ہے۔

اس دعوتِ توحید کی ابتدا خود اپنے گھر سے ہوئی۔ ہوش سنبھالا تو اپنے آپ کو ایک عظیم الشان بت کدہ میں پایا۔ جس کا سب سے بڑا پجاری اپنا باپ تھا۔ انہوں نے باپ اور بت کدہ میں آنے والے دوسرے اصنام پرستوں کی اس حرکت کو حیرت و استعجاب سے دیکھا اور کہا کہ تمہاری عقل کو کیا ہو گیا ہے جو اس کھلی ہوئی غلط روش پر چلے جا رہے ہو۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا آلِهَةً ۖ إِنِّي أَرَاكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ‌ (۶/۷۴)

اور (دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا تھا۔ کیا تم (پتھر کے) بتوں کو معبود مانتے ہو؟ میرے نزدیک تو تم اور تمہاری قوم کھلی گمراہی میں مبتلا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل سورۂ مریم میں ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ ۚ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا ‌ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا ‌ يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ‌ يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ ۖ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ عَصِيًّا ‌ يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِنَ الرَّحْمَٰنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا ‌ (۱۹/۴۱-۴۵)

اور (اے پیغمبر!) الکتاب میں ابراہیم کا ذکر کر یقیناً وہ مجسم سچائی تھا اور اللہ کا نبی تھا۔ اس وقت کا ذکر جب اس نے اپنے باپ سے کہا: "اے میرے باپ! تو کیوں ایک ایسی چیز کی عبادت کرتا ہے، جو نہ تو سنتی ہے نہ دیکھتی ہے نہ تیرے کسی کام آسکتی ہے؟ اے میرے باپ میں سچ کہتا ہوں، علم کی ایک روشنی مجھے مل گئی ہے جو تجھے نہیں ملی پس میرے پیچھے چل میں تجھے سیدھی راہ دکھاؤں گا۔ اے میرے باپ غلط جذبات کی اطاعت نہ کر۔ یہ تو خدا سے سرکشی کے مظاہر ہیں۔ اے میرے باپ میں ڈرتا ہوں۔ کہیں ایسا نہ ہو خدا کے قانون مکافات کی رو سے تجھے سزا ملے اور تیرا حشر بھی سرکش انسانوں جیسا ہو جائے۔

بت خانے کا سب سے بڑا پجاری اور خود اپنے بیٹے کی زبان سے اس قسم کی باتیں۔ پہلے تو سمجھایا ہوگا لیکن جب دیکھا کہ بیٹا تو اس مسلکِ بت پرستی کا کھلا ہوا دشمن ہے تو کہا:

قَالَ أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنْ آلِهَتِي يَا إِبْرَاهِيمُ ۖ لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ ۖ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا ‌ (۱۹/۴۶)

باپ نے (یہ باتیں سن کر کہا۔ "ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے پھر گیا ہے؟ یاد رکھ، اگر تو ایسی باتوں سے باز نہ آیا تو تجھے سنگسار کر کے چھوڑوں گا۔ اپنی خیر چاہتا ہے تو جان سلامت لے کر مجھ سے الگ ہو جا۔

اگرچہ آج بھی مندروں کے پجاریوں، کلیساؤں کے راہبوں، اور خانقاہوں کے پیشواؤں کی حیثیت کچھ کم نہیں ہوتی۔ لیکن جس زمانے کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس میں، مندر کا پجاری اور مملکت کا بادشاہ یکساں حیثیت رکھتا تھا۔ بلکہ پجاری کا رتبہ بادشاہ سے بھی کچھ زیادہ ہی ہوتا تھا۔ بادشاہ اپنی بادشاہت کے لئے پجاری کی "آشیرباد" (دعا) کا محتاج ہوتا تھا۔ اس لئے ایک پجاری کے بیٹے کا اس مسلک سے انحراف، نہ صرف اسے "ملحد و بے دین" ہی بنا دیتا تھا بلکہ اس سے اتنا بڑا منصب و مقام بھی چھین لیتا تھا۔ یہ سب باتیں حضرت ابراہیمؑ کے سامنے تھیں اور انہی کے پیشِ نظر ان کے باپ کی یہ دھمکی بھی تھی۔ غور کیجئے کہ کتنی جری تھی یہ دھمکی اور کس قدر غصے سے لبریز! لیکن اس کا جواب کس قدر نرم و نازک انداز میں دیا گیا۔ فرمایا:

قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ ۖ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي ۖ إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا ‌ وَأَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَأَدْعُو رَبِّي عَسَىٰ أَلَّا أَكُونَ بِدُعَاءِ رَبِّي شَقِيًّا ‌ (۱۹/۴۷-۴۸)

ابراہیم نے جواب دیا۔ میں تو تیرے لئے بہرحال امن اور سلامتی ہی کا آرزومند رہوں گا۔ اور چاہوں گا کہ قانونِ خداوندی کی رو سے تیری حفاظت ہو جائے۔ وہ مجھ پر بڑا ہی مہربان ہے۔ میں نے تم سب کو چھوڑا اور انہیں بھی جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو۔ میں اپنے پروردگار کو پکارتا ہوں، امید ہے، اپنے پروردگار کو پکار کر میں محروم ثابت نہیں ہوں گا۔

اگرچہ باپ نے اتنی شدید مخالفت کی تھی لیکن حضرت ابراہیم نے خیال کیا کہ یہ خشونت و برہمی اس عقیدت کی بنا پر ہے جو انہیں اپنے خداؤں سے ہے۔ ممکن ہے جب میری دعوت پر غور کریں گے تو رفتہ رفتہ حقیقت بے نقاب ہو جائے گی اور یہ اپنی اس کھلی ہوئی گمراہی سے باز آجائیں گے۔ یہ آرزو اسی خوشگوار توقع کی بنا پر تھی جو افسوس کہ غلط ثابت ہوئی۔ چنانچہ جب حضرت ابراہیم کو یقین ہو گیا کہ باپ اپنی گمراہی سے باز نہیں آئے گا تو اس سے اتنا سا تعلق بھی باقی نہ رہا۔

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۚ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ ‌ (۹/۱۱۴)

اور ابراہیم نے جو اپنے باپ کے لئے حفاظت کی آرزو کی تھی تو صرف اس لئے کہ اپنا وعدہ پورا کر دے جو وہ اس سے کر چکا تھا۔ (یعنی اس نے کہا تھا) لیکن جب اس پر واضح ہو گیا کہ (اس کا باپ) اللہ کے قانون کا دشمن ہے (اور کبھی حق کی راہ اختیار کرنے والا نہیں) تو اس سے بیزار ہو گیا۔ بلاشبہ ابراہیم بڑا ہی دردمند، بڑا ہی بردبار (انسان) تھا!

باپ کے ساتھ کسی ذاتی معاملہ پر جھگڑا تو تھا ہی نہیں کہ گھر کی چاردیواری تک محدود رہتا۔ معاملہ آگے بڑھا تو حضرت ابراہیمؑ نے قوم کو بھی اسی طرح مخاطب کیا۔ سورۂ انبیاء میں ہے۔

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ ‌ (۲۱/۵۱-۵۲)

(ہم ابراہیم کی اس بات سے بے خبر نہ تھے) جب اس نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا تھا کہ یہ کیا مورتیاں ہیں جن پر تم جم کر بیٹھ رہے ہو۔

اسلام کی سرگزشت

گذشتہ اشاعتوں میں عربوں کے خصائص اور زمانہ جاہلیت میں ان کی حیات عقلیہ کی کیفیت بیان کی جاچکی ہے

حیات عقلیہ کے مظاہر میں سے لغت زبان شعر و شاعری اور ضرب الامثال سے گفتگو کی جا رہی تھی کہ وہ کیونکر ان کی حیات عقلیہ پر روشنی ڈالتی ہیں۔ حالیہ صحبت میں ضرب الامثال اور عربی قصص اور کہانیوں سے گفتگو کی جارہی ہے

(دوم) جانوروں کی کہانیاں۔ مثلاً لوگ کہتے ہیں کہ شترمرغ اپنے لئے کہیں سے دو سینگ ڈھونڈنے کے لئے نکلا۔ واپس آیا تو اس کے دونوں کان بھی غائب تھے۔ چنانچہ بشّار (شاعر) اس بارہ میں کہتا ہے ؎

میرا دل اس کا متلاشی ہوا تو وہ میرے دل پر مہربان ہوگئی اس نے قرضہ کے ساتھ میرے دل کو بھی روک لیا۔

میں اس نوجوان شترمرغ کی طرح ہوگیا کہ سینگ تلاش کرنے کے لئے نکلا تو اپنے کان بھی کھو آیا۔

کہتے ہیں کہ شترمرغ کو اسی لئے ظَلِیْمٌ کہتے ہیں۔ اسی کی ایک دوسری مثال ہے۔ کہتے ہیں کہ کوّا ہنس کی رفتار سیکھنے کے لئے نکلا وہ اس کی رفتار تو نہیں سیکھ سکا بلکہ خود اپنی رفتار کو بھول گیا۔ اس لئے وہ لنگڑا کر چلتا ہے۔ اور مینڈک کے دُم اس لئے نہیں ہوتی کہ گوہ نے اس کی دُم چھین لی تھی۔

لوگ کہا کرتے تھے کہ ہُدہُد کی ماں مرگئی۔ اس نے چاہا کہ اس کے مرجانے کے بعد وہ اس کے ساتھ نیک سلوک کرے۔ اس نے چاہا کہ اس کے مرجانے کے بعد وہ اس کے ساتھ نیک سلوک کرے اس نے اسے اپنے سر پر رکھ لیا اور اس کے لئے کوئی جگہ تلاش کرتا رہا۔ وہ نعش اس کے سر پر ہی رہ گئی۔ چنانچہ ہُدہُد کے سر پر جو کلغی ہوتی ہے وہ اس کی قبر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بہت ہی بدبودار ہوتی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ فاختہ نوح علیہ السلام کے عہد میں ایک چھوٹا سا بچہ تھی اُسے کسی شکاری جانور نے شکار کرلیا۔ ہر فاختہ اس بچے کو روتی ہے اور اسے پکارتی ہے مگر وہ اسے جواب نہیں دیتی کسی شاعر نے کہا ہے ؎

جیسے تم مدد کے لئے پکار رہے ہو وہ فاختہ کے بچے سے جلد تر جواب دینے والا نہیں ہے۔

اس قسم کی کہاوتوں پر بھی ہماری گفتگو بعینہٖ وہی ہے جو اس سے پہلے ہم پہیلیوں اور چیستانوں کے بارہ میں کہہ چکے ہیں۔

کہانیاں

عربوں کے ہاں کہانیاں بھی تھیں۔ یہ اُن کے لٹریچر کا ایک بڑا باب تھا اور اس سے ان کی عقلیت کا پتہ نشان بہتر طور پر مل سکتا ہے۔ جاہلیت کی یہ کہانیاں مختلف قسم کی ہوتی تھیں۔

ایامِ عرب یہ ان جنگی حوادث کے گرد گھومتی ہیں جو زمانۂ جاہلیت میں عربوں کے درمیان وقوع پذیر ہوئیں۔ مثلاً یوم داحس۔ یوم غبراء۔ یوم فجار۔ یوم کُلاب۔ یا وہ جنگی حوادث جو بعض عربوں اور دوسری قوموں کے درمیان وقوع پذیر ہوئیں۔ جیسے یوم ذی قار۔ یہ جنگ قبیلہ بنو شیبان اور ایرانیوں کے درمیان ہوئی تھی جس میں عرب فتحمند ہوئے تھے۔ زمانۂ جاہلیت اور زمانۂ اسلام میں یہی قصے کہانیاں عربوں کی شبانہ قصہ گوئی کا موضوع تھے۔ رسول اللہ صلعم کے کسی صحابیؓ سے دریافت کیا گیا کہ "جب تم لوگ اپنی مجلسوں میں تنہا بیٹھتے تھے تو کیا کیا کرتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم "شعر خوانی کیا کرتے تھے اور اپنے زمانۂ جاہلیت کی باتیں بیان کیا کرتے تھے"۔[1] ان ایام اور ان کے واقعات کو مشہور کتاب "العقد الفرید" اور "امثال المیدانی" میں جمع کر دیا گیا ہے۔ قصہ گو لوگوں نے بعض واقعات میں اضافے بھی کر دیئے ہیں اور بعض سچی باتوں میں رنگ آمیزیاں بھی کر دی ہیں۔ مثلاً وہ واقعہ جو ان قصوں کہانیوں میں ملتا ہے اور جس میں انہوں نے زبّاء کی موت کے واقعہ کو نقل کیا ہے۔ ان لوگوں کے بیان کردہ قصہ کا موازنہ جب اس واقعہ سے کیا جاتا ہے جو معتبر مورخین نے زنوبیا (Zenobia) سے نقل کیا ہے تو زبّاء کا وہ واقعہ جو عربی کتابوں میں ہشام بن محمد کلبی سے نقل کیا جاتا ہے محض ایک خیالی اور من گھڑت قصہ نظر آتا ہے۔ جو تاریخ سے کوئی مطابقت نہیں کھاتا۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ گڑبڑ زمانۂ جاہلیت ہی میں خود عربوں نے کر دی تھی یا زمانۂ اسلام میں عربوں کے لٹریچر کو نقل کرنے والوں نے بعد میں یہ گڑبڑ پیدا کی ہے۔

قصے عشقیہ لٹریری کتابوں میں اس قسم کے قصے بہت ملتے ہیں۔ مثلاً وہ قصہ جو منخّل یشکری اور متجرّدہ (نعمان کی بیوی) کے متعلق نقل کیا جاتا ہے کہ ان دونوں میں کیا تعلق تھا اور اس واقعہ کے بارہ میں کیا کیا کہانیاں نقل کی جاتی اور کیا کیا اشعار بیان کئے جاتے ہیں۔[2]

عربوں میں کچھ ایسے قصے بھی ملتے ہیں جو انہوں نے دوسری قوموں سے لے لئے تھے اور انہیں ایسے قالب میں ڈھال لیا تھا جو ان کے ذوق سے مطابقت رکھتا تھا جیسے شریک کے ساتھ منذر کا قصہ کہ اس کی تنگ حالی کے زمانہ میں منذر کے پاس ایک شخص آیا جس کا نام حنظلہ تھا۔ منذر نے اسے قتل کر دینا چاہا۔ حنظلہ نے یہ خواہش کی کہ اسے ایک سال کی مہلت دیدی جائے۔ منذر نے کہا کہ تمہارا ضامن کون ہوگا؟ شریک بن عمرو نے اس کی ضمانت دے دی۔ جب دوسرا سال آگیا تو وہ اپنی مجلس میں بیٹھا حنظلہ کا انتظار کر رہا تھا مگر حنظلہ نہیں آسکا۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ شریک بن عمرو کو لیجا کر اس کی گردن اڑا دی جائے۔ شریک کو قتل کرنے کے لئے لیجا رہے تھے کہ یکایک ایک آدمی آتا ہوا نظر آیا لوگوں نے اُدھر نظر جمائی تو وہ حنظلہ نکلا۔ منذر نے جب اسے دیکھا تو اسے حنظلہ اور شریک دونوں کی وفاء عہد اور شرافت پر حیرت ہوئی اور اس نے خوش ہو کر دونوں کو چھوڑ دیا۔ اور آیندہ سے یہ طریقہ ہی بند کر دیا کہ یوں کسی کی ضمانت لی جائے اور ضامن کو اصل مجرم کے عوض میں قتل کر دیا جایا کرے[3] الخ۔ یہ قصہ دراصل ایک یونانی کہانی سے لیا گیا ہے جو مشہور و معروف ہے۔ یا مثلاً یہ قصہ کہ زمانۂ جاہلیت میں قبیلۂ بنو ضبہ میں کسی آدمی کے سات بیٹے تھے۔ وہ اپنے کتوں کو ساتھ لے کر شکار کے لئے نکلے۔ راستہ میں بارش آگئی اور ان سب نے ایک غار میں پناہ لی۔ اس غار کے دہانہ پر ایک بڑی پہاڑی چٹان گر پڑی اور یہ سب بھائی اس کے اندر رہ گئے۔ ان لڑکوں کا باپ ان کی تلاش میں نکلا اور ان کے نشاناتِ قدم کی مدد سے اس غار تک پہنچ گیا جہاں پہنچ کر ان کے قدموں کے نشانات آگے نہیں ملتے تھے۔ اسے ان سب کی موت کا یقین ہوگیا اور وہ مرثیہ کے شعر پڑھتا ہوا وہاں سے لوٹ گیا۔[4] یہ واقعہ اس واقعہ سے مکمل مشابہت رکھتا ہے جو عہد اوّل کے مسیحی قصوں میں بیان کیا جاتا ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں عربوں کو بہت سے ایرانی قصوں اور کہانیوں کا علم ہوچکا تھا جنہیں وہ اپنی شبانہ قصہ گوئی کی مجلسوں میں بیان کیا کرتے تھے۔ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ نضر بن حارث جو قریش کے شیطانوں میں سے ایک تھا اور رسول اللہ صلعم کو بہت ستایا کرتا تھا اور آپ کے بڑے دشمنوں میں سے تھا۔ وہ حیرہ میں جاچکا تھا اور وہاں رہ کر ایرانی بادشاہوں کے بہت قصے کہانیاں اور رستم و اسفندیار وغیرہ کے قصے سیکھ آیا تھا۔ جب رسول اللہ صلعم اپنی مجلس میں تشریف فرما ہوتے، خدا کا ذکر فرماتے اور اپنی قوم کو خدا کے اس عذاب سے ڈراتے جو ان سے پچھلی قوموں کو پیش آچکا تھا۔ تو آپ کے اُٹھنے کے بعد فوراً نضر بن حارث اسی جگہ بیٹھ جاتا اور کہا کرتا کہ اے قبیلۂ قریش! میں محمد (صلعم) سے زیادہ اچھی باتیں بیان کرسکتا ہوں۔ میرے پاس آؤ میں تمہیں اس سے بہتر باتیں سناؤں گا۔ اور پھر وہ ایرانی بادشاہوں اور رستم و اسفندیار کے واقعے بیان کرنے لگتا تھا اور پھر پوچھتا کہ آخر میرے مقابلہ میں محمدؐ کونسی بہتر باتیں بیان کرتا ہے؟ یہ واقعہ نقل کرکے ابن ہشام نے کہا ہے کہ نضر بن حارث ہی — جہانتک (باقی صفحہ پر)

---

[1] الاغانی ج ۱۸ صفحہ ۱۵[illegible] [2] الاغانی ج ۱۹ صفحہ [illegible] [3] امالی القالی ج ۱ صفحہ ۹۱

مجلسِ اقبال

مثنوی اسرار خودی

باب دوم (مسلسل)

اس ضمن میں حضرت علامہ فرماتے ہیں:۔

عقل ندرت کوش گردوں تاز چیست
ہیچ میدانی کہ ایں اعجاز چیست
زندگی سرمایہ دار از آرزو است
عقل از زائیدگانِ بطن اوست

یہ انسانی فکر جو ہر وقت نئے نئے تصورات پیدا کرتی اور نئی نئی چیزیں ایجاد کرتی ہے اور خاک کی پستیوں سے آسمان کی بلندیوں کی طرف اُڑتی ہوئی چلی جاتی ہے تمہیں کچھ معلوم ہے کہ یہ کس چیز کا اعجاز ہے جس نے انسانی عقل و فکر میں اس قسم کی ندرت کوشیاں اور گردوں تازیاں پیدا کر دی ہیں؟ ۔ یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ انسانی زندگی آرزو سے اُبھرتی ہے اور عقل آرزو ہی کے بطن سے پیدا ہوتی ہے ۔ لہذا عقل کی یہ پرواز اور ندرت آفرینی آرزو ہی کی رہینِ کرم ہے۔

اس کے بعد کہتے ہیں

چیست نظم قوم و آئین و رسوم   چیست رازِ تازگیہائے علوم
آرزوئے کو بزورِ خود شکست   سوزِ دل بیروں زد و صورت بہ بست

مختلف افراد کا اپنی باہمی شیرازہ بندی سے ایک قوم بن جانا اور پھر اپنے اوپر آئین و رسوم کی پابندیاں عائد کر لینا۔ یہ سب کیا ہیں؟ نیز انسانی دنیا میں آئے دن نئے نئے علوم کے اضافے اور نئی نئی اختراعات و ایجادات۔ ان کے وجود کی علت کیا ہے؟ علت اس کے سوا کچھ اور نہیں کہ انسان کے دل کی گہرائیوں سے آرزو کے فوارے اُبھرتے ہیں اور اپنے زور دروں سے مختلف قطرات میں منتقل ہو جاتے ہوں ۔ وہ قطرے اُڑ کر ادھر ادھر گر پڑتے ہیں تو ان سے یہ تمام چیزیں متشکل ہو جاتی ہیں۔ یعنی نظامِ ملت قوموں کے آئین و دساتیر اور ان کے رسوم و روایات، یہ سب دل سے ابھرنے والی آرزو کے مختلف قطرے ہیں جو صحنِ کائنات میں ادھر ادھر بکھر جاتے ہیں ۔ یہی نہیں بلکہ

دست و دندان و دماغ و چشم و گوش
فکر و تخییل و شعور و یاد و ہوش
زندگی مرکب چو در جنگاہ باخت
بہر حفظِ خویشتن ایں آلات ساخت

انسان نے جس قدر مختلف آلات ایجاد کئے ہیں جن سے وہ محسوس اشیائے کائنات کو اپنی گرفت میں لیتا ہے ۔ یا اس کے ذہنی تصورات ۔ اس کی فکر ۔ اس کا تخیل ۔ اس کا شعور ۔ اس کا حافظہ ۔ اور اس کا ہوش ۔ عقل ۔ فکر ۔ خود آگاہی ۔ یہ سب کیا ہیں؟ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ جب زندگی کشمکش کے میدان میں اتری تو اس نے اپنے تحفظ کے لئے یہ تمام آلات ایجاد کر لیئے ۔ یعنی کائنات میں محسوس ایجادات یا مجرد حقائق اور ان کے سمجھنے کے لئے انسانی فکر ۔ یہ سب زندگی کی حفاظت کے سامان ہیں ۔ اگر یہ چیزیں خودی کی حفاظت نہیں کر سکتیں تو ان کا کوئی مقصد نہیں ۔ یہ تصور کہ آرٹ برائے آرٹ ہے، علامہ اقبال کے نزدیک بڑا غلط تصور ہے ۔ آرٹ ہو یا حکمت، ان کے نزدیک اسی صورت میں کچھ قیمت رکھتے ہیں جب وہ خودی کے استحکام اور ارتقا کا ذریعہ بنیں ۔ اسی لئے وہ کہتے ہیں کہ

آگہی از علم و فن مقصود نیست
غنچہ و گل از چمن مقصود نیست

علم و فن کا مقصد یہ نہیں کہ انسان کو کس قدر معلومات حاصل ہو گئیں اور وہ رموز و اسرار کائنات سے کس حد تک آگاہ ہو گیا۔ چمن کا مقصد صرف یہ نہیں کہ اس میں کتنے غنچے اور کتنے پھول پیدا ہو گئے ۔ ان چیزوں کا وجود مقصود بالذات نہیں ۔ یہ کسی اعلیٰ مقصد کے حصول کا ذریعہ ہیں، اور جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، وہ اعلیٰ مقصد یہی ہے کہ یہ چیزیں کس حد تک زندگی کی خودی، استحکام اور ارتقا کا ذریعہ بنتی ہیں ۔ وہ کہتے ہیں کہ

علم از سامانِ حفظِ زندگی است
علم از اسبابِ تقویمِ خودی است

علم اُن اسباب و ذرائع میں سے ہے جو زندگی کی حفاظت کرتے ہیں ۔ اس کا مقصد خودی کو قائم رکھنا اور اس میں صحیح صحیح توازن پیدا کرنا ہے ۔ لہذا

علم و فن از پیش خیزانِ حیات
علم و فن از خانہ زادانِ حیات

انسانی علوم و فنون، سب زندگی کے خدمت گزار ہیں ۔ اگر یہ مقصدِ حیات کو پورا کرنے کا فریضہ سرانجام نہیں دیتے، تو یہ اپنی تخلیق کا مقصد پورا نہیں کرتے۔

اے ز رازِ زندگی بیگانہ خیز
از شرابِ مقصدے مستانہ خیز

اب وہ مسلمان سے تخاطب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تو زندگی کے راز سے بیگانہ ہو چکا ہے۔ اس راز کو سمجھ اور اس کے بعد عمل کی دنیا میں آ ۔ یہ راز اس کے سوا کچھ نہیں کہ انسان کے سامنے ایک مقصد ہونا چاہیئے ۔ حیات بلا مقصد موت ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ بامقصد زندگی بے مقصد زندگی سے یقیناً بہتر ہے لیکن (جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں) مقصد اور مقصد میں زمین و آسمان کا فرق ہے ۔ یہ مقصد ہی کا فرق ہے جس سے ایک زندگی حق کی علمبردار اور دوسری زندگی باطل کی پرستار بن جاتی ہے ۔ اگر مقصد حق ہو تو اس کے حصول میں ہر قدم انسان کو ارتقائی منازل طے کراتا بلندیوں کی طرف لے جاتا ہے اس سے کائنات کے تعمیری نقشے بنتے ہیں اور نوعِ انسانی فوز و فلاح حاصل کرتی ہے۔ لیکن اگر یہ مقصد تخریبی ہو تو اس میں ہر قدم کائنات میں فساد برپا کرنا اور دنیائے انسانیت میں خونریزیوں اور حق تلفیوں کا موجب بنتا ہے ۔ اس لئے علامہ اقبال اس باب کے آخر میں اس کی وضاحت کر دیتے ہیں کہ وہ مقصد کس قسم کا ہونا چاہیئے۔

وہ کہتے ہیں کہ :۔

مقصدے مثلِ سحر تابندہ ئے   ماسوا را آتشِ سوزندہ ئے

ایک پاکیزہ اور بے داغ مقصد جو صبحِ صادق کی طرح چمکتا ہو ۔ جس میں نور اور ٹھنڈک ہو ۔ جس سے زندگی کی نمود اور حیات کی تازگی مقصود ہو ۔ یہ اس کا جمالیاتی پہلو ہے ۔ دوسری طرف اس کے جلالی پہلو کی یہ کیفیت ہو کہ وہ دنیا میں حق کے سوا ہر شے کو جلا کر رکھ دے۔

مقصدے از آسماں بالاترے
دلربائے دلستانے دلبرے

وہ مقصد جو اپنی عظمت اور رفعت میں آسمان سے بھی زیادہ بلند و بالا ہو ۔ جو انسان کو مادہ کی چار دیواری سے اوپر لے جائے ۔ اور وہ طبقاً عن طبق زندگی کے ارتقائی مراحل طے کرتا شرفِ انسانیت کی معراجِ کمال تک پہنچ جائے ۔ لیکن اس میں صرف حرکت اور حرارت ہی نہ ہو ۔ بلکہ حسین اور دلکش بھی ایسی ہو کہ وہ ہر دیکھنے والے کی نگاہوں میں محبوب بنتا چلا جائے ۔ مگر ایسا محبوب نہیں جس میں صرف لطافت و نزاکت ہی ہو۔

اقبال اور قرآن

(از پرویز) علامہ اقبال کے قرآنی پیغام سے متعلق محترم پرویز صاحب کے انقلاب آفریں مقالات کا مجموعہ۔

قیمت دو روپے

عورت کا قرآن

(۲۷)

(۸) متعدد عورتوں سے نکاح

"قرآن مجید نے" دو دو، تین تین، چار چار، کہہ کر بظاہر" مرد" کو اجازت دی ہے کہ وہ بیک وقت چار بیویاں کر یا رکھ سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ ایک زمانے میں بیویاں نہیں کی جا سکتیں۔ عام مروجہ خیال یہی ہے مگر بعض "منکرین" حضرات نے تو اس سے بھی زیادہ بیویاں کرنے کا جواز ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ یعنی کسی نے دو، تین، چار کو جوڑ کر نو بنا دیا ہے (۲ × ۳ × ۴ = ۹) اور بعضوں نے جو ان سے بھی زیادہ "علم اور عقل" رکھتے تھے انہوں نے کل اعداد کو جوڑ کر اٹھارہ[1] نمبر تک پہنچا دیا۔ یعنی :۔

دو دو — یعنی — چار ۴
تین تین — یعنی — چھ ۶
چار چار — یعنی — آٹھ ۸

میزان اٹھارہ

یہ انتہائی بالغ نظری کا ثبوت ہے اور بالغ نظری کی انتہا یہ ہے کہ انسان کو کچھ نہ نظر آئے۔ لہٰذا یہ مجتہدین ناقابلِ ذکر اور ناقابلِ اعتنا ہیں۔ بہرحال تعدد کے ساتھ ساتھ یہ بھی لازمی شرط لگا دی گئی ہے کہ اگر ایک بیوی سے زیادہ کرو تو ان بیویوں میں "مساویانہ برتاؤ" رکھو اور "عدل و انصاف" کے ساتھ یکساں طور سے سب کے حقوق پورا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ کسی ایک کی طرف جھک جاؤ اور بقیہ کو کس مپرسی کے عالم میں بے بس چھوڑ دو۔ اگر اس کا ذرہ سا بھی احتمال اور اندیشہ ہو کہ تم کسی سبب سے بھی ان عورتوں میں باہم "عدل" نہ کر سکو گے تو پھر قطعاً یہی مناسب ہے کہ "ایک ہی نکاح کرو" اور "ایک ہی عورت" کے ساتھ گزران کرو۔ اسی صورت میں اس کا زیادہ قرینہ اندازا اور موقع ہے کہ تم خدا کے حکم کی خلاف ورزی نہ کر سکو گے کیونکہ تمہاری جبلی فطرت ہی ایسی بنائی گئی ہے کہ تم سے عورتوں کے معاملے میں قرار واقعی عدل نہ ہو سکے گا۔

یہ مضمون سورہ نساء کے پہلے اور انیسویں رکوع کی دونوں آیتوں کو ملا کر مترتب ہوتا ہے۔ تعدد ازدواج کے سلسلے میں ان دونوں آیتوں سے، عورتیں زیادہ اور کچھ مرد بھی دو طرح کا مفہوم متعین کرتے ہیں۔

ایک طبقے کا کہنا ہے کہ جب مردانہ فطرت کے اظہار والی آیت نازل ہوئی تو پہلے رکوع والی آیت جس میں چار تک نکاح کی اجازت دی گئی تھی منسوخ ہو گئی۔ لہٰذا ازروئے قرآن "مرد" کو صرف ایک ہی شادی کرنی چاہیئے۔ یہ وہ لوگ کہتے ہیں جو یہ تسلیم کرتے ہیں کہ "قرآن مجید" میں منسوخ آیتیں بھی ہیں۔ حالانکہ یہ عقیدہ کہ قرآن میں منسوخ آیتیں بھی موجود ہیں، یعنی وہ آیتیں جو محض بیکار ہیں بجائے خود غلط ہے۔ "تنسیخ" کے معنی "تردید" کے ہیں۔ یعنی پہلے ایک بات کہی جائے پھر اس کو غلط کر کے یا بتا کے دوسری بات کہی جائے۔ بھلا یہ "انسان" سے تو ممکن ہے کہ پہلے غلط کہے پھر اس کی تردید کرے، لیکن یہ "خدا" سے کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنے قول کی خود تردید کرے جبکہ وہ کوئی غلط بات نہیں کہتا اور کہہ ہی نہیں سکتا ہے؟ اس کی جو بات ہو گی وہ "حق" ہو گی، "اٹل ہو گی ہمیشہ کے لئے" ہو گی۔ لہٰذا انسانی معیار پر خدا کی بات کو جانچنا ہرگز مناسب نہیں ہے۔

وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَفِيظًا ۝ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا (نساء ۱۸)

"اللہ کی ساری باتیں سچی ہیں اور اللہ سے بڑھ کر کس کی بات سچی ہو گی؟"

نیز اگر واقعتاً یہ بات ہوتی کہ کوئی آیت اس میں ناسخ ہوتی اور کوئی منسوخ تو یہ لازمی بات تھی کہ دونوں آیتوں میں تضاد ہوتا۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ کوئی آیت منسوخ نہیں ہے سورہ نساء یعنی "عورت" ہی والی سورہ میں تو ہے کہ :۔

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ۝ (نساء ")

کیا پھر تم لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا اور کسی کی طرف سے نازل ہوا ہوتا تو تم کثرت سے اس میں اختلاف پاتے۔

یعنی یہ اللہ ہی کے کلام کی صفت ہے کہ اس کے اقوال میں "اختلاف" نہیں پایا جاتا۔ ورنہ اور کسی کا قول ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس میں کہیں پر فرق نہ پڑے۔ اور چونکہ قرآن کے اندر جو کچھ کلام ہے اس میں کوئی فرق اور کہیں پر اختلاف نہیں پایا جاتا۔ لہٰذا یہی ثبوت ہے اس بات کا کہ قرآن، خدا کا کلام ہے۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن مجید میں کہیں پر تضاد اور اختلاف نہیں ہے لہٰذا اس کی کسی آیت کو بھی منسوخ سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ اس کے سارے احکام قائم اور اس کی کل آیتیں باقی اور ہمیشہ کے لئے یکساں قابلِ عمل ہیں۔ ناسخ و منسوخ کے سلسلے میں مولانا اسلم جیراج پوری نے "معارف القرآن" جلد اوّل کے دیباچے میں لکھا ہے کہ :

مفسرین بالعموم قرآن میں نسخ کے قائل ہیں۔ چنانچہ بہت سی محکم آیتوں پر بھی نسخ کے احکام لگاتے چلے جاتے ہیں بلکہ جن لوگوں نے ناسخ و منسوخ پر کتابیں لکھی ہیں ان کی تو کوشش یہی معلوم ہوتی ہے کہ جس قدر ہو سکے نسخ دکھلائیں ان کے بیان کے مطابق نصف بلکہ اس سے بھی زیادہ احکامی آیات منسوخ ہیں۔

(صفحہ ۳۳)

بھلا کیا تماشا ہے کہ جس آیت میں خلافِ مرضی کوئی حکم دیکھا اور پایا اس آیت کو منسوخ کہہ کے جان چھڑا لی۔ قدما نے متفقہ طور پر اکیس آیتوں کو زیادہ سے زیادہ منسوخ قرار دیا تھا۔ علامہ سیوطیؒ نے "اتقان" میں ان سب کو نظم کر دیا ہے۔ آخری دور میں شاہ ولی اللہ صاحب نے "نسخ" کا ایک معیار قرار دے کر صرف پانچ آیتوں کو منسوخ تسلیم کیا۔ مگر ان کے روحانی شاگرد مولانا عبیداللہ سندھی نے اسی معیار پر ان پانچوں آیتوں کو بھی جانچ کر دکھایا۔ بتایا، اور ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید کی کوئی ایک آیت بھی منسوخ نہیں ہے۔ لہٰذا تنسیخ کا عقیدہ سراسر غلط ہے۔

دوسرے طبقہ کا خیال ہے کہ "مرد" کی فطری کمزوری یہ بتا دی گئی کہ تم "عدل" کر ہی نہیں سکتے اگرچہ تمہاری خواہش اور کوشش کتنی ہی کیوں نہ ہو۔ پھر جب یہ قطعی فیصلہ ہو گیا کہ "مرد" فطری طور پر "عدل" کرنے سے بالکل معذور و مجبور ہے تو ایک سے زیادہ بیوی کرنا خود قرآن کے خلاف کرنا ہے یا ہو گا۔ یہ خیال اگرچہ درست ہے مگر سو فی صدی درست نہیں کیونکہ تب تو یہ ماننا ہو گا کہ خدا نے خواہ مخواہ اور یونہی مہمل چار نکاح کا ذکر کیا۔ بھلا جب خود خالق جانتا ہے کہ مخلوق کو جس طرح حکم دیا جا رہا ہے اس طرح لاکھ کوشش کے باوجود وہ کر ہی نہیں سکتا تو پھر اسے ایسا حکم دینے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ جب خود خدا کو معلوم ہے کہ "مرد" عدل کر ہی نہیں سکتا تو اس نے یہ کیوں کہا کہ اگر "عدل" کر سکو تو چار بیوی تک کر سکتے ہو؟ آخر ایسی اجازت دینے کی ضرورت ہی کیا پیش آئی جس پر ارادے کے باوجود عمل کیا ہی نہیں جا سکتا؟ "مولوی" طبقے نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ "عدل" کا تعلق "دلی محبت و جذبات" سے ہے نہ کہ "ظاہری تعلقات" سے مطلب یہ ہے کہ معاملات اور ضروریاتِ زندگی میں ان بیویوں کے درمیان کوئی کمی و بیشی یا تخصیص و تفریق نہ کی جائے۔ البتہ میلانِ طبع، جذبۂ محبت اور دلی انسیت، بیک وقت ایک سے زیادہ کے ساتھ کوشش و ارادہ کے باوجود ناممکن ہے۔ اور سب کے ساتھ یکساں ہو ہی نہیں سکتی۔ اسی لئے یہ فرمایا گیا کہ ایک طرف ڈھل نہ جانا۔ ایک سے زیادہ عورت کے ساتھ، بیک وقت یکساں رجحان و میلانِ طبع ممکن ہی کیسے ہے جبکہ

مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِّن قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهِ (احزاب ۱)

اور اللہ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں دیئے ہیں۔

---

[1] بعض بزرگ اس سے بھی بہت آگے نکل گئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ نے تکرارِ اعداد سے ایک سڑک پر چلا دیا ہے۔ یعنی دو دو۔ تین تین۔ چار چار اس سے آگے تم خود حسبِ ضرورت چلتے جاؤ پانچ پانچ۔ چھ چھ۔ سات سات۔ آٹھ آٹھ الیٰ غیر نہایہ۔

قرآن و حدیث

(علامہ اسلم جیراجپوری مدظلہ العالی)

حدیث کی دینی عدم حجیت کی بحث آج سے کم و بیش پچیس سال پہلے ہم نے شروع کی تھی۔ اس سے پہلے بھی لوگوں نے یہ بحث چھیڑی تھی مگر وہ غیر علمی بنیادوں پر تھی۔ قائلین حدیث ہمارے مقابلہ کے لئے اٹھے اور انھوں نے مختلف صورتیں جواب کے لئے اختیار کیں۔ کئی اہل علم نے حدیث کی تدوین اور اس کی تاریخ پر کتابیں لکھ ڈالیں۔ ان کا خیال غالباً یہ تھا کہ حدیث کے حالات سے لوگ واقف ہو جائیں گے۔ تو ان کی عقیدت اس کے ساتھ پختہ ہو جائے گی۔ ان حضرات نے اپنی کتابوں میں حدیث کو دینی حجت ثابت کرنے پر بھی زور دیا۔ لیکن قرآن سے نہیں بلکہ اخبار و آثار اور بزرگان دین کے اقوال سے۔

بعض لوگوں نے یہ دکھانے کی کوشش کی کہ حدیثیں عہد نبوی ہی سے لکھی جاتی رہی ہیں۔ اس کے ثبوت کے لئے انھوں نے گوشہ گوشہ سے ایسی روایتیں تلاش کرکے جمع کرنی شروع کیں جو کبھی بھی قابل اعتنا نہیں سمجھی گئی تھیں۔ انھوں نے بعض صحیفے بھی برآمد کئے۔ تعجب ہے کہ کیا ان لوگوں کی نگاہوں سے وہ حدیثیں نہیں گزریں جو منع کتابت حدیث سے تعلق رکھتی ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مجھ سے سوائے قرآن کے کچھ نہ لکھو۔ اور جو کچھ کسی نے لکھ لیا ہو تو اس کو مٹا ڈالے۔ تذکرۃ الحفاظ میں امام ذہبی نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ایک مجموعہ تقریباً پانچسو حدیثوں کا لکھ رکھا تھا۔ ایک رات اس کے متعلق نہایت متردد اور مضطرب ہوئے۔ آخر صبح کے وقت اس کو آگ میں جلا دیا۔ ابن سعد نے اپنی کتاب طبقات کی جلد خامس صفحہ ۱۴۰ میں لکھا ہے کہ فاروق اعظم کے عہد میں جب حدیثیں زیادہ ہو گئیں تو حکم دیا کہ لوگ ان کے پاس لائیں انھوں نے سب کو لے کر جلا دیا اور فرمایا کہ کیا اہل کتاب کی طرح تم بھی "مثناۃ" بنانی چاہتے ہو۔ حضرت عثمانؓ سے کوئی روایت بیان کرتا تو اس سے کہتے کہ مجھے اس سے معاف کرو۔ اور حضرت علیؓ کے سامنے جب کوئی حدیث بیان کرتا تو اس سے قسم لیتے۔ الغرض مرکز اسلام حدیث کی کتابت بلکہ اس کی روایت کے بھی ہمیشہ خلاف رہا۔ اور اس کو رد کرتا رہا۔ پھر یہ ان حضرات کی کیسی دیانت ہے کہ مرکز کے عمل کو نہیں دیکھتے۔ اور اس کے خلاف ان ضعیف روایات کو ہمارے سامنے سند میں پیش کرتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ اسکی توجیہ میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ یہ لکھنے والے اپنی یادداشت کے لئے لکھ رکھتے ہوں گے۔ یعنی ان کے لکھنے کی غرض ذاتی یادداشت تھی نہ کہ دینی تصنیف پھر اس سے استدلال لانے کے تو کچھ معنے نہ ہوئے۔ میں نے روایت اور کتابت حدیث کے بارے میں اپنے مضمون "حقیقت حدیث" نیز "علم حدیث"[1] میں مفصل بحث لکھ دی ہے۔ اور ثابت کر دیا ہے کہ یہ کام قرآن کی تعلیم کے خلاف اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کبار کے منشا کے منافی تھا۔ علمائے حدیث نے جو اس ممانعت کی توجیہ کی ہے کہ کتابت سے اس لئے روکا گیا کہ حدیث قرآن کے ساتھ مخلوط نہ ہو جائے۔ یہ توجیہ غلط ہے۔ اصل وجہ اس کی وہ ہے جو صحابہ کرامؓ نے کبھی کہ گزشتہ امتیں اپنے انبیاء کی حدیثیں لکھنے کی بدولت گمراہ ہو گئیں کیونکہ وہ انہی پر ٹوٹ پڑیں اور کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا۔ یہی بات قرآن سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ یہودیوں نے اپنے نبیوں کی روایتیں جمع کی تھیں۔ قرآن نے فرمایا وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ (۳/۲۴) ان کو دین میں دھوکا دیا ان باتوں نے جن کو وہ گھڑتے تھے۔ دوسرے مقام پر قرآن کہتا ہے نَبَذَ .... كِتَابَ اللَّهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيَاطِينُ عَلَىٰ مُلْكِ سُلَيْمَانَ (۲/۱۰۱-۱۰۲) انھوں نے کتاب اللہ کو پس پشت اس طرح ڈال دیا کہ گویا اس کو جانتے ہی نہیں۔ اور ان باتوں کی پیروی کی جن کو کذابین سلیمان کی حکومت کے بارے میں سنایا کرتے تھے۔

بعض لوگوں نے ہمارے جواب میں عربوں کی قوت حافظہ کے قصے جو تاریخ کی کتابوں میں ہیں۔ شد و مد کے ساتھ پیش کئے۔ اور ان کو حدیث کے اعتماد کی دلیل گرداننے کی کوشش کی۔ انھوں نے یہ نہ سوچا کہ یہ کچھ عربوں کی خصوصیت نہیں ہے۔ جن قوموں میں کتابت کا رواج نہیں ہوتا ان میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنی قومی روایات اور اشعار و قصص وغیرہ کو برزبان یاد رکھتے ہیں۔ پھر عربی ادب جاہلی کی تدوین کی تاریخ سے جو لوگ واقف ہیں جانتے ہیں کہ حفظ و اتقان میں عربوں کو کوئی مافوق البشری خصوصیت حاصل نہیں تھی۔ انھوں نے روایات، قصص اور اشعار میں بہت خلط ملط کیا ہے۔ اضافہ، الحاق، تحریف اور تبدیل کس چیز کے وہ مرتکب نہیں ہوئے ہیں۔ حافظہ کے جتنے عیوب ہیں وہ سب ان میں موجود تھے۔ اور ان کے ساتھ کذب و افترا بھی۔ یعنی خود اشعار گھڑ گھڑ کر اور قصے بنا کر دوسروں کے سر تھوپتے تھے۔ علاوہ بریں جن رواۃ حدیث کے لئے عرب کے حافظہ کی مدح سرائی ہوتی ہے وہ تو بالعموم عجم تھے۔ خاص کر ارباب صحاح ستہ میں سے تو ایک بھی عرب نہ تھا۔

ایک اہل حدیث مولانا صاحب نے میرے مضمون "علم حدیث" کے جواب میں ایک کتاب "برق اسلام" کے نام سے شائع کی۔ میرا یہ مضمون تاریخی ہے۔ مولانا صاحب موصوف نے میری لکھی ہوئی تمام حدیثوں کو محدثانہ طریقوں سے غلط ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ تعجب یہ ہے کہ خود بھی جو جواب لکھا ہے وہ روایتوں ہی سے لکھا ہے۔ غالباً ان کے خیال میں وہ سب صحیح ہیں رہا قرآن تو یہ ان کے مبحث سے خارج ہے۔

بعض حضرات نے یہ الزامی جواب دیا ہے کہ اگر تم روایت کو نہیں مانتے تو تمہارے پاس قرآن کا کیا ثبوت ہے؟ ان کو سمجھنا چاہیئے کہ قرآن اور حدیث میں تین نمایاں فرق ہیں۔

(۱) قرآن پر ہر مسلمان ایمان رکھتا ہے۔ اور حدیث پر کوئی مسلمان ایمان نہیں رکھتا۔

(۲) قرآن اترا اور امت اس پر ایمان لائی۔ اور تواتر کے ساتھ نسلاً بعد نسلٍ ایمان لاتی چلی جاتی ہے اس لئے قرآن ہم تک ایمانی تواتر کے ساتھ پہنچا ہے۔ اس کے لئے روایت کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

(۳) قرآن کی حفاظت کا اللہ نے خود ذمہ لیا ہے۔ اور اس کے ایک ایک کلمہ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اور حدیثیں راویوں کے تصرف میں ہیں۔

جماعت اہل حدیث کے ایک مولوی صاحب نے میرا جواب لکھتے ہوئے تعصب میں آ کر اپنے اخبار میں میری تکفیر کی کوشش کی۔ میں نے دار الحدیث رحمانیہ دہلی میں ان سے کہا کہ قرآن پر ہر مسلمان ایمان رکھتا ہے اور حدیث پر کسی مسلمان کا ایمان نہیں۔ لہذا اگر کوئی مسلمان قرآن اور حدیث میں فرق کرتا ہے تو آپ اس کو کافر کہنے کا حق نہیں رکھتے۔ اس لئے اپنے فتوے سے رجوع کیجئے۔ مگر میری بات ان کی سمجھ میں نہ آ سکی۔ کیونکہ حدیثیں ان کا دین بھی تھیں اور دنیا بھی۔ حامیان حدیث نے اس بحث کی وجہ سے ہم کو "منکرین حدیث" کا خطاب دیا۔ جس کے جواب میں طلوع اسلام نے ان کو منکرین قرآن[2] کہا اس اصول پر کہ ؎

کلوخ انداز را پاداش سنگست

مگر یہ متعصبانہ اور غیر علمی باتیں ہیں اور قرآن کے فرمان "لا تنابزوا بالالقاب" کے خلاف ہیں۔ نہ وہ منکر قرآن ہیں نہ ہم منکر حدیث۔ ہم حدیثوں کو مانتے ہیں۔ لیکن عام مسلمانوں کی طرح ان کو قرآن کے برابر نہیں سمجھتے۔ قرآن دین اور حدیثیں دینی تاریخ ہیں۔ دین کی رحل پر سوائے قرآن کریم کے کوئی کتاب نہیں رکھی جا سکتی۔ کیونکہ اس کتاب میں اللہ نے دین کو مکمل کرکے اعلان فرما دیا ہے۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ
وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (۵/۳)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ اور اپنی نعمت تمہارے اوپر پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔

اس تکمیل کے بعد اب دین میں کیا کمی رہ گئی جو روایتوں سے پوری کی جائے۔ اس لئے روایتوں کی جگہ دینی تاریخ کی الماری ہے۔ ان سے تاریخی اور علمی فائدے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ اور فقہ اسلامی یعنی قوانین اور ضوابط کے استنباط میں کام لیا جا سکتا ہے۔ حدیثوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، اعمال و احوال وغیرہ بیان کئے گئے ہیں۔ اور اسی کا نام تاریخ ہے۔ بے شک قرآن کے احکام مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ پر رسول اللہ علیہ وسلم نے جو عمل کرکے دکھا دیا اور امت کو سکھا دیا۔ اور جو سلسلہ بسلسلہ متواتر چلا آ رہا ہے۔ وہ یقینی اور دینی ہے کیونکہ تواتر یقینیات

---

[1] یہ دونوں مضامین متعدد جرائد میں بار بار شائع ہو چکے ہیں۔ اور ہمارے دینی علوم میں بھی ہیں جو میرے چند مضامین کا مجموعہ ہے۔ نیز ادارہ طلوع اسلام کی طرف سے شائع شدہ کتاب "مقام حدیث" جلد اول میں بھی۔ (طلوع اسلام)

[2] ہاں! طلوع اسلام میں ایک مرتبہ ایسا لکھا گیا تھا۔ (طلوع اسلام)

کے اقسام میں داخل ہے[1]۔ اسی کے بارے میں قرآن نے کہا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات میں اچھا نمونہ ہے

اسوہ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن کے احکام پر عملی نمونہ۔ لوگوں نے بعد میں اس کے لئے سنت کا لفظ استعمال کرنا شروع کیا جس کے معنی طریقہ کے ہیں پھر اس طریقہ میں تمام چیزیں داخل کرلیں اور سنت کے معنے حدیث کے لئے۔ اور حدیث پر عمل کرنے کو رسول کی اطاعت سمجھنے لگے۔ حالانکہ حدیثیں رسول نہیں ہیں۔ رسول پر ہمارا ایمان ہے۔ اور حدیثوں پر ایمان تو کیا یقین بھی نہیں ہے[1]۔

آج تو مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ وہ قرآن و حدیث، فقہ بلکہ ملفوظات بزرگان کو بھی دین سمجھتے ہیں۔ لیکن اللہ نے تو صرف اپنی ہی کتاب کو دین کہا ہے۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جابجا ہدایت فرمائی ہے

اِتَّبِعْ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ

جو وحی تیرے رب کی طرف سے تجھ پر اتری ہے اسی کی پیروی کر

اور یہ بھی تصریح فرمادی کہ وہ وحی قرآن ہے

وَأُوحِيَ إِلَيَّ هٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنْذِرَكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ

اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے میں تم کو آگاہ کردوں اور ان لوگوں کو بھی جن کو یہ پہونچے۔

پھر آپ کی زبان سے اعلان کرایا۔

قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ مِنْ رَّبِّي

کہدے کہ میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو وحی میرے پاس میرے رب کی طرف سے اترتی ہے۔

اور مسلمانوں کو بھی یہی حکم دیا۔

اِتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ

اسی کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف اتارا گیا ہے۔ اور دوسرے مولاؤں کے پیچھے نہ چلو۔

اس لئے یہ امر بالکل بدیہی ہے کہ قرآن ہی امت اسلامیہ کی دینی کتاب ہے۔ جس کی پہلی آیت سورہ فاتحہ کے بعد ہے ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ یہ کتاب ہے جس میں کسی قسم کا شک نہیں اور جس کی صفت ہے إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ حقیقت یہ ہے کہ قرآن سیدھی راہ پر چلاتا ہے۔ حدیث کے متعلق جو تحقیق اور تنقید سلف نے کی یا جو کچھ آج ہو رہی ہے ہم اس کے خلاف نہیں ہیں۔ مگر ہمارے نزدیک یہ علمی اور تاریخی کوشش ہے۔ اس کو دینی تحقیق سمجھنا صحیح نہیں ہے کیونکہ دین تو قرآن میں مکمل ہو چکا۔ ان روایات کو دین قرار دینے سے بڑی خرابی یہ ہوئی کہ ملت فرقوں میں بٹ گئی اور اسلام کی وحدت کا شیرازہ ٹوٹ گیا۔ اگر دین کا مدار صرف قرآن پر رہتا تو ایسا نہ ہو سکتا۔ میں جانتا ہوں آیات کے سمجھنے میں بھی اختلافات ہو سکتے ہیں لیکن یہ اختلافات صرف فہم کے ہوں گے عبارات کے نہ ہوں گے۔ اس لئے غور و فکر سے رفع ہو جائیں گے۔ اور فرقہ بندی نہ ہو سکیگی۔ کیونکہ قرآن اپنی تفسیر آپ ہے۔ سورہ ہود کی پہلی آیت ہے

كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ

عظیم الشان کتاب جس کی آیتیں محکم بنائی گئیں پھر اللہ کی طرف سے جو حکمت اور خبر رکھنے والا ہے۔ ان کی تفصیل کی گئی۔

اس لئے قرآن اپنی آیات کے حقیقی اور صحیح مفہوم متعین کرا سکتا ہے۔

ان کے علاوہ بعض ایسے صاحبان نے ہمارے جواب میں رسالے اور تحریریں شائع کیں جو جمود اور تقلید کی تاریکی میں ہیں اور جن کی آنکھیں علم اور دین کی روشنی میں ابھی تک نہیں کھلیں ہیں

نقطۂ بحث جہاں تک میں نے ان حضرات کے جوابوں پر نظر ڈالی ہے مجھے یہ معلوم ہوا کہ اصل مرکز بحث کو انھوں نے سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ اور محض حدیث کی عدم حجیت کا نام سن کر گھبرا گئے اور چیخ پکار کرنے لگے۔ اس لئے اپنے دعوے کی مزید توضیح مناسب سمجھتا ہوں۔

(۱) میرا دعوے صرف یہ ہے کہ حدیث غیر یقینی ہے۔ اس لئے جواب لکھنے والوں کا فرض بھی صرف یہی ہے کہ وہ اس کو یقینی ثابت کریں۔

(۲) میری یہ بحث علمی ہے مذہبی نہیں ہے جس میں تعصب کو راہ دی جائے یعنی علمی حیثیت سے میں دیکھتا ہوں کہ حدیثوں پر یقین کرنے کی صورت نہیں ہے۔ اور وہ تمامتر مظنون ہیں۔ بیشک متواتر حدیث یقینی ہو سکتی ہے۔ لیکن ایسی ایک بھی حدیث موجود نہیں ہے۔ بعض محدثین نے جن دو چار حدیثوں کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے در اصل وہ مشہور روایتیں ہیں۔ متواتر کی تعریف ان پر صادق نہیں آتی۔

ہماری یہ بحث نظری اور قیاسی نہیں ہے بلکہ بدیہیات پر مبنی ہے۔ اور اس کے لئے بڑے بڑے ائمہ حدیث کا طرز عمل ہی کھلا ہوا ثبوت ہے۔ مدینہ کے سب سے بڑے حدیث کے امام حضرت مالک بن انس تھے ان کی کتاب موطا اسلام میں سب سے پہلی حدیث و فقہ کی تصنیف ہے۔ جس کو انھوں نے سنہ ۱۳۹ھ میں لکھا۔ چالیس سال تک اس کو پڑھاتے رہے اور سنہ ۱۷۹ھ میں وفات پائی۔ اس کے شارح امام زرقانی لکھتے ہیں کہ جب امام موصوف نے اس کو مدون کیا تھا۔ اس میں چار ہزار حدیثیں تھیں۔ لیکن سال بہ سال وہ ان میں سے کاٹ چھانٹ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ انکی آخری عمر کے نسخوں میں صرف ایک ہزار رہ گئیں۔ معلوم نہیں کہ اگر وہ زندہ رہتے تو ان میں سے بھی کتنی حدیثوں کی کمی کر دیتے۔ کیونکہ حدیثوں کو وہ ظنی ہی سمجھتے تھے۔ اور جب کوئی پوچھتا تو قرآن کی یہ آیت پڑھتے تھے۔

إِنْ نَّظُنُّ إِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِينَ۔

ہم تو صرف گمان رکھتے ہیں۔ ہم کو یقین نہیں ہے

اسی طرح صحیح بخاری جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ مانی جاتی ہے۔ اس کے مقدمہ میں ہے کہ امام بخاری نے جب یہ کتاب لکھنی شروع کی تو چھ لاکھ حدیثوں میں سے جو ان کے پاس تھیں ۷۲۷۵ حدیثوں کو درج کیا۔ ان میں مکررات بھی شامل ہیں۔ اگر وہ نکال دی جائیں تو حافظ ابن حجر شارح بخاری کے بیان کے مطابق تعلیقات وغیرہ کو چھوڑ کر موصول السند احادیث کی تعداد اس میں ۲۷۶۲ رہ جاتی ہے۔ اب یہاں کئی باتیں غور کے قابل ہیں۔

(۱) جس ذخیرہ کا ۹۹ فیصدی قابل اعتبار نہ سمجھا گیا۔ اس کے ایک فیصدی پر کیوں کر اعتبار کیا جا سکتا ہے۔

(۲) ان لاکھوں حدیثوں کے غیر معتبر ہونے سے کس قدر بے شمار ان کے رواۃ خود بخود غیر معتبر قرار پا گئے۔

(۳) یہ ایک فیصدی کا انتخاب امام بخاری نے خود اپنے قیاس سے کیا۔ اور قیاس تو کسی بڑے سے بڑے عالم کا بھی یقینی نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس کتاب سے متعدد حدیثیں لوگوں نے ایسی نکال ہیں جو بداہتاً صحیح نہیں ہیں۔ مثلاً کتاب الانبیاء میں انھوں نے یہ حدیث درج کی ہے کہ حضرت سلیمان نے اس امید میں کہ ان کی ہر ہر بیوی ایک ایک مجاہد فرزند جنے گی ایک رات میں نوّے بیویوں پر گشت کیا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ راتیں اس زمانہ میں بھی کم و بیش بارہ ہی گھنٹوں کی ہوتی تھیں اگر ان میں سے نبی کی عبادت اور ضروریات کے لئے تین گھنٹے نکال دیئے جائیں تو نو گھنٹے رہ جاتے ہیں۔ نو گھنٹوں میں نوّے یعنی فی گھنٹہ دس بیویوں پر بغرض تولید فرزند مجاہد گشت لگانا انسانی فطرت کے خلاف بلکہ ناممکن ہے۔

اسی کتاب الانبیاء میں اس طرح کی اور بھی حدیثیں ہیں جو صحت سے بعید ہیں۔ مثلاً حضرت موسیٰ نے ملک الموت کو جب وہ ان کی جان نکالنے کیلئے آیا۔ ایسا تھپڑ مارا کہ واپس لوٹ گیا۔ یا یہ کہ اللہ نے حضرت آدم کو ساٹھ گز کا پیدا کیا۔ جس کی شرح میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ امم قدیمہ کے اخبار و آثار سے انسان کے اتنے لمبے قد کا ثبوت نہیں ملا۔ اس لئے اب تک اس کی کوئی توجیہ میری سمجھ میں نہیں آسکی۔

ایک بار اسی بحث کے سلسلہ میں ایک مولانا صاحب نے فرمایا کہ قرآن میں بھی بعض باتیں ایسی ہیں جو ہماری عقل میں نہیں آتیں۔ میں نے کہا کہ قرآن پر ہمارا ایمان ہے اس لئے اس پر تنقید نہیں کی جا سکتی

---

[1] تواتر بھی ہمارا یقینی نہیں ہو سکتا۔ مثلاً مسلمانوں میں طلاق دینے کا جو طریقہ رائج ہے وہ ان میں متواتر چلا آرہا ہے (یعنی تین طلاق خواہ وہ ایک نشست میں ہوں یا تین الگ الگ مجلس میں وقفہ کے بعد) لیکن یہ طریقہ قرآن کے بتائے ہوئے طریقہ کے صریحاً خلاف ہے۔ لہٰذا اس کا تواتر سے مسلمانوں میں مروج چلے آنا اس کی دینی صحت کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اور مثالیں بھی پیش کی جا سکتی ہیں۔ لہٰذا تواتر بھی وہی یقینی ہے جو قرآن کے مطابق ہو (طلوع اسلام)

بخلاف اس کے حدیثوں پر ایمان نہیں ہے۔ اور وہ ہمیشہ سے زیر تنقید چلی آتی ہیں۔ علاوہ بریں آیات محکمات کی جو اصل کتاب ہیں کوئی بات ایسی نہیں جو عقل میں نہ آتی ہو۔ بے شک معجزات کی حقیقت اللہ نے قصداً ہماری نگاہوں سے اوجھل رکھی ہے۔ ان پر ہمارا ایمان لانا کافی ہے۔ کہنے لگے کہ اس کو بھی حضرت سلیمان کا معجزہ سمجھ لینا چاہیئے۔ میں نے کہا کہ شاید معجزہ کی تعریف آپ کو معلوم نہیں اس کا اظہار علی الاعلان ہوتا ہے۔ میاں بیوی کے تعلقات معجزہ دکھلانے کا مقام نہیں ہیں۔

ائمہ حدیث کے نزدیک جو روایت ثقہ راویوں کے سلسلہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع ہو صحیح کہی جاتی ہے۔ لیکن یہ تو ایک اصطلاح ہوئی۔ حقیقی صحیح تو وہ روایت ہو سکتی ہے کہ راوی سلسلہ اسناد سے جس قول یا عمل کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مقدس تک پہونچاتا ہے۔ وہ نسبت یقینی ہو۔ راوی اگرچہ سب کے سب ثقہ ہوں۔ پھر بھی روایت مشتبہ یعنی غیر یقینی رہتی ہے۔ کیونکہ ثقہ کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اس سے جھوٹ کی قوت سلب ہو گئی اور خطا و نسیان اور غلطی و غلط فہمی سے بھی بری ہے۔ ثقہ بھی جھوٹ بول سکتے ہیں اور غلطی کر سکتے ہیں۔ اس لئے ان کا بیان بھی خبر ہے یعنی صدق اور کذب دونوں کا احتمال رکھتا ہے۔ اور بلا ثبوت کوئی پہلو یقینی نہیں ہو سکتا۔ تعجب یہ ہے کہ محدثین ثقہ راویوں کے سلسلۂ اسناد کو روایت کا ثبوت گردانتے ہیں حالانکہ سلسلۂ اسناد کی ہر کڑی بجائے خود ایک دعوےٰ ہے جو ثبوت کا محتاج ہے۔ پھر یہ بے ثبوت دعاوی حدیث کی صحت کا ثبوت کیسے ہو سکتے ہیں۔ مثلاً صحیح بخاری کی پہلی حدیث کو لیجئے۔

حدثنا الحمیدی قال حدثنا سفیان قال حدثنا یحییٰ بن سعید الانصاری قال اخبرنی محمد بن ابراھیم التیمی انہ سمع علقمۃ بن وقاص اللیثی یقول سمعت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ علی المنبر یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انما الاعمال بالنیات الخ

اس میں کتنے دعوے ہیں امام بخاری کہتے ہیں۔

(۱) ہم سے حمیدی نے کہا

(۲) حمیدی سے سفیان نے کہا

(۳) سفیان سے یحییٰ بن سعید نے کہا

(۴) یحییٰ کو ابراہیم نے خبر دی

(۵) ابراہیم نے علقمہ سے سنا

(۶) علقمہ نے عمر بن خطاب سے سنا

کیا ان دعاوی میں سے کسی کا ثبوت ہے۔ ہر ایک کے لئے اصولاً دو گواہ عادل درکار ہیں۔ جو بیان کریں کہ ہمارے سامنے فلاں سے فلاں نے یہ روایت انہی لفظوں میں بیان کی۔ خلفاء راشدین میں سے حضرات شیخین کسی صحابی سے جو ان کے سامنے روایت بیان کرتا شہادت طلب کرتے تھے۔ مگر عام طور پر روایتیں بے شہادت اور بے ثبوت چلتی رہیں۔ زیادہ تر راویوں کی ثقاہت پر ان کا مدار رہا۔ لیکن راویوں کا ثقہ ہونا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ میں مانتا ہوں کہ ان کی ثقاہت سے روایت کا وزن بڑھ جاتا ہے لیکن وہ ظنی ہی رہتی ہے یعنی غالباً صحیح ہوگی۔ اور جس روایت کے راوی ضعیف ہوتے ہیں وہ بھی ظنی ہی رہتی ہے مگر بے وزن یعنی غالباً موضوع ہوگی۔ محدثین نے جن روایات کو قطعی موضوع قرار دے کر ان کے مجموعے مدون کر دیئے ہیں وہ بھی ان کا تحکم ہے۔ اور یہ بات وہ ہے جس کو خود انھوں نے تسلیم کیا ہے۔ ملا علی قاری موضوعات کبیر کے صفحہ ۱۰ میں لکھتے ہیں۔

> یہ (حدیثوں کی صحت) تمام تر وہ ہے جو محدثین کو اسناد پر نظر ڈالنے سے سمجھ میں آتی ہے ورنہ یقین کی کوئی صورت نہیں کیونکہ عقل جائز رکھتی ہے کہ جس کو انھوں نے صحیح کہا ہے وہ نفس الامر میں موضوع ہو اور جس کو موضوع کہا ہے وہ صحیح ہو۔

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ جو حدیث قرآن کے مطابق ہو وہ صحیح ہے اور اس مضمون کی ایک روایت بھی وہ سناتے ہیں مگر صحیح تو صرف وہ روایت ہو سکتی ہے کہ اس کی نسبت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہے۔ وہ یقینی ہو۔ قرآن کے مطابق تو کسی راوی کا قول بھی ہو سکتا ہے۔

الغرض حدیثیں یقینی نہیں بلکہ ظنی اور تخمینی ہیں۔ اور آج کوئی صورت ہمارے پاس نہیں ہے کہ ہم ان کے یقینی ہونے کا ثبوت بہم پہونچا سکیں۔ اور قرآن کہتا ہے۔

اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا

ظن حق کی جگہ کچھ بھی کام نہیں دیتا ہے۔

اندرون ہند

ہندوستان کی سیکولر گورنمنٹ میں مسلمانوں کی ساتھ وہاں کے اکثریتی فرقہ کا کیا سلوک ہے؟ اس کے متعلق آئے دن اخبارات میں خبریں آتی رہتی ہیں۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں نہ ان کی جان و مال محفوظ ہے۔ نہ ان کی ثقافت اور مذہب۔ یہ سب کچھ نہرو گورنمنٹ کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے۔ جو دنیا میں ہندوستان کی امن پسندی کا ڈھنڈورا پیٹتے پھرتے ہیں۔ مگر ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ وہ ملک جہاں ایک گائے ذبح کر دینے پر ہنگامے بپا ہو جاتے ہوں۔ وہاں انسانی خون کی اس قدر ارزانی افسوسناک ہے۔ یہ مرقع ان لوگوں کے لئے بھی وجہ دیدہ کشائی ہو سکتا ہے جو بات بے بات یہ کہتے رہتے ہیں کہ مسلمانوں نے ہندوستان سے علیحدہ ہو کر بہت بڑی غلطی کی۔ انھیں الگ پاکستان نہیں بنانا چاہیئے تھا۔ وہ ذرا دیکھیں کہ آج ہندوستان میں مسلمانوں کا کیا حشر ہو رہا ہے۔

صوبہ بہار میں مسلمان عید نہیں منا سکے

معاصر الجمعیۃ اپنی اشاعت مؤرخہ ۲۷ اگست ۱۹۵۵ء کے اداریہ میں "مسلمانان بہار کی بپتا" کے عنوان سے لکھتا ہے:۔

"اس سال عید الاضحیٰ کے موقع پر بہار کے بہت سے مقامات میں مسلمانوں کو مشکلات سے دو چار ہونا پڑا اور وہ عید کا تہوار آزادی اور خوشی کے ساتھ نہ منا سکے۔ قربانی کے سلسلہ میں وہاں کے مسلمانوں پر پولیس نے بہت زیادتی کی۔ ہو سکتا ہے کہ گائے کی قربانی کے سلسلہ میں حکام نے سخت قدم اٹھایا ہو۔ مگر ہمیں مستند ذرائع سے جو مطبوعہ اطلاعات موصول ہوئی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ پولیس نے ضرورت سے زیادہ مسلمانوں کو پریشان کیا۔ جس سے متاثر ہو کر وہاں کے مسلمانوں نے اس صورت حال پر غور کرنے کے لئے جلسے کئے اور حکومت کو اپنی بپتا سنائی۔ ہماری اطلاعات کا خلاصہ یہ ہے کہ اس سال اکثر مقامات پر ملٹری پولیس اور ہوم گارڈ کے دستوں نے پہرے دیئے جو صوبہ بہار کے لئے ایک نئی بات ہے۔ ادریا میں مسلمانوں نے نماز عید ادا نہیں کی۔ کئی اشخاص گرفتار کر کے ضمانت پر رہا کئے گئے، عوام پر امن رہے، صرف حکام کی وجہ سے خلفشار پیدا ہوا۔ کانگریسی حضرات بھی اس تماشہ کو دیکھتے رہے۔ اور ان میں سے کوئی شخص بھی مسلمانوں کی ہمدردی کے لئے نہ نکلا بستی میں پولیس پہلے سے متعین کر دی گئی۔ کچھ مسلمان گھر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ الیاس نام کے ایک شخص کو بری طرح پیٹا گیا۔ لطیف کی بیوی کو پولیس نے بندوق کے کندوں سے اس بری طرح پیٹا کہ وہ جانبر نہ ہو سکی اور شہید ہو گئی۔ گاؤں کے چھ سو مویشی دوسری جگہ بھیج دیئے گئے۔ ۵ مسلمانوں کو گرفتار کر کے ادریا بھیجدیا گیا۔ فارس گنج میں بھی مسلمان عید نہ منا سکے۔ بہت سے مسلمانوں کو عید سے ایک روز پہلے ہی گرفتار کر کے ادریا بھیجدیا گیا۔ اسی طرح لسمتیا۔ پوگھر بستی۔ دولو بنا، ڈومریا، ٹیا ٹولی، مرزا پور وغیرہ میں بھی یہی واقعات پیش آئے اور مسلمانوں کو سخت پریشان کیا گیا۔"

کاوا ضلع مظفر پور میں مسلمانوں کی اندھا دھند گرفتاریاں

معاصر الجمعیۃ دہلی مؤرخہ ۴ ستمبر ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں جمعیۃ علماء صوبہ بہار کی مفصل رپورٹ کا خلاصہ شائع کرتے ہوئے "کاوا ضلع مظفر پور کے واقعۂ بقر عید کی رپورٹ بھی بڑی دردناک تھی:" کے عنوان سے لکھتا ہے:۔

"پٹنہ (ڈاک سے) کاوا ڈیہہ تھانہ پانٹے پور ضلع مظفر پور میں پولیس نے جس طرح بقر عید کے دن مسلمانوں کو گرفتار کیا۔ اور گاؤں کے مکھیا۔ سرپنچ اور دو اور دوسرے مسلمانوں کو اب تک حدود تھانہ سے باہر جانے کا جو سخت آرڈر ہے۔ اس سے مسلمان وہاں بہت ڈرے ہوئے ہیں۔ اب بھی کچھ مسلمانوں کی ضمانت نہیں ہو سکی ہے۔ اور ذبح وغیرہ کے باوجود یہاں کے مسلمانوں کو کسی بھی جانور کی قربانی نہ کرنے کا حکم پولیس کی طرف دیا گیا۔ حالانکہ واقعہ یہ بتایا جاتا ہے کہ اس علاقہ میں مسلمان ہر سال قربانی کرتے چلے آئے ہیں۔"

کوٹہ کے فساد میں مسلمانوں کا ایک لاکھ ساٹھ ہزار روپے کا نقصان

فساد مقامی حکام کی مرضی سے ہوا

معاصر الجمعیۃ دہلی اپنی ۱۲ ستمبر ۱۹۵۵ء

میں جمعیۃ علمائے ہند کے وفد کی رپورٹ کا تذکرہ کرتے ہوئے کوٹہ کے فسادات کا یوں تذکرہ کیا ہے:۔

• جمعیۃ علمائے ہند کا جو وفد ۲ ستمبر کو کوٹہ گیا تھا۔ کل شام دہلی واپس پہنچ گیا۔ اس وفد میں حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب ناظم تنظیم جمعیۃ علمائے ہند اور مسٹر عزیز احمد شریک تھے۔ وفد نے چند روز کوٹہ میں قیام کر کے حالات کا جائزہ اور برباد شدہ دوکانوں کو دیکھا۔ جو تعداد میں تقریباً ۹۰ ہیں اور تمام اقلیتی فرقہ کی ہیں۔ مختلف مقامات پر مسلمانوں کے کچھ تانگے بھی شرپسندوں نے جلا ڈالے تھے جن کو وفد نے دیکھا۔

وفد کے لیڈر مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے نامہ نگار کو بتایا کہ ۳ و ۴ ستمبر کی درمیانی شب میں ایک ہندو لڑکے کے پراسرار قتل نے کوٹہ کے فرقہ پرست حلقوں میں کافی اشتعال پیدا کر دیا تھا۔ قاتل کا سراغ تو اب تک نہیں مل سکا ہے۔ لیکن اس موقعہ سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے لئے شرپسندوں نے اقلیت پر اس کا الزام رکھنے اور شہر میں اشتعال پھیلانے کی کوشش کی۔ یہ بتایا گیا ہے کہ مقتول لڑکا اپنی حرکتوں کے باعث کوٹہ میں کچھ نیک نام نہ تھا۔

۴ ستمبر کی صبح سے ہسپتال میں مقتول کی لاش تقریباً دوپہر تک کھلی رکھی رہی۔ پوسٹ مارٹم بہت تاخیر سے کیا گیا۔ عوام ہسپتال پہونچتے لاش کو دیکھتے اور مشتعل ہوتے رہے۔ پوسٹ مارٹم کے بعد کچھ لوگوں کے کہنے پر حکام نے لاش کا جلوس نکالنے کی اجازت دیدی۔ مصلحت وقت کا ذرا بھی خیال نہ کیا۔ جن راستوں سے جلوس نکالنے کی اجازت دی گئی تھی ان کو چھوڑ کر قصداً دوسرے راستوں سے جلوس لے جایا گیا۔ پولیس ساتھ گئی۔ لیکن حکام نے اس کو بھی روک تھام دکی۔ یہ جلوس قصداً ایسے راستوں سے گذرا جہاں مسلمانوں کی دوکانیں تھیں۔ تالے توڑنے اور بربادی مچانے کا سامان بھی جلوس کے ساتھ تھا۔ اور پولیس بھی ساتھ رہی۔ جلوس میں شریک غنڈوں نے بہت آزادی کے ساتھ مسلمانوں کی تمام دوکانوں کے تالے اور کواڑ توڑے، اور دوکانوں پر رکھے ہوئے سامان کو پورے اطمینان کے ساتھ برباد کیا۔ یہ ماتمی جلوس رنگ رلیاں مناتا اور بربادی مچاتا ہوا گزر گیا۔ تب حکام نے دفعہ ۱۴۴ نافذ کی اور اس کے بعد کچھ گرفتاریاں بھی کی گئیں لیکن کسی مجرم کو جرم کرتے وقت گرفتار نہیں کیا گیا۔ یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ شہر میں پھیلی ہوئی افواہوں کے باعث مسلمانوں نے پہلے ہی اپنی دوکانیں بند کر رکھی تھیں اور اپنے اپنے گھروں میں چلے گئے تھے۔ ۴ ستمبر کی رات سے کرفیو آرڈر کا نفاذ بھی ہو گیا اور اس کے بعد کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ اور حالات آہستہ آہستہ اعتدال پر آ گئے۔ اگرچہ اقلیت میں خوف و ہراس غیر معمولی ہے اور زبردست مالی بربادی کے باعث بعض گھرانے تو بالکل محتاج ہو کر رہ گئے ہیں۔ جمعیۃ علماء ہند کے وفد نے حکام کو توجہ دلائی کہ برباد شدگان کو امداد کے طور پر کچھ امداد دی جائے اور اقلیت کا خوف و ہراس دور کرنے کے لئے شریف اور صاف دماغ ہندو مسلمانوں کا اعتماد حاصل کیا جائے۔ وفد نے کوٹہ کانگریس کمیٹی کو بحالی امن و امان کے لئے متوجہ کیا۔ لیکن افسوس کہ کانگریس کمیٹی کے ذمہ داروں نے اس موقعہ پر پوری دلچسپی نہیں لی۔ برباد شدہ دوکانداروں نے اپنے اپنے مالی نقصان کی فہرستیں حکومت کے سامنے پیش کر دی ہیں۔ ان فہرستوں کے مطابق مالی نقصان کی میزان ایک لاکھ ساٹھ ہزار تک پہنچتی ہے۔ جمعیۃ علمائے ہند کے وفد نے مسلمانوں کو پرزور تلقین کی ہے کہ وہ اس مصیبت کے موقعہ پر پورے صبر و سکون سے کام لیں۔ پرامن رہیں۔ اور خدا کے بھروسے پر اپنے اندر ہمت و جرأت پیدا کریں۔ اور خوف و ہراس کو دلوں سے نکال دیں۔

پیپسو میں مسلمانوں کی آخری مسجد کو بھی بند کیا جا رہا ہے

الجمعیۃ مورخہ ۸ ستمبر ۱۹۵۵ء — ناظم اعلیٰ

جمعیۃ علمائے ہند کا ایک خط شائع ہوا ہے جس کا مضمون حسب ذیل ہے۔

• سال گزشتہ جب میں پٹیالہ گیا تھا۔ تو میں نے وہاں کے بھائیوں کی خواہش پر پیپسو اسٹیٹ کے چیف منسٹر آنجہانی کرنل رگھبیر سنگھ جی کو توجہ دلائی تھی کہ مسلمانان پٹیالہ کی عبادت کے لئے کم از کم ایک مسجد کھول دی جائے۔ تاکہ وہ اس میں آسانی کے ساتھ عبادت کر سکیں چنانچہ چوبیس گھنٹہ کے اندر مسجد دو منزلہ واقع شاہ نشین کھول کر نمازیوں کے حوالہ کر دی گئی۔ اب تک مسلمان اس میں کافی تعداد میں پانچوں وقت اپنے رب العزت کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عبادت کرتے ہیں۔ لیکن اب جبکہ ملک میں عموماً اور پٹیالہ میں خصوصاً امن و امان کی فضا پیدا ہو چکی ہے۔ اور وہاں کے بچے کھچے مسلمان عافیت کے ساتھ زندگی گذار رہے ہیں۔ اس وقت حکومت پیپسو نے سنٹرل لائبریری کے لئے مسلمانوں کی بہت بڑی عبادت گاہ کو منتخب کیا ہے۔ اور اس کے احاطہ میں لائبریری مذکورہ کی عمارت کی تعمیر کا کام شروع کرا دیا ہے۔ عیدگاہ مذکور کے بالکل سامنے ماسٹر تارا سنگھ — مہاتما گاندھی کی یادگار ہے۔ جس میں ان کا مجسمہ بھی نصب ہے۔ یہ بات اور بھی قابل افسوس ہے کہ اس عظیم المرتبت شخصیت کی یادگار کے سامنے اس کے پرستاروں کے ہاتھوں ان اصولوں کا خون ہو رہا ہے جس کی خاطر انہوں نے اپنی جان عزیز تک قربان کر دی۔

اس سلسلہ میں مسلمانان پٹیالہ نے متعلقہ حکام کے علاوہ چیف منسٹر صاحب گورنمنٹ پیپسو اور بھارت کے ہوم منسٹر و ایجوکیشن منسٹر کی خدمت میں درخواستیں روانہ کی ہیں۔ جن پر ہنوز ظاہر کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ جس سے وہاں کے مسلمانوں میں مایوسی اور ہراس دوبارہ پیدا ہو رہا ہے۔ میں پیپسو کے چیف منسٹر شری برج بھان جی اور بھارت کے وزیر خارجہ و وزیر تعلیم حضرت مولانا آزاد سے پرزور اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس طرف خصوصی توجہ فرما کر تعمیر مذکور کو فوراً روک کر مسلمانان پٹیالہ و ہند کے ہراس اور مایوسی کو دور فرمائیں۔

لکھنؤ ریڈیو اسٹیشن سے اردو میں خبریں نشر کرنے کا مطالبہ مسترد کر دیا گیا

معاصر الجمعیۃ دہلی مورخہ

۸ ستمبر ۱۹۵۵ء میں پہلے صفحہ پر مندرجہ بالا عنوان سے ایک خبر شائع ہوئی ہے جس کی دوسری ذیلی سرخیاں یہ ہیں: دوسری علاقائی زبانوں کی نشریات کا سوال حکومت کے زیر غور ہے" راج سبھا میں وزیر اطلاعات ڈاکٹر کیسکر کا بیان: حیدر آباد اور کشمیر اسٹیشنوں سے اردو میں خبریں نشر ہوتی ہیں: اس کے بعد یہ خبر دی گئی ہے۔ جو درج ذیل ہے۔

• وزیر اطلاعات ڈاکٹر کیسکر نے آج راج سبھا میں مولانا محمد میاں فاروقی کی اس دلیل کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ لکھنؤ ریڈیو سے بھی اردو خبروں کا ایک بلیٹن شائع ہونا چاہیئے۔ ڈاکٹر کیسکر نے مولانا موصوف کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ اردو خبروں کے بلیٹن آل انڈیا ریڈیو کے حیدر آباد اور کشمیر ریڈیو اسٹیشنوں سے براڈ کاسٹ ہوتے ہیں۔ اس سے قبل ڈاکٹر کیسکر کے پارلیمنٹری سیکرٹری نے مسٹر راج گوپالن سے کہا کہ علاقائی زبانوں میں علاقائی بلیٹن نشر کرنے کی تجویز زیر غور ہے۔ ڈاکٹر کیسکر نے کہا کہ اب تک ریڈیو خبریں خبر رساں ایجنسیوں کے ذریعہ حاصل کرتا ہے۔ لیکن اب نامہ نگاروں کے ذریعہ بھی خبریں حاصل کی جائیں گی۔

باب المراسلات

مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ

طلوع اسلام بابت ۲۳ جولائی ۱۹۵۵ء کے باب المراسلات میں ایک صاحب کے استفسار کے جواب میں ہم نے مختصر الفاظ میں یہ بتایا تھا کہ قرآن میں جن غلام اور لونڈیوں کا ذکر ہے۔ وہ وہی تھیں جو اس زمانہ میں عربوں کے معاشرہ میں موجود تھیں کیونکہ اس کے بعد قرآن نے غلامی کا دروازہ ہی بند کر دیا۔

(۲) ہمارا خیال تھا کہ اس مختصر سی وضاحت سے بات صاف ہو گئی ہو گی۔ لیکن اس کے بعد ہمیں ایک خط انہیں مستفسر کی طرف سے اور ایک خط ایک اور صاحب کی طرف سے موصول ہوا جس سے معلوم ہوا کہ بات مزید تشریح کی متقاضی ہے یہ سطور اسی تشریح کی غرض سے سپرد قلم کی جا رہی ہیں۔

(۳) سمجھنے کی خاطر اس سوال کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ یعنی (۱) ظہور اسلام سے پہلے کی حالت (۲) ظہور اسلام سے لیکر اس وقت تک کی حالت جب قرآن میں جنگ کے قیدیوں کے متعلق یہ حکم نازل ہوا کہ انہیں احساناً یا فدیہ لیکر چھوڑ دینا ہو گا۔ اور اس طرح قرآن نے غلامی کے دروازہ کو بند کر دیا اور (۳) اس حکم کے بعد کی صورت۔

(۴) جہاں تک غلامی کے سوال کا ہمارے موجودہ معاشرے سے تعلق ہے۔ اس سوال کی کوئی اہمیت ہی باقی نہیں۔ قرآن نے غلامی کے دروازہ کو بند کر دیا۔ اس لئے غلام اور لونڈیوں سے متعلق احکام کی آج کوئی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ اب جنگ کے کسی قیدی کو نہ غلام بنایا جائے گا۔ نہ ان کی عورتوں کو لونڈیاں۔ انہیں اول و آخر رہا کرنا ہو گا۔ اور جب تک وہ رہا نہ کئے جائیں جنگی قیدیوں کی طرح رہیں گے (یہ ہے شق (۳) کی بابت)

(۵) جہاں تک زمانہ قبل از اسلام کا تعلق ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ عربوں کے ہاں غلام بھی تھے۔ اور لونڈیاں بھی وہ ان لونڈیوں سے بلا نکاح جنسی اختلاط رکھتے تھے۔ اور یہ رسم ان کے معاشرہ میں معروف (RECOGNISED) تھی جب یہ لوگ مسلمان ہوئے تو ان کے گھروں میں ان کی بیویوں کے علاوہ لونڈیاں بھی موجود تھیں۔ ہمیں تاریخ میں کوئی ایسی شہادت نہیں ملتی۔ نہ ہی قرآن میں کوئی ایسا حکم ملتا ہے جس میں ان مسلمان ہونے والے عربوں سے کہا گیا ہو کہ وہ اپنی ان لونڈیوں کے ساتھ جو ان کے ہاں موجود تھیں باقاعدہ نکاح کریں۔ اس کے برعکس قرآن میں ازواج اور مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ کی دو الگ الگ شقیں بیان ہوئی ہیں (اس کی تفصیل ذرا آگے چل کر آئے گی) جس سے بھی مترشح ہوتا ہے کہ لونڈیاں ازواج سے الگ تھیں۔

(۶) ان قرائن سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ قرآن نے ان لونڈیوں کو ان کے گھروں میں علیٰ حالہٖ رہنے دیا۔

(۷) ظہور اسلام کے وقت سے اس زمانہ تک جب قرآن میں جنگی قیدیوں کے متعلق ہدایت نازل ہوئی ہے مسلمانوں میں غلام اور لونڈیاں موجود تھیں لیکن قرآن میں ان لونڈیوں سے نکاح کرنے کا حکم آیا ہے۔ اس سے واضح ہے کہ اس دوران میں لونڈیوں سے بلا نکاح تمتع جائز نہیں تھا۔

(۸) تصریحات بالا سے یہ واضح ہے کہ بات سمٹ سمٹا کر صرف اتنی رہ جاتی ہے کہ زمانہ قبل از اسلام میں جن لوگوں کے پاس لونڈیاں تھیں اور وہ مسلمان ہوئے تو کیا انہیں حکم دیا گیا کہ وہ ان لونڈیوں سے باقاعدہ نکاح کریں۔ یا ان کی قدیم رسم کے مطابق انہیں ان کے ہاں علیٰ حالہٖ رہنے دیا گیا جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے طلوع اسلام کا خیال ہے کہ انہیں علیٰ حالہٖ رہنے دیا گیا تھا۔ لیکن ہمارے مذکورہ صدر ہر دو مستفسرین کا خیال ہے کہ ان سے بھی نکاح کا مطالبہ کیا گیا تھا۔

آپ نے دیکھا ہو گا کہ اس سوال کی پوزیشن تاریخی ہے صورت یوں پیش آئی تھی کہ ان عربوں میں مسلمان ہونے کے بعد بھی ان کی عہد جاہلیت کی کئی رسومات اس طرح سے باقی رہیں۔ اسلام نے ان میں سے غلط رسومات کی رفتہ رفتہ اصلاح کی۔ جب تک کسی رسم کے مٹانے کا حکم نہیں آتا تھا وہ علیٰ حالہٖ جاری رہتی تھی۔ مثلاً قرآن نے مومن عورت کا نکاح مشرک مرد سے ناجائز قرار دیا ہے۔ لیکن اس حکم سے پہلے اس قسم کے نکاح عام طور پر ہوتے تھے۔ خود نبی اکرم صلعم نے اپنی دو صاحبزادیوں کا نکاح مشرک لڑکوں سے کیا تھا۔ لیکن قرآن میں جب اس کی ممانعت آ گئی تو پھر یہ سابقہ رسم ناجائز قرار پا گئی اور ختم کر دی گئی۔ بنا بریں اگر عرب کے مسلمان ہونے والے لوگوں سے اس کا مطالبہ نہ بھی کیا گیا ہو کہ وہ اپنی لونڈیوں سے اسلامی طریقہ کے مطابق نکاح کریں تو بھی اس سے دین پر کوئی حرف نہیں آتا۔ دین نے ہونے اختلاط کو نکاح کے بغیر ناجائز قرار دیا اور غلامی کو بند کر دینے کے بعد سرے سے اس سوال ہی کو مٹا دیا۔ قطع نظر لونڈیوں کے جو عرب مسلمان ہوئے تھے ان کے ہاں جو بیویاں تھیں۔ ان کے ساتھ ان کا نکاح بھی اسلامی طریقے کے مطابق نہیں ہوا تھا۔ عہد جاہلیت میں عربوں میں نکاح کے قریب نو طریقے رائج تھے۔ جن میں سے قرآن نے آٹھ طریقے ناجائز قرار دیئے۔ لیکن تاریخ کہیں نہیں بتاتی کہ ان آٹھ طریقوں کے مطابق جو عورتیں ان کی بیویاں بن چکی تھیں۔ ان سے اسلامی طریقہ کے مطابق تجدید نکاح کا مطالبہ کیا گیا ہو۔ اگر ان کا ان پرانی رسموں کے مطابق بیویاں بنے رہنا معیوب نہ سمجھا گیا۔ تو اسی قسم کی ایک اپنی رسم کے مطابق لونڈیوں کو علیٰ حالہٖ رہنے دینے میں بھی کوئی قباحت نہیں سمجھی گئی ہو گی۔ اصل یہ ہے کہ ہم اس سوال کو اپنے موجودہ نفسیاتی ردعمل کے ماتحت دیکھتے ہیں۔ حالانکہ ہمیں ان امور کو اس زمانہ کے حالات کی روشنی میں دیکھنا چاہیئے۔

(۹) ہم نے اوپر لکھا ہے کہ قرآن نے بعض مقامات میں ازواج اور ما ملکت ایمانکم میں فرق کیا ہے۔ اس فرق کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے یہ دیکھا جائے کہ قرآن نے ملک یمین کی اصطلاح کو کن کن معنوں میں استعمال کیا ہے ما ملکت ایمانکم کے معنے ہیں۔ "وہ جو تمہارے زیر اختیار ہوں"۔ اب دیکھیئے کہ قرآن نے اس سے کیا مفہوم لیا ہے۔

(الف) قرآن میں یہ اصطلاح ان لوگوں کے لئے بھی آئی ہے جو کسی کے ماتحت کام کرتے ہوں یا گھر کے ملازم اور خدمت گذار ہوں۔ حوالہ کے لئے دیکھیئے آیات نمبر ۱۶/۷۱، ۲۴/۳۱، ۲۴/۵۸، ۳۰/۲۸۔

(ب) یہ اصطلاح غلام اور لونڈیوں کے لئے بھی آئی ہے جو ان کے معاشرہ میں اس زمانہ میں موجود تھیں حوالہ کے لئے دیکھیئے ۴/۲۵، ۲۴/۳۲ ان سے قرآن نے نکاح کا حکم دیا ہے۔

(ج) خود نکاح کرنے کے معنوں میں بھی یہ اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔ جیسا کہ سورۂ احزاب میں نبی اکرم صلعم کے متعلق

اسلامی تاریخی ناول

طارق رئیس احمد جعفری

تاریخ اسلام کا تابناک صفحہ، شجاعت اور خود اعتمادی کا بے مثل مرقع۔ اسلام کے جذب و کشش کی دل افروز داستان جوش جہاد اور جذبۂ قربانی کی نہ بھولنے والی کہانی، فرض اور ایثار کا لازوال کارنامہ

۶۰۰ صفحات۔ مجلد رنگین گرد پوش۔ قیمت چھ روپے

ایوبی (غازی صلاح الدین) رئیس احمد جعفری

مصر کا فرمانروا، بیت المقدس کا فاتح، جس کے بازوئے شمشیر زن نے یورپ کی تمام مشترکہ طاقتوں کو سرنگوں کر دیا، جس کے نام کا حوالہ دے کر صدیوں یورپ کی مائیں بچوں کو سلاتی رہیں، جس کا تہور، رواداری اور استقامت و شجاعت تاریخ کے نہ مٹنے والے نقوش ہیں جس کی زندگی ناقابل فراموش، شاندار اور یادگار واقعات کا ایسا مرقع ہے جس پر اپنوں کو فخر اور غیروں کو حیرت

مجلد رنگین گرد پوش۔ قیمت پانچ روپیہ بارہ آنے

فاتح خیبر (رئیس احمد جعفری)

جس نے کفر کو شکست دی، شرک کی یلغار کو روکا جس نے ہر کٹھن اور نازک وقت میں جہاد، ایثار، استقامت اور تہور کا ثبوت دیا جس نے اسلام کی حرمت و عظمت پر اپنی زندگی قربان کر دی۔

مجلد رنگین گرد پوش۔ قیمت پانچ روپیہ بارہ آنے

نفیس اکیڈمی، ... اسٹریٹ ... کراچی

کہا گیا ہے کہ

لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَکَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَکَتْ یَمِیْنُکَ (۳۳/۵۲)

ظاہر ہے کہ یہاں مالکت یمینک سے مراد حضور کی ازواج مطہرات ہیں جو آپ کے عقد نکاح میں آچکی تھیں۔ لہٰذا یہ اصطلاح نکاح کے معنوں میں آئی ہے۔

(د) سورۂ نساء میں جہاں ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت کا ذکر ہے وہاں کہا ہے کہ

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ (۴/۳)

یہاں واحدۃ تو بیوی کے لئے آیا ہے۔ اس لئے اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ان لونڈیوں کے لئے ہی ہو سکتا ہے جو اس حکم سے پہلے ان کے ہاں موجود تھیں۔

(ہ) اسی طرح اسی سورۂ نساء میں جہاں محرمات کی فہرست دی گئی ہے۔ وہاں آخر میں کہا گیا ہے کہ

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ (۴/۲۴)

یہاں اگر محصنٰت کے معنی شوہردار عورتیں لئے جائیں۔ تو مالکت ایمانکم سے مفہوم ہوں گی وہ لونڈیاں جن کے شوہر کہیں پہلے موجود تھے۔ لیکن وہ کسی طرح ان کی غلامی میں آگئی تھیں۔ البتہ اگر محصنٰت کے معنے پاکدامن عورتیں لئے جائیں تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ بجز ان پاکدامن عورتوں کے جو تمہارے اپنے نکاح میں آچکی ہوں۔ دوسری عورتیں جن سے تمہارا نکاح نہیں ہوا وہ تم پر حرام ہیں۔

(۱۱) اب آگے بڑھئے۔ سورۃ المومنون میں ہے

وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ۔ (۲۳/۶) بعینہٖ یہی الفاظ ۷۰/۳۰ میں بھی آئے ہیں۔

ان آیات میں ازواج اور مالکت ایمانہم میں صاف فرق بتایا گیا ہے۔ اسی طرح سورۂ احزاب میں آیا ہے

قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَیْهِمْ فِیْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ (۳۳/۵۰)

یہاں بھی یہی فرق موجود ہے۔

مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ میں دو قسم کی لونڈیاں آجاتی ہیں۔ ایک وہ جو ظہور اسلام سے پہلے ان لوگوں کے ہاں موجود تھیں۔ دوسری وہ جو ظہور اسلام کے بعد ان لوگوں کے ہاں آئیں۔ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں ظہور اسلام کے بعد کسی لونڈی سے بلا نکاح جنسی اختلاط جائز نہیں تھا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جب کسی لونڈی سے نکاح کر لیا جائے تو وہ ازواج کے حکم میں آجائے گی۔ اس سے ظاہر ہے کہ ان آیات میں جن مالکت ایمانہم کا ذکر ہے۔ ان سے مراد قبل از اسلام کی لونڈیاں تھیں۔ جنھیں ان کے گھروں میں علیٰ حالہٖ بنے دیا گیا تھا۔ انھیں لونڈیوں کا ازواج سے الگ ذکر کیا گیا ہے۔

(۷) بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ قرآن نے نکاحی بیویوں ہی کی دو شقیں بتائی ہیں۔ یعنی جن آزاد عورتوں سے نکاح کیا جاتا تھا۔ انھیں ازواج کہا گیا ہے اور جن لونڈیوں سے نکاح کیا جاتا تھا۔ انھیں بغرض امتیاز بدستور ملکت یمینٌ (یعنی لونڈیاں) ہی کہا گیا۔ مولوی چراغ علی مرحوم نے اسی خیال کی تائید کی ہے لیکن ہم اس سے متفق ہوتے ہیں اس لئے متامل ہیں کہ ہمارے نزدیک اسلام جیسے وسیع القلب اور مساوات کی تعلیم دینے والے دین سے بعید نظر آتا ہے کہ وہ ایک لونڈی کو بذریعہ نکاح بیوی بن جانے کے بعد بھی لونڈی ہی کہہ کر پکارے جب اس نے غلاموں کو مسلمان ہو جانے کے بعد غلام کہہ کر نہیں پکارا تو وہ لونڈیوں کو ہمیشہ کے لئے لونڈیوں کے لقب سے ہی کیوں متعارف کراتا؟ اس نے انہی لونڈیوں کو لونڈیاں کہا جو زمانہ جاہلیت میں لونڈیوں کی حیثیت سے عربوں کے ہاں موجود تھیں۔ اور وہ ان کے مسلمان ہو جانے کے بعد بھی لونڈیوں ہی کی حیثیت سے ان کے گھروں میں رہیں۔

البتہ اس باب میں ایک آیت ایسی ہے جو دشواری پیش کرتی ہے۔ اور وہ ہے سورۂ احزاب کی وہ آیت جس میں نبی اکرم صلعم سے کہا گیا ہے کہ

اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَکَ اَزْوَاجَکَ الّٰتِیْٓ اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَکَتْ یَمِیْنُکَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَیْکَ (۳۳/۵۰)

اس آیت میں بھی ازواج اور ملک یمین میں فرق کیا گیا ہے۔ یہ معلوم ہے کہ رسول اللہ کے ہاں زمانہ قبل از اسلام کی رسم کے مطابق کوئی لونڈی نہیں تھی۔ آپ کے تمام نکاح (بجز حضرت خدیجہؓ کے) ظہور اسلام کے بعد ہی ہوئے۔ ان میں وہ ازواج مطہرات بھی شامل تھیں جو مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَیْکَ کے ماتحت آتی ہیں۔ ان سے بھی حضورؐ نے آزاد عورتوں کی طرح نکاح کیا تھا۔ اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کا ذکر ازواج سے الگ کیوں کیا گیا۔

بعض کا کہنا یہ ہے کہ ازواج انھیں کہا گیا ہے جو اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ کے تحت آتی ہیں۔ یعنی جن کا مہر ادا کر دیا گیا ہو۔ بالفاظ دیگر جن لونڈیوں سے مہر کے ساتھ نکاح کیا جائے۔ وہ ازواج میں داخل ہوں گی اور جنھیں مہر نہ دیا جائے۔ انھیں مالکت ایمانکم کہا جائے گا۔ لیکن قرآن نے لونڈیوں کے معاملہ نکاح کے لئے بھی مہر کی شرط رکھی ہے جیسا کہ فرمایا

فَانْکِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (۴/۲۵)

البتہ اسی آیت کے ابتدائی الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ لونڈیوں کی صورت میں مہر کی رقم آزاد عورتوں کے مہر کی نسبت کم ہوتی تھی قرآن نے یہ بھی کہیں نہیں کہا کہ مالک اپنی لونڈی سے بلا مہر نکاح کر سکتا ہے۔ قرآن میں بلا مہر نکاح کا ایک ہی واقعہ بیان ہوا ہے اور وہ نبی اکرم صلعم کی ذات کے لئے مخصوص تھا۔ جیسا کہ سورۂ احزاب میں فرمایا ہے کہ

وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِیِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنْ یَّسْتَنْکِحَهَا خَالِصَةً لَّکَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ (۳۳/۵۰)

بہر حال یہ ہے مالکت ایمانکم کی پوزیشن جسے ہم قرآن سے سمجھ سکے ہیں۔ اگر کوئی صاحب ہمارے اس فہم قرآن سے متفق نہ ہوں اور وہ اس مسئلہ کو قرآن کی روشنی میں صاف کرنا چاہیں تو طلوع اسلام ان کی تصریحات کو بخوشی شائع کرے گا اس حقیقت کو ایک مرتبہ پھر سمجھ لینا چاہیے کہ سوال زیر غور صرف اتنا ہے کہ عربوں کے ہاں جو لونڈیاں زمانہ جاہلیت میں موجود تھیں ان کے اسلام لانے کے بعد ان لونڈیوں کو علیٰ حالہٖ باقی رہنے دیا گیا تھا۔ یا ان لوگوں سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ ان سے اسلامی طریقے کے مطابق تجدید نکاح کریں۔ جو صاحب اس مسئلہ پر کچھ لکھنا چاہیں۔ وہ صرف اسی نکتہ کے متعلق لکھیں کیونکہ ظہور اسلام کے بعد نہ کسی آزاد عورت سے اور نہ لونڈی سے جنسی اختلاط بلا نکاح کی اجازت تھی۔ اور جنگی قیدیوں کے متعلق قرآن میں حکم آجانے کے بعد غلام اور لونڈیوں کا وجود ہی ختم کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد اگر مسلمانوں کے ہاں غلام اور لونڈیاں دکھائی دیتے ہیں تو وہ مسلمانوں کا اپنا فعل تھا جس سے اسلام کا دامن بالکل پاک ہے۔

اسلام کی سرگذشت

(صفحہ ۸ کا بقیہ)

جہاں تک مجھے معلوم ہوا ہے ــــ وہ شخص تھا جس نے کہا تھا کہ "بہت جلد میں بھی ایسی ایک کتاب نازل کر دوں گا جیسی خدا نے نازل کی ہے[1]"۔

غالباً ان تصریحات کے بعد جو ہم نے بیان کی ہیں ــــ کہ عربوں کے اپنے اردگرد کے لوگوں، یعنی ایرانیوں اور رومیوں سے تجارتی، سیاسی اور دینی تعلقات قائم تھے۔ نیز لقمان کے بارہ میں ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے کہ وہ حبشی یا یہودی یا مصری تھے۔ اور عربوں کا اس پر اتفاق ہے کہ بہر حال وہ عربی نسل سے نہیں تھے۔ نیز اس مشابہت کی بنا پر جو امثال سلیمان، اور امثال عربیہ میں پائی جاتی ہے۔ اور جو کچھ ہم اس سے اوپر بیان کر چکے ہیں کہ عربوں کے قصوں کہانیوں اور دوسری قوموں کے قصوں کہانیوں میں کئی قسم کی مشابہتیں پائی جاتی ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بھی کہ عرب لوگ اپنی شبانہ مجلسوں میں ایرانیوں کے قصے اور کہانیاں بیان کیا کرتے تھے ــــ یہ چیز اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ عرب قوم ــــ جیسا کہ بہت سے لوگوں کا خیال ہے ــــ دوسری قوموں سے مکمل اور مستقل طور پر کوئی الگ تھلگ قوم نہیں تھی، نہ اپنے اقتصادی وسائل میں اور نہ ہی سیاسی اور ادبی مسائل میں۔ اس کے بعد جب اسلام آیا تو دیگر اقوام کے ساتھ یہ اتصال اور بھی مکمل تر ہو گیا۔ اور باہمی امتزاج کے اثرات بڑھتے چلے گئے۔ جیسا کہ آگے چل کر انشاء اللہ واضح ہوتا چلا جائے گا۔

---

[1] ابن ہشام صفحہ ۱۹۰ جلد ۱

عالمِ اسلامی

افغانستان نے پاکستانی سفارت خانوں پر حملہ کر کے جو تنازعہ کھڑا کیا تھا وہ سعودی عربیہ، مصر اور ایران کی مشترکہ مساعی مفاہمت کے باوجود طے نہیں ہو سکا تھا۔ آخر میں بات یہاں آکر رک گئی تھی کہ افغانستان پاکستان کے خلاف نام نہاد پختونستان کے سلسلہ میں جو پروپیگنڈہ کر رہا ہے اسے وہ ختم کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اس پر افغانستان کا اصرار اس قدر زیادہ تھا کہ مساعی مفاہمت تک کو ختم کر دینا پڑا۔ حالانکہ اصلی تنازعہ سے متعلق تمام امور طے پا گئے تھے۔ بہرحال مزید گفتگو ہوتی رہی تا آنکہ اس ماہ کے وسط میں یہ تصفیہ ختم ہو گیا۔ اس تصفیہ سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا تھا کہ خلاف پاکستان پروپیگنڈہ کو ترک کر دیا ہو گا۔ اور کچھ نہیں تو کم از کم یہی توقع کی جا سکتی تھی کہ اتنے عرصہ کی کشیدگی کے بعد جو تعلقات استوار ہوئے ہیں۔ تو افغانستان اس کا کچھ نہ کچھ لحاظ ضرور کرے گا۔ اور کچھ وقت کے لئے زبان بند رکھے گا۔ لیکن ۱۳ ستمبر کو سردار محمد نعیم خاں، وزیر خارجہ افغانستان نے پاکستانی پرچم کابل میں لہرایا اور ۲۰ ستمبر کو آپ نے عبدالغفار خاں کی گرفتاری پر رائے زنی کرتے ہوئے کہا کہ اس کا مقصد "پختونستان کی قومی تحریک" کو کچلنا ہے۔ پختونستان کے بارے میں اپنی حکومت کی حکمت عملی کی وضاحت کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ اس میں نہ کوئی تبدیلی آئی ہے نہ آ سکتی ہے۔ عبدالغفار خاں کی گرفتاری پاکستان کا اندرونی معاملہ ہے اور کسی کو اس میں مداخلت کا حق حاصل نہیں ہے۔ افغانستان نے نہ صرف اس اندرونی معاملہ میں دخل اندازی ضروری سمجھی بلکہ اسے نام نہاد پختونستان سے منسوب کر کے اسے ایک الگ رنگ دینا چاہا۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ افغانستان کی ذہنیت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ اگر یہی صورت حال ہو تو پرچم سے متعلق تصفیہ عالم اسلامی کے بہی خواہوں کے دلوں میں مسرت کی ہلکی سی لہر بھی پیدا نہیں کر سکے گا۔ ظاہر ہے کہ افغانستان نے یہ تصفیہ کسی مصلحت کے تحت کیا ہے ورنہ اس کے دل میں اخوت اسلامی تو کجا، حقوق ہمسائیگی تک کا بھی کچھ احترام نہیں۔ اس سے دونوں ممالک کے تعلقات بہتر نہیں ہو سکیں گے اور عالم اسلامی میں کشیدگی کی ایسی ناگوار صورت باقی رہے گی۔ جو ان کے اتحاد کی راہ میں رکاوٹ بنی رہے گی۔ جن ممالک اسلامیہ نے اس سلسلہ میں مفاہمت کی کوشش کی تھی ان کا فرض ہے کہ وہ اس حقیقی علت کا علاج سوچیں اور کسی ایک ملک کو اس قابل نہ بننے دیں کہ وہ اتحاد کی مساعی کو ناکام بنا دے۔

مراکش کا معاملہ ابھی تک طے نہیں ہو سکا ہے۔ وہاں امیدیں بن بن کر بگڑتی ہیں۔ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کیا ہو گا؟ فرانس کی حکومت اصلاحات کی گفتگو کے لئے تیار ہے بظاہر توقع پیدا ہو گئی تھی کہ موجودہ غاصب سلطان کی بجائے ایک ریجنسی کونسل قائم کی جا سکے گی اور نئی حکومت مرتب کر کے سلسلہ مذاکرات شروع کیا جا سکے گا۔ لیکن مختلف سیاسی پارٹیوں نے وزیر اعظم فار کی مخالفت شروع کر دی ہے اور خدشہ پیدا ہو گیا ہے کہ کہیں ان کی حکومت ہی ختم نہ ہو جائے۔ اگر ایسا ہوا یا سلسلہ مذاکرات شروع کرنے میں کسی اور وجہ سے کوئی تاخیر ہو گئی تو مراکش کی صورت حال سخت خراب ہو جائے گی۔ مراکش کے قومی جذبات بڑی شدت سے ابھرے ہوئے ہیں اور وہ کم از کم داخلی خود مختاری ضرور حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اور اس کے لئے ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار ہے! اس کے برعکس فرانس معقولیت اور حقیقت پسندی کی راہ اختیار کرنے کی بجائے فوجی طاقت سے کام لینا چاہتا ہے حالانکہ وہ دیکھ چکا ہے کہ اس کا نتیجہ مراکش کے جذبات قومی میں شدت کے علاوہ کچھ نہیں نکلا۔ ان حالات میں ضرورت ہے کہ باہمی گفتگو سے ایک متفقہ لائحہ عمل تیار کر لیا جائے اور مراکش کو تیونس کے برابر درجہ دیا جائے۔

شاہ ایران فروری میں دہلی جا رہے ہیں اور ہندوستان کے دورے سے فارغ ہو کر روس جائیں گے۔ دوسرے ملکوں میں جانا اور ان سے روابط پیدا کرنا کوئی ایسا عمل نہیں جس کی مذمت کی جائے بلکہ آج کی دنیا میں اس سیر و سیاحت کی افادیت مسلم ہو چکی ہے۔ لیکن آمد و رفت کی بعض صورتوں کو ان کے پس منظر ہی میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ہندوستان اور روس یقیناً ایسے ممالک نہیں ہیں جو عالم اسلامی کی وحدت کو ایک آنکھ بھی دیکھ سکیں۔ وہ کوشاں ہیں کہ مسلمان متفرق رہیں اور ان کے رحم و کرم پر۔ لہٰذا ایسے دوروں سے متعلق خدشات کا پیدا ہونا بالکل فطری ہے۔ ایران پہلے سے ہی ایک حد تک ایسے عناصر کا شکار ہو چکا ہے جو وحدت عالم اسلامی کے خلاف مصروف عمل ہیں۔ اس کا پاکستان، ترکی اور عراق کے ساتھ مفاہمت کرنا یقینی نظر آتا تھا لیکن بلاوجہ لیت و لعل سے معاملہ ٹلتا جا رہا ہے۔ اب ایسے موقع پر شاہ ایران کا ہندوستان جانا اچھے نتائج کا حامل نہیں ہو سکتا ہندوستان نے مصر کو "غیر جانبداری" کا قائل کرا لیا ہے۔ اور اس کی وساطت سے عالم اسلامی میں تفریق پیدا کر رہا ہے۔ وہ ایران پر بھی ڈورے ڈالے گا اور اسی راہ پر لائے گا۔ یہ دیکھنا ہو گا کہ شاہ ایران کس حد تک یہ اثر قبول کرتے ہیں۔ مصر تو ہندوستان کا یہاں تک حلقہ بگوش بنتا جا رہا ہے کہ وہ اسلحہ کے لئے ہندوستان کی طرف دیکھ رہا ہے۔ ہندوستان مصر کی اسلحہ کی ضرورت جس حد تک پوری کر سکتا ہے۔ وہ ظاہر ہے۔ لیکن تعجب تو مصر پر آتا ہے جو ایٹمی دور میں ہندوستان جیسے ملک سے اسلحہ خریدنے کا خیال دل میں لاتا ہے۔ مصر کو اسلحہ کی واقعی ضرورت ہے لیکن اس کی ضرورت ہندوستان تو کیا کسی بڑے سے بڑے مشرقی ملک سے بھی پوری نہیں ہو سکتی۔ یہ اسلحہ امریکہ سے مل سکتا ہے اور اس کے حاصل کرنے کی ایک ہی صورت ہے کہ مسلمان متحد ہو کر اس سے سودا کریں۔ یہ سودا کیسے ہو سکتا ہے! اس پر تفصیلی طور پر طلوع اسلام میں لکھا جا چکا ہے۔

ہندوستان اسلامی ممالک کو باہم دگر متفرق اور اپنے ساتھ متحد کرنے کے لئے یہ کچھ کر رہا ہے۔ لیکن دوسری طرف پاکستان ہے کہ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے اس کے نزدیک یہ کوئی مسئلہ نہیں جسے درخور اعتنا سمجھا جا سکے اسلامی ممالک میں اس کے سفیر (بہ استثنائے چند) جن خوبیوں کے مالک ہیں ان کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ لیکن جس ملک کو اس کے اندرونی معاملات ہی چین سے نہ بیٹھنے دیں۔ وہ خارجی امور کی طرف کیا توجہ دے سکے گا! کیا ہماری نئی حکومت اس مسئلہ کی اہمیت پر غور کرے گی؟

بزمِ طلوعِ اسلام

گولیمار۔ کراچی محمد یسین صاحب ترجمان بزم طلوع اسلام گولیمار کراچی سے اطلاع دیتے ہیں کہ ماہ اگست میں ان کی بزم کے چار اجتماع ۵، ۱۲، ۱۹ اور ۲۶ تاریخوں میں ہوئے۔ پہلے اور دوسرے اجتماع میں اس موضوع پر تقریریں ہوئیں کہ "محمد صلعم رحمۃ للعالمین کیوں تھے؟" اور تیسرے اجتماع میں اس موضوع پر تقریریں کی گئیں کہ "مسلمانوں میں ملوکیت کی ابتدا کب ہوئی؟" اور چوتھے اجتماع میں یہ موضوع زیر بحث رہا کہ "مسلمانوں میں ملائیت کی ابتدا کب ہوئی؟"

نیز وہ لکھتے ہیں کہ اس ہفتے گارڈن ایسٹ کی بزم طلوع اسلام سے بھی رابطہ قائم کیا گیا۔

پشاور مرزا نصیر الدین صاحب ۲۷۷۲ گندان اسٹریٹ اندرون ڈبگری گیٹ پشاور شہر سے تحریر فرماتے ہیں کہ مقامی قارئین طلوع اسلام سے گزارش ہے کہ اگر انھیں خود رابطہ پیدا کرنے میں تکلیف محسوس ہوتی ہو یا کوئی رکاوٹ درپیش ہو تو آپ اپنے پتے سے مجھے بذریعہ پوسٹ کارڈ مطلع کر دیں۔ تاکہ ان سے مل کر قرآنی فکر کی نشر و اشاعت اور بزم کے فروغ کے لئے زیادہ سے زیادہ کوشش کی جا سکے۔

استفسارات بھیجتے وقت

بعض قارئین طلوع اسلام استفسارات بھیجتے وقت اپنا نام اور پتہ درج نہیں کرتے۔ چونکہ ہر استفسار کا جواب پرچے میں نہیں دیا جا سکتا۔ اس لئے ایسے استفسارات بے جواب رہ جاتے ہیں۔ لہٰذا قارئین سوالات بھیجتے وقت نام اور پتہ پابندی سے لکھیں تاکہ اگر ان کا جواب پرچے میں نہ دیا جا سکے تو انھیں خط کے ذریعہ جواب دیدیا جائے

مدیر

بین الاقوامی جائزہ

بین الاقوامی سیاست ابھی تک جنیوا کانفرنس کے زیر سایہ جاری ہے۔ اس لئے اس میں کوئی خاص ہنگامہ نہیں ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ سیاست کا یہ بظاہر پرسکوت بہاؤ اسی طرح رہے گا۔ رفتہ رفتہ وقت آرہا ہے کہ اس بہاؤ میں خلل واقع ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ ایسا نشیب و فراز ماہ سے ہوگا بلکہ اس پانی کی فطرت میں ہی سکوت نہیں۔ لہٰذا یہ دیکھنا ہے کہ روح جنیوا کب تک اثر انداز رہے گی۔ یوں اس روح کی تاثیر کا صحیح اندازہ اکتوبر کے آخر میں ہو سکیگا۔ جب چار بڑے ملکوں کے وزرائے خارجہ اکٹھے ہوں گے۔ اور چار بڑوں کی ہدایات کے مطابق متنازعہ فیہ مسائل کی جزئیات طے کریں گے۔ لیکن بعض شعبوں میں جو کچھ اب تک ہوا ہے یا ہو رہا ہے اس سے ہوا کے رخ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مثلاً تخفیف اسلحہ سے متعلق جو ذیلی کمیٹی جنیوا کانفرنس کے بعد مصروف کار ہوئی۔ وہ کسی نتیجہ تک نہیں پہنچ سکی۔ معاملہ یہاں آکر رک گیا ہے کہ متعلقہ ممالک کی جنگی قوت کا معائنہ ہونا چاہیئے تاکہ اس کا صحیح اندازہ بھی ہوتا رہے اور کوئی ملک اچانک جنگ نہ چھیڑ دے۔ روس اس تجویز پر آمادہ نظر نہیں آتا۔ گو امریکہ اس خوش فہمی کا اظہار کر رہا ہے کہ روس زود یا بدیر صدر آئزن ہاور کی معائنہ والی تجویز مان لیگا اگر روس اس قسم کی تجویز مان لے تو اس کے نتائج بڑے دور رس ہوں گے۔ اگر روس نے یہ تسلیم کر لیا کہ کوئی دوسری قوم بالخصوص امریکہ اس کے جنگی ساز و سامان ذخیرہ کا معائنہ کر سکتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ بڑی قوموں کے مابین جو باہمی بداعتمادی کی فضا پیدا ہو چکی ہے۔ اس کے رفع ہونے کی ابتداء ہو گئی ہے۔ اور یہ صورت پیدا ہو گئی تو جنگ کا امکان کم ہو جائیگا۔

مغربی جرمنی کے چانسلر ڈاکٹر ایڈی نار ماسکو سے ہو آئے ہیں وہ بڑے خوش ہیں۔ مشترکہ اعلان میں بتایا گیا ہے کہ دونوں ممالک نے سفارتی تعلقات قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ایڈی نار نے ماسکو میں بھی اور واپس آکر بھی جرمنی میں یہ واضح طور پر کہہ دیا ہے کہ مغرب سے ان کے تعلقات حقیقی ہیں۔ اور روس سے مذاکرات کا ان پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ مغربی جرمنی کی سیاسی پارٹیوں نے ماسکو کے سفر اور فیصلے کو سراہا ہے۔ روس مغربی جرمنی کو اپنی طرف مائل کرنے میں کوشاں ضرور ہے۔ لیکن یہ ٹیڑھی کھیر ہے نیز وہ کمیونسٹ مشرقی جرمنی کو نظر انداز نہیں کرنا چاہتا۔ چنانچہ ڈاکٹر ایڈی نار کے آنے کے فوراً بعد مشرقی جرمنی کے وزیر اعظم کو ماسکو بلا لیا گیا۔ ان سے کرد شیف نے یہ وعدہ کر لیا ہے کہ روس جرمن قیدیوں کو رہا کر دے گا۔ ایسا وعدہ غالباً مغربی جرمنی سے نہیں کیا گیا۔ اس کا احسان مشرقی جرمنی پر رکھا جائے گا۔ اقوام مغرب بھی ماسکو کے فیصلے سے مطمئن نظر آتی ہیں۔ بظاہر اطمینان کی یہی وجہ کافی ہے کہ ڈاکٹر ایڈی نار مغرب سے اپنا رشتہ منقطع کرنے پر رضامند نہیں ہوئے۔ حالانکہ وہ یہ قیمت دے کر روس سے کئی ضروری مطالبات منوا سکتے تھے۔

امریکہ اور چین کے مذاکرات ایک عرصہ سے جاری ہیں۔ ان کا ابھی تک کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ گو ان کا جاری رہنا ازبس غنیمت ہے چین نے اس سلسلہ میں یہ تجویز پیش کی ہے کہ چین کے وزیر اعظم چو این لائی اور امریکہ کے سکریٹری آف اسٹیٹ مسٹر ڈلیز براہ راست ملاقات کریں۔ اس تجویز کا محرک چین کا یہ جذبہ ہے کہ مذاکرات کی سطح آہستہ آہستہ بلند تر ہوتی جائے۔ تاکہ حکومت چین کی تسلیم کا اصل مسئلہ کھل کر زیر بحث لایا جا سکے۔ امریکہ نے اس تجویز کو قبول نہیں کیا۔ تسلیم حکومت کے بارے میں امریکہ دراصل بڑا متردد واقع ہوا ہے۔ وہ اس کے لئے بالکل تیار نہیں۔ اس سے چین کی امیدوں پر پانی پھر گیا ہے۔ وہ اس کے لئے کوشاں تھا کہ جنرل اسمبلی کے اجلاس تک اقوام متحدہ میں پہنچ جانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ گو یہ خوش فہمی شروع ہی سے وقیع نظر نہیں آتی تھی تاہم اب اس کا کوئی امکان نہیں رہا جنرل اسمبلی کا اجلاس ۲۰ ستمبر کو شروع ہو رہا ہے۔ اس اجلاس سے اندازہ ہوتا رہے گا کہ بین الاقوامی سیاست کا بہاؤ کدھر ہے۔ پہلا موقع ہے کہ گویا انہیں پنڈت نہرو کو زک اٹھانی پڑی ہے کہاں وہ اس علاقے پر حملوں کی باتیں کرتے تھے اور کہاں یہ حالت ہے کہ انھوں نے ستیہ گرہیوں کا وہاں جانا بند کر دیا ہے کم از کم ان کا فیصلہ یہی ہے انھوں نے اچھی طرح بھانپ لیا ہے کہ دھمکیوں سے کام نہیں چلیگا۔ چنانچہ وہ الٹی زقند لگا کر اپنے اصلی مقام پر آگئے ہیں اب وہ کشمیر کی طرح گوآ کے مسئلہ کو بھی اقوام متحدہ میں لے جانا چاہتے ہیں۔

مطبوعات طلوع اسلام کی

شرائط ایجنسی

شرح کمیشن

معراج انسانیت ———— ۲۵ فی صدی
دیگر مطبوعات ———— ۳۳ فی صدی

۱۔ قیمت بعد وضع کمیشن بذریعہ وی پی وصول کیجائیگی۔
۲۔ غیر فروخت شدہ کتب واپس نہیں لی جائیں گی۔
۳۔ پہلی فرمائش پچاس روپے (بعد وضع کمیشن) سے کم نہیں ہونی چاہیئے۔
۴۔ ہر آرڈر کے ہمراہ کم سے کم چوتھائی رقم پیشگی آنی چاہیئے ورنہ تعمیل نہیں ہو سکے گی۔

نوٹ:۔ کراچی کے ایجنٹ صاحبان دفتر طلوع اسلام سے معاملہ طے کریں۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۴۳۱۳ کراچی

کیا آپ نے یہ کتابیں دیکھی ہیں؟

مزاج شناس رسول — یہ کون بتائے کہ صحیح احادیث کونسی ہیں اور غلط کونسی؟ مزاج شناس رسول! مزاج شناس کون ہیں؟ اسکی تفصیل اس کتاب میں ملے گی۔ ۴۴۰ صفحات ———— قیمت چار روپے

مقام حدیث — حدیث کے متعلق تمام اہم سوالات کے تفصیلی جواب۔ احادیث کے متعلق اتنی معلومات کسی جگہ یکجا نہیں ملیں گی۔ دو جلدیں ہر جلد کے قریباً چار سو صفحات۔ اور قیمت فی جلد ———— چار روپے

فردوس گم گشتہ — (از پرویز) ان مضامین کا مجموعہ جنہوں نے تعلیمیافتہ نوجوانوں کی نگاہ کا زاویہ بدل دیا۔ خالص ادبی نقطۂ نگاہ سے۔ اردو لٹریچر کی بلند پایہ تصنیف۔ ۴۰۲ صفحات ———— قیمت چھ روپے

نوادرات — (از علامہ اسلم جیراج پوری، علامہ موصوف کے مضامین کا نادر مجموعہ۔ چار سو صفحات ———— قیمت چار روپے

اسلامی معاشرت — (از پرویز) مسلمان کے عادات و خلاق کا خاکہ۔ رہنے سہنے کے ڈھنگ۔ سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر اسلوب قرآنی آئینہ میں۔ صفحات ۱۹۲۔ قیمت دو روپے

نظام ربوبیت — (از پرویز) انسان کے معاشی مسائل کا قرآنی حل اصول ملکیت کا قرآنی تصور دور حاضرہ کی عظیم کتاب ضخامت تین سو صفحے
قیمت (قسم اول) ———— چھ روپے
(قسم دوم) غیر مجلد ———— چار روپے

اقبال اور قرآن — (از پرویز) علامہ اقبال کے قرآنی پیغام سے متعلق محترم پرویز صاحب کے انقلاب آفریں مقالات کا مجموعہ
ڈسٹ کور کے ساتھ — صفحات دو سو چھپن (۲۵۶) ———— قیمت دو روپے

تمام کتابیں مجلد ہیں اور گرد پوش سے آراستہ۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ:۔ ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۴۳۱۳۔ کراچی

تاریخ الامت

علامہ اسلم جیراجپوری مدظلہ کی تاریخ کی وہ بے مثل کتاب جو تقسیم سے پہلے بیشتر درسگاہوں میں بطور نصاب شامل تھی۔اب مولف کی اجازت سے طلوع اسلام نے اسے دوبارہ چھاپا ہے۔

قیمت حصہ اول (سیرت رسول اللہ صلعم) دو روپے۔

قیمت حصہ دوم (خلافت راشدہ) دو روپے آٹھ آنے۔

کتاب آٹھ حصوں پر مشتمل ہے۔باقی حصے عنقریب شائع ہو جائینگے۔

اقبال اور قرآن

اقبال نے قرآنی انقلاب کی آواز سے فضا کو معمور کیا۔

قرآن کیا کہتا ہے اور اقبال کا پیغام کیا ہے؟

ان کے جوابات مفسر قرآن اور ترجمان اقبال پرویز سے سنئے۔

ضخامت ۲۵۶ صفحات قیمت دو روپے

ابلیس و آدم

سب سے پہلا انسان کس طرح معرض وجود میں آیا؟ آدم اور خلافت آدم کا مفہوم کیا ہے۔ابلیس کیا ہے اور آویزش ابلیس و آدم کیا؟ وحی کیا ہے اور وحی نے انسان کو کیا عطا کیا؟ ان سوالات کے قرآنی جوابات اس کتاب میں دیکھئے۔

صفحات ۳۷۶ قیمت آٹھ روپے

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔پوسٹ بکس نمبر ۲۱۳ ۔ کراچی ۔ ۳

افراد

الگ الگ رھیں گے تو ھر فرد کی عقل اپنے سفاد کیلئے کوشاں رھیگی

اس کا نتیجه

مفاد کا تصادم فلهذا مستقل فساد هے

اس تصادم سفاد کا حل

یه هے که تمام افراد کی ضروریات زندگی کی فراهی کی ذمه‌داری

معاشره پر هو۔ اس طرح تمام افراد معاشره

ایک گھرانے کے فرد

بن جائینگے۔

قرآن ایسے هی معاشره کا تصور پیش کرتا هے۔

اس کا واضح نقشه

☆ نظام ربوبیت ☆

(از - پرویز)

سیں سلے گا۔

قسم اول۔ کاغذ سفید کرنا فلی۔ جلد مضبوط مع گرد پوش چھ روپے۔

قسم دوم۔ کاغذ سیکانیکل۔ صرف ڈسٹ کور کے ساتھ چار روپے۔

ناظم اداره طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۲۱۳ ۔ کراچی-۳

Title Printed at Mueid Art Press, Thathai Compound, Bunder Road, Karachi. Text at Jawed Press, McLeod Road, Karachi. Published by Khurshid Alam from Tolu-o-Islam Office, 23/1 Fowler Lines, Napier Barracks, Karachi. Editor: KHURSHID ALAM